جلد اوّل
واقعات پڑھئے
اور
عبرت لیجئے
ازافادات
حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم
بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور
مرتب
محمد زبیر
استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

واقعات پڑھئے

اور

عبرت لیجئے

جلد اول

افادات

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

مرتب

محمد زبیر

(استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

ناشر

فیصل پبلیکیشنز دیوبند

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

عناوین		صفحہ
	مقدمہ	۲۵
	ایمان ویقین کی حیرت انگیز طاقت وقوت	۲۸
۱	حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کی رستم سے گفتگو	۲۹
۲	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل علی اللہ	۳۰
۳	عقبہ ابن نافع رضی اللہ عنہ افریقہ کے جنگل میں	۳۱
۴	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیام دریائے نیل کے نام	۳۲
۵	سعد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی طاقت	۳۳
۶	حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور شیر کی بے بسی	۳۳
۷	شیر کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنا	۳۴
۸	رکانہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی	۳۴
۹	کسری کا محل اور صحابہ کا محیر العقول کارنامہ	۳۵
۱۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل واعتماد	۳۷

ذکر وتلاوت کی حلاوت وطاقت

معرفت و محبت الٰہی

محبت و عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خوبصورت نقوش

شیطانی مکر وفریب

آئینۂ تصوف وسلوک ۱۴۳

ذوق عبادت ومجاہدہ

تقوی وطہارت اور خوف وخشیت

عاجزی و تواضع سلوک کا عظیم راستہ

علم واہل علم کا مقام

حسن معاشرت

گناہوں کی نحوست۔ توبہ کی عظمت

لطائف

کتاب ملنے کا پتہ

شعبۂ تحقیق واشاعت

الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور

۸۴ر آرمسٹرانگ روڈ، بیدواڑی، بنگلور

فون: 9036701512

9036708149

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقَدّمَہ

از مرتب

الحمد لأهله والصلوة على أهلها:

اللہ تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل فرمایا جو کہ سراپا ہدایت ہی ہدایت ہے،اور قرآن کریم بے شمار علوم وفنون پر مشتمل ہے بلکہ علوم کا خزانہ اور منبع ومأخذ ہے،اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ یہ علام الغیوب کا نازل کردہ ہے۔

قرآن کریم کتنے علوم پر مشتمل ہے؟ اس میں علماء کی آرا مختلف ہیں مگر محدث کبیر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں فرمایا کہ قرآن کریم پانچ علوم پر مشتمل ہے:

(۱)علم التذكير بأيام الله (گزشتہ زمانے کے واقعات سے تذکیر کا علم)

(۲) علم التذكير بآلاء الله (اللہ کی نعمتوں سے تذکیر کا علم)

(۳)علم التذكير بالموت وما بعد الموت (موت اور اس کے بعد کے احوال سے تذکیر کا علم)

(۴)علم الاحكام (احکام الٰہی کا علم)

(۵)علم الجدل (دیگر مذاہب کے لوگوں سے مباحثہ کا علم)

قرآن کریم ان علوم کے ذریعہ مختلف انداز سے انسان کو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے، اور زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتا ہے۔

ان میں اول الذکر "علم التذکیر بأیام اللّٰہ "(یعنی گذشتہ زمانہ کے واقعات وحوادث کا علم) بھی انسان کی اصلاح وہدایت میں بے حد مؤثر ہے،اس علم میں ایک طرف انبیاء، صلحاء،اور مومنین کے واقعات بیان کئے گئے ہیں تاکہ انسان اپنی زندگی کو بھی ان کے نقش قدم پر ڈھال کر اللہ تعالی کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور کامیابی وکامرانی سعادت ونیک بختی کے لائق ہوجائے اور دوسری طرف کفار،منافقین،فساق وفجار کی بدعملی اور نافرمانی کی وجہ سے ان کی تباہی اور عذابات کا ذکر بھی کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنے آپ کو قہر الٰہی سے بچا کر اخروی زندگی میں سرخ روئی حاصل کرسکے۔

قرآن کے اسی طرز کی اتباع کرتے ہوئے مصلحین امت نے اپنی تصانیف اور اپنے مواعظ میں نیک وصالح لوگوں کے ایمان افروز وروح پرور واقعات اور ان کے نیک وصالح ثمرات سے یا برے لوگوں کی غلط کاریوں وخبائث کے حالات وواقعات اور ان کے برے نتائج کے ذریعہ امت کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کی کوشش کی ہے۔

انہیں اکابرین امت کی پیروی میں احقر (مرتب) نے میرے استاذ ومربی عالم ربانی شیخ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی مختلف تصانیف اور مواعظ میں جو واقعات آئے ہیں ان کو جمع کرنے کی ایک ادنی کوشش کی ہے،جس کی یہ پہلی جلد ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کو امت کے لئے نافع بنائے اور مجھے اپنے بڑوں کی سرپرستی میں دینی خدمات کی توفیق عطاء فرمائے۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں میرے رفیق محترم مولانا نوراللہ صاحب زید مجدہ (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) کا شکر گذار نہ بنوں، جنہوں نے میرا بھرپور تعاون فرمایا جس کی وجہ سے اس کتاب کو جلد منظر عام پر لانے میں آسانی ہوئی، اللہ تعالی ان کو بھی اپنے شایان شان بدلہ عطاء فرمائے، اور انہیں مزید خدمات کی توفیق عطاء فرمائے۔

فقط

محمد زبیر

(استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم)

۱۹ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
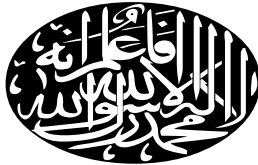
ایمان ویقین کی حیرت انگیز طاقت وقوت

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(اقبال رحمۃ اللہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کی رستم سے گفتگو

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت وسرکردگی میں ایک لشکر ایرانیوں سے مقابلہ کے لئے گیا، ایرانی لشکر کا سپہ سالار مشہور زمانہ پہلوان و بہادر رستم تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رستم کی درخواست پر حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کو اس سے بات چیت کے لئے بھیجا، ایرانیوں نے رستم کا دربار خوب سجا رکھا تھا، ریشم وحریر کے گدے، بہترین قالین، سونے و چاندی کی اشیاء اور دیگر اسباب زینت سے آراستہ پیراستہ کردیا تھا، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار، ہتھیارات سے لیس، پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس، اس شان کے ساتھ رستم کے دربار میں پہنچے کہ ننگی تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی۔ دربار میں رستم کا فرش بچھا ہوا تھا، آپ گھوڑے کو اسی پر چلاتے ہوئے اندر جانے لگے، رستم پہلوان کے آدمیوں نے ان کو روکا اور ان سے کہا کہ کم سے کم تلوار تو زیرِ نیام کرلیں۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہاری دعوت پر آیا ہوں، میری مرضی اور خواہش سے نہیں، اگر تم اس طرح آنے نہ دوگے تو میں لوٹ جاؤں گا۔ جب رستم نے یہ دیکھا تو اپنے لوگوں سے کہا کہ ان کو اسی حالت میں آنے دو۔

چنانچہ آپ اسی شان کے ساتھ رستم کے پاس پہنچے اور فرش جگہ جگہ سے تلوار کی نوک کی زد میں آکر پھٹ گیا تھا رستم نے پوچھا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت ربعی بن عامرؓ نے ایسا جواب دیا جو ہمیشہ کے لئے لاجواب رہے گا، آپ نے کہا کہ:"اللّٰہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله، ومن ضيق الدنيا إلى سعتها، ومن جورالأديان إلى عدل الإسلام "(اللہ نے ہمیں اس

لئے مبعوث کیا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں میں سے اللہ جن کو چاہے ان کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لائیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں میں لے جائیں اور دنیا کے مختلف مذاہب کے ظلم و جور سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لائیں)

(تاریخ طبری:۲/۴۰۱، البدایہ والنہایہ:۸/۳۹)

اس واقعہ سے اسلامی معاشرے کے افراد کی مظاہر کائنات سے، دنیا کی دلفریبیوں سے اور مادی طاقتوں سے بے رغبتی و بے خوفی کا عظیم الشان مظاہرہ ہو رہا ہے، یہی چیز اسلامی معاشرے کو کفر وشرک سے نکالتی اور شیطانی وطاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں روحانی وایمانی طاقت بخشتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل علی اللہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شب میں نفلیں پڑھنے مسجد کو تشریف لایا کرتے تھے، بعض حضرات نے ایک بار انکو پہرا دیا، جب آپ نماز سے فراغت کے بعد باہر آئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ آپ کی حفاظت کے لئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آسمان والوں سے یا زمین والوں سے؟ لوگوں نے کہا کہ زمین والوں سے، یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب تک کسی بات کا فیصلہ آسمان میں نہیں ہوجاتا اس وقت تک کوئی چیز زمین پر رونماء نہیں ہوتی، اور فرمایا کہ بیشک حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی لذت کوئی شخص اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک یہ یقین نہ کرلے کہ جو کچھ (اچھا یا برا) اسے پہنچا ہے وہ ہٹنے والا نہ تھا اور جو اسے نہیں پہنچا وہ اسے پہنچنے والا نہیں تھا۔

(تاریخ ابن عساکر:۴۲/۵۵۴، کنز العمال:۱/۸۱-۸۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص فیصلے کے لئے آئے، آپ ایک دیوار کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت! یہ دیوار گرنے والی ہے، آپ نے فرمایا کہ تو جا، اللہ حفاظت کے لئے کافی ہے، اس کے بعد آپؓ نے ان دونوں شخصوں کا مقدمہ طے کیا اور کھڑے ہوئے، اسکے بعد یہ دیوار گر گئی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۲۱۱)

عقبہ ابن نافع رضی اللہ عنہ افریقہ کے جنگل میں

حضرت عقبہ ابن نافع رضی اللہ عنہ نے افریقہ کے ایک جنگل میں شہر بسانا چاہا، تاکہ وہاں مسلمانوں کا لشکر قیام کر سکے، چنانچہ اس کے لیے جس جگہ کا انتخاب کیا گیا وہاں ہزاروں قسم کے جانور اور خونخوار درندے بسے ہوئے تھے۔ حضرت عقبہ بن نافع نے اللہ سے دعا کی پھر جنگل میں کھڑے ہوکر درندوں سے خطاب فرمایا کہ:

"اے جنگل کے سانپو اور درندو! ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور یہاں رہنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم یہاں سے کسی اور جنگل میں چلے جاؤ، اس کے بعد جو بھی ہم کو یہاں ملے گا ہم اس کو قتل کر دینگے"

یہ سن کر جنگل کے جانور اور درندے اپنے اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے نکلنے لگے اور دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسلمانوں کی اس ایمانی قوت کے حیرت انگیز کرشمہ نے لوگوں کو متحیر کر دیا اور بر بر قوم کے بہت سے قبائل نے اس دن ایمان قبول کیا۔

(الکامل لابن الأثیر: ۳/۳۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پیام دریائے نیل کے نام

مصر میں زمانہ جاہلیت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جب بھی دریائے نیل ٹھہر جاتا تو ایک حسین اور خوبصورت لڑکی کو قتل کر کے دریا کے حوالہ کر دیا جاتا تو دریائے نیل پھر حسب معمول چل پڑتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مصر فتح ہوا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں کے گورنر مقرر ہوئے، تو اسوقت بھی حسب معمول دریائے نیل کی روانی ختم ہوگئی، اور وہ ٹھہر گیا۔

اس موقعہ پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے اس دستور کا ذکر کر کے اس کے مطابق عمل کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ جاہلیت کی رسم ہے، ہم ایسا نہیں کریں گے، البتہ امیر المومنین حضرت عمرؓ سے میں مشورہ کرونگا۔ چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کو خط لکھا اور اس واقعہ کی پوری تفصیل بیان کر کے مشورہ چاہا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں دریائے نیل کے نام ایک چٹھی روانہ فرمائی اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ چٹھی دریائے نیل میں ڈال دیں، اس چٹھی کا مضمون یہ تھا کہ:

”یہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ امابعد! اگر تو (اے دریائے نیل) اپنے طرف سے جاری ہوتا تھا تو مت جاری ہو اور اگر اللہ واحد قہار نے تجھ کو جاری کیا تو ہم اسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھ کو جاری کر دے“۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ چٹھی دریائے نیل میں ڈال دی۔ ڈالنا ہی تھا کہ دریائے نیل خوب تیزی کے ساتھ رواں ہوگیا۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۱۰/۷، تاریخ الخلفاء: ۱۱۳)

سعد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی ایمانی طاقت

حضرت سعد بن عقبہ رضی اللہ عنہ شہر بہر سیر کے نیچے اترے، اور چند دنوں وہیں ٹھہرے رہے؛ کیونکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے دریا پار کرنا تھا، حضرت سعد نے اللہ کے بھروسہ "نستعين بالله و نتوكل عليه ،حسبنا الله و نعم الوكيل لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم " کا ورد کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو سمندر میں ڈال دیا، اور لشکر کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس میں بے خطر کود جائے ، چنانچہ سارا لشکر اپنے گھوڑوں کو لیکر دریا میں کود پڑا، جب دوسری طرف ساحل پر اُترے تو گھوڑوں کے کُھر بھی بھیگے نہیں تھے، اور یہ منظر دیکھ کر کفار کا لشکر حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ "دیوآمدند" (یعنی دیوآ گئے ہیں) اور یہ کہہ کر بھاک گیا۔

(تاریخ طبری:۲/۴۶۰-۴۶۲،البدایہ والنہایہ:۶۴/۷-۶۶ والبدایہ ۶/۱۵۵)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ اور شیر کی بے بسی

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے وہ ایک دفعہ روم کے علاقہ میں لشکر سے بھٹک گئے اور ایک جنگل میں لشکر کی تلاش میں تھے کہ سامنے سے ایک شیر آ گیا، حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ: "اے ابو الحارث (یہ شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور خادم ہوں اور میں راستہ سے بھٹک گیا ہوں"۔

یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ لشکر سے مجھ کو ملا دیا۔

(البدایہ والنہایہ:۶/۱۴۷)

شیر کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرنا

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک جگہ لوگوں کی بھیڑ لگی ہے، آپ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ ایک شیر ہے جو لوگوں کا راستہ روکے ہوئے ہے اور لوگ اس سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور شیر کے پاس گئے اور اس کا کان پکڑ کر موڑا اور اس کی گدی پر مارا اور اس کو راستہ سے ہٹا دیا۔

پھر فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے بارے میں سچ فرمایا تھا کہ ابن آدم پر یہ جب ہی مسلط کیا جاتا ہے جب ابن آدم اس سے ڈرتا ہے اور جب ابن آدم صرف اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر مسلط نہیں کرتا۔ ابن آدم کو اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے جس سے وہ امید باندھتا ہے اور اگر وہ سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی اور کے حوالے نہیں کرتا۔

(حیاۃ الصحابہ: ۴/۳۸۵)

رکانہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام بطحہ میں تھے وہاں یزید بن رکانہ یا رکانہ جو اس وقت کافر تھے اور عرب کے مشہور پہلوان تھے حاضر خدمت ہوئے اور ان کے ساتھ ان کی بکریاں بھی تھی، کہنے لگے: کہ اے محمد! کیا تم مجھ سے کشتی کرو گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں نے تم کو پچھاڑ دیا تو تم کیا دو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایک بکری دونگا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی کی اور ان کو پچھاڑ دیا، انہوں نے کہا: کہ کیا

دوبارہ کشتی کرو گے؟ آپ نے پوچھا کیا دو گے؟ کہا: کہ ایک اور بکری دوں گا اور پھر کشتی کی آپ نے ان کو پچھاڑ دیا۔ پہلوان نے کہا کہ اے محمد! کبھی کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ مجھے زمین پر گرائے تم ہی وہ ہیں جنھوں نے مجھے پچھاڑا ہے پھر وہ شخص مسلمان ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بکریاں واپس فرمائی۔

(مراسیل ابی داؤد: ۱۴)

کسری کا محل اور صحابہ کا محیر العقول کارنامہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان پیشن گوئی کے مطابق شاہ ایران کسری کے محل کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور نہتے ہونے کے باوجود اپنی ایمانی قوت اور توکل علی اللہ واعتماد علی اللہ کی برکت سے حیرت انگیز ریکارڑ قائم کردیا، یہ محل اس عظیم حکومت کا بنایا ہوا تھا جس کے جاہ وجلال سے کبھی روم کے محلات لرزا کرتے تھے، مگر صحابۂ کرام نے اس طاقت کے غرور کو خاک میں ملادیا، اس محل کی ایک دیوار اب تک باقی ہے اور بوسیدگی اور فرسودگی کے باوجود شان وشوکت کی ایک تصویر نظر آتی ہے اور اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ حضرات صحابہ کے دور میں جہاں آج کل کی طرح محیر العقول ایجادات موجود نہیں تھیں، اس محل کا توڑا جانا ناممکن نظر آتا ہے، مگر صحابۂ کرامؓ کے جذبۂ ایمانی نے اس پیکر سطوت عمارت اور محل کو خاطر میں نہ لایا۔

خلیفہ منصور نے اپنے دور خلافت میں چاہا کہ کسری کے محل کی اس موجودہ دیوار کو توڑ کر اس کے ملبے سے حاصل ہونے والی رقم سے انتفاع کیا جائے تو اس نے مشورہ کیا اور سبھی مشیروں نے بادشاہ کی حامی بھر لی، مگر ایک ایرانی مشیر نے کہا کہ آپ اس دیوار کو ہرگز نہ تڑوائیں، کیونکہ بعد کے لوگ جب دیکھیں گے کہ صحابہ نے

ظاہری ضعف وکمزوری کے باوجود اور اس ایوان کے بادشاہ کے جلال و جبروت کے باوجود اس کو مقہور ومغلوب کر دیا تو ان کو کوئی شک نہ ہوگا کہ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور اللہ ہی کی ان کے ساتھ تائید ونصرت رہی ہے۔مگر بادشاہ کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی اور اس نے اس دیوار کو توڑنے پر مزدور لگادئے مگر چند ہی دنوں میں اندازہ ہوگیا کہ اس دیوار کو توڑنے پر جتنا خرچ آئیگا اس کا دسواں حصہ بھی اس کے ملبے سے حاصل نہ ہوگا؛ کیونکہ وہ انتہائی مضبوط اور مستحکم ہے؛ اسلئے بادشاہ نے اس کام کو رکوانے کا ارادہ کیا،مگر کام کو رکوانے سے پہلے اس نے اپنے اسی ایرانی مشیر کو پھر بلایا اور صورت حال کو رکھ کر مشورہ لیا تو مشیر نے کہا: کہ آپ اس کام کو ہرگز نہ رکوائیں اور کہا: کہ میں نے پہلے جو مشورہ دیا تھا کہ آپ اس دیوار کو نہ تڑوائیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دیوار کے باقی رہنے سے صحابۂ کرام کی ایمانی قوت وطاقت کا اندازہ بعد میں آنے والوں کو ہوگا کہ ایسے مضبوط محل کو چند صحابۂ کرام نے کس طرح توڑا ہوگا؟ اور اب میں جو مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ اس کام کو نہ رکوائیں وہ اس لئے کہ کام شروع کر کے رکوا دینے سے بعد میں آنے والے لوگ کہیں گے کہ ایرانیوں نے ایسا مضبوط محل بنایا تھا کہ اس کی دیوار کا ایک حصہ توڑنا بھی اسلامی حکومت کے بس میں نہیں تھا۔

(تاریخ بغداد: ۱/۱۳۰-۱۳۱)

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ایک بار ہارون رشید نے اس دیوار کو ڈھانے کا ارداہ کیا تھا اور اس پر مزدور لگادئے اور اس سلسلہ میں کام بھی شروع ہوگیا مگر لگے ہوئے مزدور اس کے ڈھانے سے عاجز آگئے۔ابن خلدون فرماتے ہیں کہ غور کیجئے کہ وہ حکومت کس قدر طاقت ور ہوگی جس نے ایسی عمارت

بنوائی جس کے ڈھانے سے دوسری حکومت عاجز آگئی حالانکہ بنانا دشوار ہے اور ڈھانا آسان ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون: ۴۲۹/۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل واعتماد

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایمان افروز ارشاد و واقعہ ملاحظہ کیجئے: وہ یہ کہ مسافر بن عوف بن الاحمر نے ایک بار جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل نہروان سے جہاد کے لئے نکلنا چاہتے تھے، کہا: کہ آپ اس وقت نہ جائیں اور دن کے تین گھنٹے گزر نے کے بعد جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ کیونکہ آپ اس گھڑی میں جائیں گے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بلاء اور شدید نقصان پہنچے گا، اور اگر اس وقت میں جائیں جو میں نے بتایا ہے تو آپ کو کامیابی وغلبہ نصیب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے، کیا تو جانتا ہے کہ اس تیرے گھوڑے کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اگر میں حساب لگاؤں تو جان لوں گا، آپ نے کہا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی اس نے قرآن کی تکذیب کی، کیونکہ اللہ تعالی تو یہ کہتے ہیں کہ :

﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ (اللہ ہی پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے) [سورہ لقمان: ۳۴]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس چیز کے جاننے کا دعوی نہیں کیا جس کا تو نے دعوی کیا ہے، کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو اس گھڑی و وقت کو جانتا ہے جس

میں سفر کرنے سے کوئی برائی لاحق ہوگی؟ اس نے کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ جس نے تیری اس بات کی تصدیق کی وہ گویا برائی کے پہنچانے کے بارے میں اللہ سے مستغنی ہوگیا اور اس کو مناسب ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تجھے ہی اپنے معاملہ کا متولی بنا دے، کیونکہ تو گمان کرتا ہے کہ تو اس کو اس گھڑی کی جانب ہدایت کرسکتا ہے جس میں سفر کرنے سے وہ برائی سے نجات پا جائے گا، پس جس نے اس بات کو سچ سمجھا مجھے اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کی طرح ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے اللہ! کوئی فال نہیں ہے مگر تیرا فال اور کوئی خیر نہیں ہے مگر تیرا خیر، پھر اس شخص سے فرمایا کہ ہم تیری تکذیب ومخالفت کرتے ہیں اور اسی گھڑی میں سفر کرتے ہیں جس سے تو نے روکا ہے، پھر آپ نے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا کہ اے لوگو! تم علم نجوم سے بچو، مگر وہ جس سے خشکی وسمندر کی اندھیریوں میں راستہ پا سکو، نجومی تو کافر ہے اور کافر جہنمی ہے۔ پھر اس شخص سے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ بات پہنچی کہ تو علم نجوم میں غور وفکر کرتا اور اس پر عمل کرتا ہے تو میں تجھے تیرے یا میرے رہنے تک حبس دوام میں رکھ دوں گا اور جتنا میرے بس میں ہے اس قدر تجھ کو بخشش سے محروم کردوں گا۔

اس کے بعد آپ اسی وقت میں سفر پر نکلے جس میں نکلنے سے اس نے منع کیا تھا، اور اہل نہروان کے پاس آئے اور ان کو قتل کیا، پھر فرمایا کہ اگر ہم اُس وقت میں چلتے جس میں چلنے کا اس شخص نے حکم دیا تھا اور فتح وغلبہ پاتے تو کوئی کہنے والا یہ کہتا کہ یہ اسی وقت میں چلے تھے جس میں چلنے کا نجومی نے حکم دیا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ اب تک ہمارا کوئی نجومی ہے، مگر اللہ نے ہمارے لئے کسریٰ اور قیصر کے شہروں اور دیگر ممالک کو فتح

کرادیا، پس تم اللہ پر توکل کرو اور اسی پر اعتماد کرو، کہ وہی اپنے ماسوا سے ہمارے لئے کافی ہے۔

(مسند الحارث: ۶۰۱/۲، کنز العمال: ۲۳۵/۵)

یہ ہے توکل علی اللہ، جو انسان کو معرفت خداوندی کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے، جس سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرا پروردگار میرا کارساز حقیقی ہے، مجھے کسی فکر کی ضرورت نہیں۔

ایک رومی سپہ سالار کا حیرت انگیز انکشاف

علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' میں یہ عجیب وغریب واقعہ بیان کیا ہے کہ ہرقل کے زمانے میں ایک رومی فوج کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور رومی فوج کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، یہ شکست خوردہ رومی فوج جب واپسی کے موقع پر ہرقل سے ملتی ہے جبکہ ہرقل مقام انطاکیہ میں مقیم تھا، تو وہ ان رومیوں کی شکست کی خبر سن کر سوال کرتا ہے؟

أخبروني عن هؤلاء القوم الذين يقاتلونكم ، أليسوا بشراً مثلكم ؟
(مجھے اس قوم کے بارے میں بتاؤ جس کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوا ہے، کیا وہ تم ہی جیسے انسان نہیں تھے؟)

فوجیوں نے اس کے جواب میں کہا کہ: ہاں! وہ ہم ہی جیسے انسان تھے جن سے ہمارا مقابلہ ہوا۔

اس پر ہرقل دوسرا اور بامعنی سوال کرتا ہے کہ: اچھا بتاؤ کہ تعداد میں وہ زیادہ تھے یا تم؟

فوجیوں نے کہا کہ: ہم زیادہ تھے۔

ہرقل تیسرا سوال یہ کرتا ہے کہ: جب وہ تم جیسے انسان تھے اور تعداد میں تم سے کم تھے تو پھر تمہاری شکست کھا جانے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب اس رومی سپہ سالار نے بڑا عجیب دیا، اس نے کہا:

” من أجل أنهم يقومون الليل و يصومون النهار ويوفون بالعهد و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يتناصفون بينهم“

(ان (مسلمانوں) کی فتح اس وجہ سے ہوئی کہ وہ راتوں میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں اور آپس میں انصاف کرتے ہیں)

اور کہا کہ ”من أجل أنا نشرب الخمر و نزني و نركب الحرام و ننقض العهد و نغضب و نظلم و نأمر بالسخط و ننهى عما يرضى الله و نفسد في الأرض “ (ہماری شکست اس وجہ سے ہوئی کہ ہم شرابیں پیتے، زنا کرتے، عہد کو توڑتے، حرام چیزوں کو اختیار کرتے، برائی کو پھیلاتے اور اللہ کی مرضیات سے روکتے، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ یہ سن کر رومی بادشاہ ہرقل نے کہا کہ: تم نے سچ کہا۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۵/۷)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی اصل طاقت ایمانی وروحانی طاقت ہے جس کا اندازہ ومشاہدہ ہرقل نے کیا، اور یہ جواب دینے والا کوئی مسجد کا ملا اور (لوگوں کی اصطلاح کے مطابق) مدرسہ کا بانی نہیں بلکہ وہ تو مسلمان بھی نہیں مگر جس چیز کو اس نے دیکھا وہ اس کی تکذیب کیسے کرسکتا تھا؟۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ فتح وکامرانی جو مسلمانوں کو ہوئی اس کے لیے نہ ان کے پاس

ایسی فوجی تعداد و طاقت تھی نہ اس کے لیے دیگر اسباب و آلات اور ہتھیار موجود تھے اس کو دیکھ کر اس ایرانی سپہ سالار کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ ان کی فتح ان صفات مقدسہ و اوصاف قدسیہ کا نتیجہ ہے اور ان پاکیزہ اعمال و اخلاق کی سحر کاری ہے۔

اندلس کی فتح اور اہل اسلام کا ایمان و توکل

حضرات صحابہ کے دور کے ایسے واقعات تاریخ وسیر کے سکیڑوں صفحات بلکہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اور صحابہ کے دور کے بعد بھی جب تک مسلمانوں میں ایمان و توکل علی اللہ اور تعلق مع اللہ کی صفات موجود تھیں، ایسے واقعات کی کمی نہیں تھی۔

خلیفہ المسلمین ولید بن عبدالملک کے دور میں طارق بن زیاد جب اندلس کو فتح کرنے سات ہزار کی مختصر فوج لے کر چار بڑی بڑی کشتیوں میں سوار اندلس کے ساحلی علاقہ ''جبل الطارق'' پر اترتا ہے تو باوجود مختصر سی فوج کے اس ساحلی پٹی کو بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرتا چلا جاتا ہے، اس وقت اندلس پر جس بادشاہ کی حکومت تھی وہ عیسائی تھا اور عربی تاریخوں میں اس کا نام ''لزریق'' لکھا ہے اور انگریزی تواریخ اس کو ''راڈرک'' کے نام سے یاد کرتی ہیں، جب بادشاہ نے یہ دیکھا تو اپنے سپہ سالار تدمیر کے ساتھ تیس ہزار کی فوج کو تمام ساز وسامان اور ہتھیاروں سے آراستہ کر کے میدان میں بھیجا، اور دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوتا رہا اور پے در پے کئی لڑائیاں ہوئیں اور ہر موقعہ پر تدمیر اور اس کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اور ان ہزیمتوں نے ان کے حوصلے پست کر دیئے، آخر کار تنگ آ کر تدمیر نے اپنے بادشاہ راڈرک کو لکھا کہ یہ قوم جس سے ہمیں سابقہ پڑا ہے وہ معلوم نہیں کہاں سے آئی ہے آسمان

سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے ابلی ہے؛ لہٰذا اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ خود اس کی سرکوبی کے لیے آئیں۔

بادشاہ راڈرک نے ستر ہزار کی فوج کے ساتھ اس طرف رخ کیا، اور پہلی فوج کے ساتھ ملکر اس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوگئی، جو تمام ہتھیارات سے لیس تھی، اور دوسری طرف مسلمانوں کی فوج ہے جو نہ پورے طور پر ہتھیارات سے لیس ہے اور نہ تعداد میں ان سے کوئی نسبت رکھتی ہے، طارق کے ساتھ سات ہزار افراد آئے تھے، پھر خلیفہ کی طرف سے اور پانچ ہزار کی فوج آکر ان سے مل گئی، اس طرح کل بارہ ہزار کی فوج ہوئی۔ اور دونوں فوجیں وادی لکّہ کے مقام پر اُتریں، اور پھر مقابلہ ہوا اور مسلسل آٹھ دن یہ جنگ چلتی رہی، اور بالآخر فتح و کامیابی مسلمانوں کے حصہ میں آئی اور عیسائی فوج رسوا و پسپا ہوئی اور خود راڈرک بھی قتل ہوگیا۔

(الکامل لابن الاثیر: ۱۷۶/۴-۱۷۷، تاریخ طبری: ۱۱/۴، خلافت اندلس از نواب ذوالقدر جنگ بہادر، ص: ۶۸-۷۶)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد جب ساحل اندلس پر اُترا تو اس نے اپنی فوج کو سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ ان کشتیوں کو جلا دو، پھر فوج سے مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ اس لیے یہ حکم میں نے دیا ہے کہ تم کو معلوم ہوجائے کہ تمہارے پیچھے سمندر ہے اور آگے طاقتور دشمن ہے، نہ تم آگے جاسکتے ہو، نہ فرار ہونے کے لیے پیچھے جاسکتے ہو، اب صرف خدا کے بھروسہ جہاد کرو اور یہاں اندلس میں اسلام کا پرچم لہراؤ۔

علامہ اقبال نے اسی کو اپنے اشعار میں کہا ہے: ؎

طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہ خرد خطا ست

(طارق نے جب اندلس کے ساحل پر کشتی جلا دی، تو لوگوں نے کہا کہ عقلمند کی نگاہ میں یہ غلط ہے)

دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟
ترکِ سبب زروئے شریعت کجا رواست

(ہم اپنے وطن سے دور ہیں، واپس کیسے جائیں گے؟ اسباب کا ترک کرنا شریعت میں کہاں جائز ہے؟)

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد وگفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

(طارق ہنسا اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ہر ملک ہمارا ہے کیونکہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے)

یہ چند واقعات نمونہ کے طور پر بیان کئے گئے ہیں جن سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں کارفرما قوت ایمانی کا یہ اثر تھا کہ انسان وحیوانات، جمادات ونباتات، شیاطین و جنات ہر چیز ان کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری، بندگی اور غلامی کے لئے تیار رہتی تھی، انکے حکم کی تعمیل جنگل کے درندے اور جانور بھی کرتے تھے، ٹھاٹیں مارتے ہوئے دریا بھی انکے خط کی تعمیل کرتے تھے، جنگل کے درندے اور جانور بھی ان کی بات مانتے تھے، جنگل کا بادشاہ شیر بھی ایک مومن کی غلامی میں فخر محسوس کرتا تھا، شیاطین اور جنات ان کے سامنے سرنگوں اور عاجز ہوجاتے تھے۔

غور کرنا چاہئے کہ یہ کونسی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا اور ان کو سر بلندی اور عزت عطا کی؟ یہ صرف ایمانی قوت و طاقت تھی اللہ پر اعتماد و توکل کی برکت تھی اور تعلق مع اللہ کی کرشمہ سازی تھی۔

کنکریوں نے کلمہ پڑھا

حدیثوں میں آتا ہے کہ ابوجہل ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے، اگر آپ بتادیں تو میں ایمان لاؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں بتاؤں کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے ہاتھ کی چیز خود بتادے کہ میں کون ہوں، اس کے بعد فرمایا کہ اپنے ہاتھ کو اپنے کان کے قریب لے جاؤ، وہ جب اپنے کانوں کے قریب لے گیا، تو ہاتھ کی کنکریوں سے آواز آرہی تھی (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) لیکن اس پر اسے ہدایت نہیں ملی، اس نے ہاتھ کی کنکریوں کو پھینک دیا اور کہنے لگا کہ محمد کا جادو کنکریوں پر بھی چل گیا۔ دیکھئے ابوجہل ہدایت پانا نہیں چاہتا تھا؛ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی اس کے کام نہ آیا۔

بایزید بسطامی اللہ کے حضور میں

بایزید بسطامی بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے، ان کا انتقال ہوا، تو کسی نے خواب میں ان کو دیکھ کر پوچھا کہ حضرت! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ تو جواب دیا کہ جب پیشی ہوئی تو اللہ نے پوچھا کہ بایزید! میرے لئے کیا لائے ہو؟ میں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: اے اللہ! کوئی عبادت اس لائق نہیں کہ تیری

جناب میں پیش کرسکوں، سب میں عیب وقصور ہے، البتہ تیرے لئے توحید لایا ہوں، کیونکہ میرا عقیدہ تو مضبوط تھا کہ تو ہی سب کچھ کرنے والا ہے، نفع کا مالک تو، نقصان کا مالک تو، مشکل کشا تو، حاجت روا تو، اس لئے میری جانب سے آپ کے لئے توحید خالص کا تحفہ پیش ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ: اچھا، توحید لائے ہو؟ ذرا وہ دودھ کی رات والا قصہ یاد کرو کیا یاد نہیں کہ تم نے کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کردیا؟ تو میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اللہ نے خود یاددہانی فرمائی اور کہا: ایک رات تم نے دودھ پیا تھا، پھر تمہارے پیٹ میں درد ہوگیا، تو تم نے کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد پیدا کردیا بتاؤ، درد میں پیدا کرتا ہوں، یا دودھ کرتا ہے؟ کیا یہی تمہاری توحید ہے؟ جس کو تم میرے دربار میں پیش کرنا چاہتے ہو؟ اس میں تو شرک کی آمیزش ہے۔

حضرت بایزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ میں نے کہا کہ اے اللہ! میرے پاس تو کچھ نہیں ہے، نہ کوئی عمل ونیکی، نہ ایمان وتوحید، جو تیرے شایان شان ہو؛ اس لئے محض تیرے فضل سے معاف فرمادے۔

اللہ سے نہ مانگنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ بھی سن لیجئے، آپ کے دورِ خلافت میں سنہ اٹھارہ ہجری میں پورے جزیرۂ عرب میں بڑا سخت قحط پڑا، جس کی وجہ سے لوگ مرنے لگے، حتیٰ کہ جانوروں کے جسم میں خون تک خشک ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ مصر میں اناج وغلہ کی پیداوار خوب ہورہی ہے، آپ نے وہاں کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یہاں حجاز میں غلہ کی کمی ہے اور مصر میں اس کی فراوانی ہے؛ اس لیے تم یہاں والوں کے لیے غلہ روانہ کرو۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ:

’’آپ مطمئن رہیں، میں اونٹوں پر لدوا کرا تنا غلہ بھیجوں گا کہ اگر پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا تو آخری اونٹ مصر میں ہوگا۔‘‘

غرض یہ کہ غلہ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تقسیم کردینے کا حکم فرمایا اور لوگ آآ کر غلہ لے جارہے تھے، ایک صحابی حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ جو جنگل میں رہتے تھے، انہوں نے جب غلہ کے بارے میں سنا تو چاہا کہ وہ بھی آکر غلہ لے جائیں، ان کے پاس ایک بکری تھی، اس کو ذبح کیا کہ کچھ کھا پی کر چلیں، مگر اس بکری میں خون کا ایک قطرہ تک نہ نکلا، یہ دیکھ کر وہ صحابی رو پڑے اور اسی حالت میں ان کو نیند آگئی اور سو گئے، خواب میں دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں اور فرماتے ہیں:

’’ اَبۡشِرۡ بِالۡحَیَاۃِ ، اِئۡتِ عُمَرَ، فَاقۡرَئۡہُ مِنِّیۡ السَّلَامَ وَ قُلۡ لَّہٗ اِنِّیۡ عَہِدۡتُّكَ وَ اَنۡتَ وَفِیُّ الۡعَہۡدِ شَدِیۡدُ الۡعَقۡدِ ، فَالۡكَیۡسُ اَلۡكَیۡسُ یَا عُمَرُ ‘‘

(حیات کی خوشخبری سنو، اور عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور ان سے کہو کہ میں نے تم سے ایک عہد لیا تھا، اور تم وعدہ کے پورا کرنے میں سخت اور پکے ہو، پس عقل سے کام لو، عقل سے کام لو۔)

حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر حاضر ہوئے اور ان کے خادم سے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے لیے اجازت لو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خود باہر تشریف لائے، انہوں نے ساری بات آپ کو بتائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے، اور باہر نکل کر لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر

پوچھتا ہوں کہ کیا میرے طرزِ عمل میں آپ حضرات کوئی بات بری اور مکروہ دیکھتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صورتِ حال بیان کی تو بعض صحابہ نے کہا کہ آپ کی غلطی یہ ہے کہ آپ نے قحط سالی کے اس موقعہ پر اللہ سے مانگنے کے بجائے، اپنے گورنر سے غلہ طلب کیا، اور اللہ سے استسقاء (پانی طلب) نہیں کیا، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں آئی، اور اس پر آپ کو تنبیہ کی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، یہی بات ہے، پھر آپ نے نمازِ استسقاء پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واسطہ دیکر اللہ سے دعاء فرمائی، اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ بادل منڈلا رہا ہے، پھر بارش ہونے لگی۔

(الکامل لابن الاثیر: ۳۸۳/۲، تاریخ الطبری: ۲۶۳/۴، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۴۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کرنا چاہئے کیونکہ اللہ ہی حاجت روا و مشکل کشا ہے، کوئی نبی وولی، کوئی پیر وفقیر، کوئی مولوی وعالم، کوئی شیخ وصوفی، نہ کسی کی بگڑی بنا سکتا ہے نہ کسی کی حاجت روائی کرسکتا ہے اور نہ دستگیری کرسکتا ہے۔

ذکر و تلاوت

کی

حلاوت و طاقت

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

(اقبال رحمہ اللہ)

نزولِ قرآن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

قرآن کی عظمت وجلالت اور اس کی بڑائی و بزرگی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ:

"قَالَتْ عَا ئِشَةُ رضی اللہ عنہا وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِفَيَفْصِمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا"

(بخاری:۱/۲،ترمذی:۲/۲۰۵، نسائی:۱/۱۴۹)

(حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: کہ میں نے اللہ کے رسول کو دیکھا کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو وحی کے ختم ہونے کے بعد آپ کی پیشانی پر سے پسینہ بہنے لگتا)

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ مقام پر تھے، ایک صاحب نے عمرہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ پر اسی دوران وحی نازل ہوئی آپ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے مجھے اشارہ کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں کپڑے میں جھانک کر دیکھا تو آپ کا چہرا سرخ ہو گیا تھا اور آپ خراٹے لے رہے تھے۔

(مسلم:۱/۳۷۳)

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ آپ پر یہ کیفیت وحی کی شدت کی وجہ سے تھی۔

"عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ :كَانَ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذَالِكَ وَتَرَبَّدَلَهُ وَجْهُهُ"۔

(مسلم:۲/۶۵)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تو اس کی وجہ سے آپ کو بوجھ معلوم ہوتا اور تکلیف معلوم ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

”عَنْ زَیْدِبْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : کُنْتُ اِلٰی جَنْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَغَشِیَتْہُ السَّکِیْنَۃُ فَوَقَعَتْ فَخِذُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی فَخِذِیْ فَمَا وَجَدْتُ ثِقْلَ شَیْءٍ أَثْقَلَ مِنْ فَخِذِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ۔“

(ابوداؤد: ۱/ ۳۳۹)

(حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو تھا کہ آپ کو (نزول وحی کے وقت) سکینہ نے ڈھانپ لیا، اور آپ کی ران مبارک میری ران پر پڑ گئی تو میں نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہیں ہے)

غور کیجئے کہ اللہ کی وحی اور اللہ کا کلام کس قدر عظیم و ثقیل چیز ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکی وجہ سے سخت سردی میں پسینے میں شرابور ہو جاتے ہیں اور آپ کا بدن مبارک اسکے وزن سے وزنی ہو جاتا ہے حتی کہ صحابہ بھی آپ کے وزن کو محسوس فرماتے ہیں۔ چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور خراٹے جیسی آواز زبان مبارک سے نکلتی ہے۔

یہ ہے اللہ کا کلام۔ اس کی عظمت و بڑائی کو دیکھو، اس کی شان وجلالت کا اندازہ کرو، اس کی بزرگی و بلندی کا احساس کرو۔

قرآن کا اثر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر

قرآن مجید کا اثر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر ہوتا تھا کہ آپ کی

حالت متغیر ہو جاتی تھی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ تم قرآن پڑھو میں اس کو سنوں گا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کیا پڑھوں جبکہ قرآن تو خود آپ پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تم مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور سناتے رہے بہت دیر کے بعد انہوں نے سر اٹھا کر اللہ کے نبی ﷺ پر نگاہ ڈالی تو دیکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کے آنکھوں سے آنسوں جاری ہیں۔

تلاوت قرآن پر نزول سکینہ

تلاوتِ قرآن مجید کا ایک فائدہ یہ ہے کہ تلاوت کے وقت اللہ کی طرف سے سکینہ اور فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

بخاری وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیرؓ ایک دفعہ قرآن پڑھ رہے تھے، رات کا وقت تھا اور سورۂ بقرہ کی تلاوت کرر ہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے قریب بندھا ہوا تھا، اچانک وہ اچھل کود کرنے لگا تو صحابی خاموش ہو گئے تو وہ بھی ٹھہر گیا، پھر انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو وہ اچھلنے لگا، ایسے ہی تین دفعہ ہوا۔ انکا بچہ گھوڑے کے قریب تھا جس کا نام یحیی تھا۔ ان صحابی کو خوف ہوا کہ کہیں یہ گھوڑا اس بچہ کو روندنہ ڈالے۔ اسلئے انہوں نے بچہ کو وہاں سے ہٹا لیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا تو عجیب منظر نظر آیا کہ ایک بادل ہے اس میں چراغ کے مانند بہت سی روشنیاں ہیں۔ انھوں نے یہ قصہ اللہ کے رسول ﷺ کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ اسید! تم پڑھتے رہتے تو اچھا ہوتا، جانتے ہو وہ کیا تھا؟ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، تو آپ نے بتایا کہ یہ اللہ کی طرف سے فرشتے آئے تھے جو تمہاری تلاوت

کی آواز کی وجہ سے قریب ہو گئے تھے۔ اگر آپ پڑھتے ہی رہتے تو فرشتے لوگوں کو دکھائی دیتے۔

(بخاری: ۲/۲۵۰، مسلم: ۱/۲۶۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قرآن کا اثر

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے اور تمام کتب سیر اور تاریخ میں مذکور ہے کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے نکلے تھے، راستہ میں حضرت نعیم رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے ملاقات ہو گئی حضرت نعیم کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کرنے جا رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ آپ ادھر کیا جاتے ہیں، پہلے آپ اپنے گھر کی خبر لو کہ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو چکے ہیں۔ عمر یہ سن کر بہن کے گھر کا رخ کرتے ہیں اور بہن اور بہنوئی کو خوب مارتے ہیں جب تھک کر بیٹھتے ہیں تو خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ (مسلمان) قرآن پڑھتے ہیں اور وہاں ان کے بہن اور بہنوئی بھی پڑھ رہے تھے آخر کیا اور کس قسم کا کلام ہے؟ بہن سے کہا مجھے قرآن دکھاؤ، غسل کے بعد بہن نے عمر کے ہاتھ میں قرآن کے اوراق رکھ دئے جن میں سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات لکھی ہوئی تھی، حضرت عمر نے جونہی ان کو پڑھا، دل کی کایا پلٹ ہو گئی، کہنے لگے کہ مجھے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو کہ ایمان قبول کروں۔ وہ عمر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سر قلم کرنے نکلے تھے، قرآن کی تاثیر سے اپنا سر محمد کے قدموں میں ڈال آئے، یہ قرآن کی سحر آفرینی اور اعجاز نمائی نہیں تو اور کیا ہے؟

سرداران قریش کی قرآن سے لذت اندوزی

علامہ سیوطی نے خصائص میں بروایت ابن اسحاق وبیہقی سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل ، اخنس بن شریق اور ابوسفیان ایک دوسرے سے چھپ کر اللہ کے نبی علیہ السلام کی زبان سے قرآن سننے کیلئے گئے اور اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مصروف نماز تھے اور تلاوت فرمارہے تھے، یہ تینوں اپنے زاویوں پر بیٹھے محوسماعت تھے حتی کہ صبح ہوگئی اور آپ نے نماز ختم کی تو وہ جانے لگے ایک جگہ تینوں کی ملاقات ہوگئی اور اس طرح کا واقعہ تین رات مسلسل ہوتا رہا وہ لوگ باوجود شدید مخالفت کے قرآن سے لذت اندوزی کرتے تھے۔ سوچئے کہ آخر یہ کیا بات تھی کہ ان کو رات رات بھر اپنی نیند قربان کر کے قرآن سننے پر مجبور کر رہی تھی یہ وہی قرآن کا جادو تھا اور اس کے اعجاز کا کرشمہ تھا۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تلاوت

کفار مکہ کے ظلم سے مجبور ہو کر جب چند صحابہ کرام نے مکہ سے ہجرت کی اور ملک حبشہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی ان کفار نے تعاقب کیا اور اپنے لوگوں کو بھیجا کہ جا کر حبشہ کے بادشاہ سے ان مسلمانوں کی شکایت کریں اور وہاں سے ان کو مکہ واپس لوٹنے پر مجبور کریں، جب بادشاہ سے شکایت کی گئی تو وہاں کے بادشاہ نجاشی اصحمہ نے مسلمانوں کو تحقیق حال کیلئے بلایا اور ان سے احوال معلوم کیئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے صحیح صورت حال سے آگاہ کیا اور اسلام اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس نبی پر کیا اللہ کی طرف سے کوئی کلام بھی نازل ہوا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے اس موقع پر سورۂ مریم کی آیات کو

پرسوز انداز میں تلاوت کیا؛ پھر دربار میں جب حضرت جعفر نے تلاوت کی تو ایک طرف بادشاہ پر گریہ طاری ہوگیا دوسری طرف تمام درباری لوگوں پر گریہ طاری ہوگیا سب کے سب رونے لگے اور بادشاہ نے کہا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل ہونے والی انجیل نکلی تھی۔

ایک بڑھیا کا قرآن سے عشق

حضرت امام عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ جو جلیل القدر محدث اور رفیع الشان فقیہ اور اکابر صوفیاء میں سے ہیں۔ وہ ایک مرتبہ حج کو گئے، حج کے بعد کسی جگہ جارہے تھے راستہ میں ایک جگہ محسوس ہوا کہ کوئی چیز کپڑے میں لپٹی ہوئی ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو محسوس ہوا کہ کوئی انسان ہے، انہوں نے سلام کیا تو اس کپڑے کے اندر سے ایک بوڑھی عورت نے جواب دیا، امام ابن مبارک نے اس سے مختلف سوالات کئے تو آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے ہر سوال کے جواب میں قرآنی آیات پڑھیں جن سے ان سوالات کا جواب نکلتا تھا۔ واقعہ بہت تفصیلی اور لمبا ہے۔ یہاں چند سوالات اور ان کے جوابات جو ان دونوں کے مابین ہوئے وہ نقل کرتا ہوں۔

امام صاحب نے پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ وہ کہنے لگی:

”وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ“ (اللہ جس کو گمراہ کردے اسکا کوئی رہنما نہیں)

امام صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ راستہ بھٹک گئی ہے۔ اس لئے پوچھا کہاں جانا چاہتی ہو؟ اس عورت نے قرآن کی آیت پڑھی:

﴿سُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصٰی﴾ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک سیر کرائی)

آپ سمجھ گئے کہ یہ مکہ سے بیت المقدس جا رہی ہے اور راستہ بھٹک گئی ہے۔ عبد اللہ ابن مبارک نے پوچھا کہ کتنے دن سے یہاں بیٹھی ہو؟ کہنے لگی:

"ثَلَاثَ لَیَالٍ سَوِیًّا" (پورے تین راتوں سے)

آپ نے پوچھا کیا کچھ کھاؤ گی؟ کہنے لگی:

"اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّلیلِ" (کہ روزوں کو رات تک پورا کرو)

حضرت ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں راستہ میں ترنم سے شعر پڑھنے لگا تو اس بوڑھیا نے کہا:

"فَاقۡرَؤُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡآنَ" (قرآن میں سے جو ہو سکے پڑھو)

اس طرح جتنے سوالات حضرت عبد اللہ ابن مبارک نے کیے وہ عورت ہر سوال کا جواب قرآن کی آیات ہی سے دیتی۔ جب وہ اس کے بیٹوں کے پاس اس کو پہونچا چکے، تو ان سے پوچھا کہ تمہاری ماں کیا قرآن کے سوا کچھ نہیں بولتی؟ تو اس کے بیٹوں نے بتایا کہ ہماری ماں نے عہد کیا ہے کہ قرآن کے سوا کچھ نہیں بولوں گی اور یہی حالت ان کی چالیس سال سے ہے۔

اللہ اکبر! کیا عشق و محبت ہے قرآن سے، اس طرح قرآن سے محبت ہو۔ یہ قرآن کا دوسرا حق ہے۔

آگ جلا نہیں سکی- ذکر اللہ کی برکت

ذکر اللہ کی برکت سے جان و مال کی حفاظت کس طرح ہوتی ہے؟ اس کا اس

واقعہ سے اندازہ کیجئے ۔حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں ، بڑے فضائل ومناقب کے حامل ہیں ۔ایک مرتبہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے خبر دی کہ آپ کا گھر جل گیا ،آپ نے کہا کہ نہیں جلا ، پھر دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ اے ابو درداء ! آگ بھڑک اُٹھی تھی لیکن جب آپ کے گھر تک پہنچی تو بجھ گئی ،آپ نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا ۔لوگوں نے کہا کہ اے ابو درداء ! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کی کونسی بات زیادہ تعجب خیز ہے؟ آپ کی یہ بات کہ گھر نہیں جلا یا یہ بات کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا ، آپ نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند کلمات سنے تھے کہ جو ان کو صبح میں پڑھتا ہے اس کو شام تک کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور جو شام میں پڑھتا ہے اس کو صبح تک کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ، وہ یہ ہیں :

﴿ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّیْ لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ، مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ، وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْماً ، أَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ﴾

(ترجمہ: اے اللہ ! آپ ہی میرے رب ہیں ،آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ، آپ ہی پر میں توکل کرتا ہوں ،اور آپ ہی عرش عظیم کے رب ہیں ، جو اللہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہیں وہ نہیں ہوسکتا ، میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ تعالے ہر چیز پر قدرت رکھتے ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہیں ۔اے اللہ ! میں میرے نفس کے شر سے اور ہر مخلوق جس کی پیشانی آپ کے قبضہ

میں ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں)

(تاریخ دمشق لابن عساکر: ۷۲/۳۴ ومختصر تاریخ دمشق: ۳۶۸۸/۱، التدوین فی اخبار قزوین: ۴/۵۴۳، کنز العمال: حدیث: ۴۹۶۰)

غور کیجئے کہ اللہ تعالے نے ان پاکیزہ کلمات کی برکت سے کس طرح حضرت ابو درداءؓ کے مکان کی حفاظت فرمائی، پہلے تو آگ بھڑک اُٹھی، اور پھیلتے ہوئے آگے تک چلی گئی حتی کہ لوگ پریشان ہو کر حضرت ابو درداءؓ کے مکان کے متعلق بھی خدشہ کرنے لگے اور ان کو ان کے مکان کے بارے میں خطرے سے آگاہ کیا، مگر لوگوں نے یہ حیرت انگیز واقعہ اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھا کہ وہ آگ جب حضرت ابو درداءؓ کے مکان تک پہنچی تو اچانک بجھ گئی۔

کیا یہ حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے اور ان کلمات کی برکت کا اثر نہیں ہے؟

حجاج بن یوسف کی بے بسی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک موقعہ پر حجاج بن یوسف جو ایک ظالم بادشاہ تھا، اس کے پاس گئے، تو اس نے ان کو بہت سے گھوڑے دکھائے اور گستاخانہ کہا کہ کیا تمہارے صاحب (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تم نے اس جیسا دیکھا ہے؟ حضرت انس نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس سے عمدہ چیز دیکھی ہے، میں نے آپ سے سنا کہ گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ کہ آدمی اس کو اللہ کے راستہ کے لیے پالتا ہے، اس قسم کے گھوڑے کے بال، اس کا پیشاب اس کا خون اور گوشت سب قیامت کے دن اس آدمی کے ترازو میں رکھا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ آدمی محض اپنے پیٹ کے لیے گھوڑا پالتا ہے اور تیسرے

یہ کہ وہ ریاء وشہرت کے لیے پالتا ہے، پھر حجاج سے کہا کہ تیرے یہ گھوڑے اسی ریاء و شہرت کے لیے ہیں۔

اس پر حجاج نہایت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت نہ کی ہوتی تو میں تم کو ایسا اور ایسا کردیتا (یعنی مارتا یا قتل ہی کردیتا)، حضرت انس نے فرمایا کہ:

” كَلَّا، لَقَدِ احْتَرَزْتُ مِنْكَ بِكَلِمَاتٍ لَا أَخَافُ مِنْ سُلْطَانٍ سَطْوَتَهٗ وَلَا مِنْ شَيْطَانٍ عُتُوَّتَهٗ “(تو ہرگز کچھ نہیں کرسکتا، کیونکہ میں چند کلمات کے ذریعہ تیرے شر سے محفوظ ہو چکا ہوں، میں نہ کسی سلطان کی طاقت سے ڈرتا ہوں اور نہ کسی شیطان کی سرکشی سے)

یہ سن کے وہ ذرا ٹھنڈا ہوا، اور کہنے لگا کہ اے ابوحمزہ! ہمیں بھی وہ کلمات سکھادو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تجھے اس کا اہل نہیں دیکھتا، پھر ایک زمانے کے بعد جب حضرت انس رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو ان کے خادم حضرت ابان نے عرض کیا کہ حضرت! آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ جو چاہو پوچھو، کہا کہ وہ کیا کلمات ہیں جن کا حجاج نے آپ سے مطالبہ کیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں میں تم کو اس کا اہل دیکھتا ہوں، میں نے اللہ کے رسول کی دس برس خدمت کی اور آپ میرے سے راضی ہو کر دنیا سے گئے، اور تم نے بھی میری دس سال خدمت کی ہے اور میں دنیا سے جا رہا ہوں جبکہ میں تم سے راضی ہوں، جب تم صبح کرو یا شام کرو تو یہ پڑھ لیا کرو:

﴿ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْ رَبِّيْ،

بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَايَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ،اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ،لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ، تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَرَبُّ الْأَرْضِيْنَ وَمَا بَيْنَهُمَا ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ، اِجْعَلْنِيْ فِيْ جِوَارِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَّمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰـهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾

(کنز العمال:۵۰۲۱،التدوین فی اخبار قزوین:۱/۱۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح میں بڑی طاقت ہے اور اللہ اس کی برکت سے ظالم کے ظلم سے حفاظت فرماتے ہیں، اگر چہ وہ بادشاہ وامیر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔

کیا ہم کو اللہ سے اس قسم کے تعلق کی ضرورت اپنے دشمنوں اور ظالم بادشاہوں اور سیاسی لیڈروں کے مظالم سے بچنے کے لیے نہیں ہے؟

ذکر اللہ سے معرفت ومحبت کا عکس دل پر پڑتا ہے

جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اللہ ان کے دل میں بسیرا کرتا ہے، کیسا بسیرا؟ ایک عجیب وغریب واقعہ سنئے، آپ نے مہدوی فرقہ کا نام سنا ہوگا، اس فرقہ کے بارے

میں تمام علماء کا کہنا ہے کہ یہ گمراہ فرقہ ہے، اور کافر ہے۔

اس فرقے کے جو بانی تھے، (وہ بانی بنا لئے گئے ہیں، وہ خود شاید بانی نہ ہوں، لوگوں نے ان کو بانی قرار دے لیا ہے، بہر حال یہ لوگ جن کو مانتے ہیں) ان کا نام ہے ''محمد جونپوری'' جونپور (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ ان کے بارے میں مورخین کی رائے مختلف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ غلط قسم کے آدمی تھے، لوگوں کو ایک گمراہی پر ڈال گئے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صوفی منش آدمی تھے، اللہ والے تھے، بہر حال وہ جیسے بھی تھے۔

ان کا ایک واقعہ سنانا ہے، وہ یہ کہ انہوں نے اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ غیروں سے جہاد کرنا شروع کیا، مختلف جگہ ان کی فوجیں جاتی تھیں، اور جہاد کرتی تھیں، تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک جگہ راجا دلیپ راؤ اور محمد جونپوری کی فوج کا آمنا سامنا ہوا اور آپس میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور اس مقابلہ میں محمد جونپوری نے بادشاہ کے اوپر حملہ کیا، وار کاری تھا، راجا گرا اور گر کر مر گیا، یہاں تک کہ اس کا سینہ پھٹ کر دل باہر نکل آیا، جب اس کا دل نکل کر باہر آ گیا، تو لوگوں نے ایک عجیب وغریب بات یہ دیکھی کہ اس کے دل کے اوپر اس مورتی کی تصویر تھی جس کی وہ پوجا کیا کرتا تھا، اس طرح جیسے چھپی ہوئی تصویر ہوتی ہو، اس کا کیا مطلب ہوا؟ مطلب یہ کہ جب وہ کافر بادشاہ پورے دھیان وتوجہ کے ساتھ اپنی مورتی کی پوجا کرتا تھا، تو دل نے اس کا عکس قبول کر لیا۔

بھائیو! ذرا سوچو کہ جو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو کیا خدا تعالیٰ کی معرفت ومحبت کا عکس اس کے دل پر نہیں آئیگا، کیوں نہیں؟ ضرور بالضرور آئیگا۔

لہذا اللہ کو، اللہ کی محبت کو اپنے دل میں بسانے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کا

ذکر کریں، اس کی طرف دھیان لگائیں، اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔

جو دل اللہ سے غافل ہو وہ مردہ ہے

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت بایزید بسطامی رَحمہُ اللہ سے ملاقات کے شوق میں اپنے وطن سے نکلا، سفر کرتا ہوا ایک راستہ میں ایک جگہ درخت کے سایہ میں آرام کرنے لیٹا، تو دیکھا کہ دو چڑیاں آپس میں بات کر رہی ہیں، اور یہ شخص چڑیوں کی بولی جانتا تھا۔ درمیان میں حضرت نے فرمایا: اللہ تعالی بعض بندوں کو چرند پرند کی بولی سکھا دیتے ہیں، یہ کوئی مستبعد بات نہیں ہے، اور قرآن سے بھی ثابت ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ ﴿وَعُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ﴾ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔

الغرض ان میں سے ایک چڑیا دوسری چڑیا سے کہہ رہی تھی کہ معلوم ہے یہ آدمی جو درخت کے نیچے ہے، کہاں جا رہا ہے؟ دوسری چڑیا نے کہا: یہ بایزید بسطامی کے پاس جا رہا ہے، تو اس چڑیا نے کہا: ان کا تو انتقال ہو گیا، یہ شخص یہ بات سن کر پریشان ہوا، اور واپسی کا ارادہ کر لیا، پھر سوچا کہ جب نکلا ہی ہوں تو جا کر زیارت کر لوں، پھر آگے سفر جاری رکھا، اور بایزید بسطامی رَحمہُ اللہ کے پاس پہنچا، تو دیکھا کہ وہ تو باحیات ہیں، ملاقات کی، گفت وشنید کے بعد رخصتی کے وقت کہنے لگا کہ حضرت! ایک بات پوچھنا ہے، پھر چڑیا والا سارا قصہ سنایا، بایزید بسطامی رَحمہُ اللہ چونکے اور دریافت کیا کہ یہ کس دن اور کس وقت کا واقعہ ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں دن اور فلاں وقت کا واقعہ ہے، حضرت بایزید کہنے لگے کہ ہاں بھائی! چڑیا سچ کہہ رہی تھی، اس وقت کچھ دیر کے لئے میرا دل اللہ سے غافل ہو گیا تھا، اللہ

سے دل کا غافل ہونا، دل کا مردہ ہونا ہے۔

اللہ اکبر! ہمارا حال کیا ہے، ان کا دل تو کچھ دیر کے لئے مردہ ہوا تھا، ہمارا دل ہمیشہ مردہ رہتا ہے، ہم اللہ کا ذکر ہی نہیں کرتے، عجیب اور حیرت انگیز واقعہ ہے، اس واقعہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہئے اور ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا اور اس کا دھیان رکھنا چاہئے۔

دعاء کی برکت اور کفار کی بے بسی

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے آپ بیتی میں تقسیم ہند کے وقت کی سازشوں اور فتنوں اور قتل و غارت گریوں کے تذکرہ میں اپنے ایک متعلق الحاج بابو ایاز صاحبؒ کا ایک حیرت انگیز واقعہ لکھا ہے، وہ یہ کہ اس دور میں ان فتنوں کی وجہ سے دہلی سے نظام الدین کو آنا جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا، راشن بھی بازار جاکر لانا سخت خطرناک و مصیبت عظمیٰ تھا، سارے راستے مخدوش و مسدود تھے، راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا جہاں سکھ ہی سکھ تھے، کسی کی ہمت وہاں جانے کی نہیں ہوتی تھی، مگر الحاج بابو ایاز صاحبؒ اسی حال میں وہاں سے راشن لایا کرتے تھے، ان کے اس طرح جانے سے لوگ حیرت کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ سبزی منڈی سے راشن لے کر نظام الدین آرہے تھے، وہاں سے ایک تانگہ لیا، اس میں ایک بابو جی اور تین سکھ سوار تھے، دلی سے باہر نکل کر ان سکھوں نے یہ کہا کہ تو ہمارے بیچ میں کیسے بیٹھ گیا اور اگر ہم تجھ کو ختم کردیں تو پھر کیا ہو؟ انہوں نے نہایت جوش اور جرأت و بے باکی سے کہا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں مار سکتے اور ہمت ہو تو مار کر دکھلاؤ۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گئے، آپس میں کچھ اشارے کنائے بھی ہوئے اور

آستینیں سونت کر کہنے لگے کہ ہم کیوں نہیں مار سکتے ؟ انہوں نے اس سے زیادہ جوش سے کہا کہ میرے پاس ایک چیز ہے، تم میرے مارنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتے، وہ اللہ کے فضل سے کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ نظام الدین تک سوچتے ہی رہے، اور اشارے بھی کرتے رہے۔ان سے اُترتے وقت پوچھا کہ تم وہ چیز بتلا دو کیا ہے؟ بابو جی نے کہا کہ وہ چیز بتلانے کی نہیں ہے اور باقی تم دیکھ چکے ہو کہ تم لوگ باوجود ارادے کے مجھے مار نہ سکے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی نے مجھے ایک دعاء بتلائی ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ"

میں یہ پڑھتا تھا۔

(آپ بیتی شیخ الحدیث مولانا زکریا:۱/۵۴۰)

آیۃ الکرسی کا کرشمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکاۃ کے مال پر نگران مقرر فرمایا، ایک شخص آیا اور مٹھی بھر کر جانے لگا، انہوں نے اس کو پکڑ لیا، تو عذر کیا کہ میں محتاج ہوں، میرے ذمہ اہل وعیال ہیں، اور میں سخت حاجت مند ہوں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو اللہ کے نبی نے ان سے پوچھا کہ وہ تمہارا قیدی کیا ہوا، انہوں نے کہا کہ اس نے حاجت بتائی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا کہ وہ دوبارہ آئے گا، چنانچہ وہ دوسری رات بھی آیا اور مٹھی بھر کر جانے لگا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر اس کو پکڑ لیا، اس نے پھر وہی اپنی حاجت وضرورت کا اظہار کیا تو انہوں نے

چھوڑ دیا، نبی کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صبح پھر پوچھا، اور حضرت ابو ہریرہ نے وہی جواب دیا، آپ نے پھر فرمایا کہ وہ پھر آئے گا، اور اسی طرح پھر تیسری رات بھی وہ آیا تو حضرت ابو ہریرہ نے اب اس کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، تو بار بار وعدہ کرتا ہے کہ نہیں آؤں گا مگر پھر وہی حرکت کرتا ہے، میں تجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے پیش کروں گا، اس پر اس نے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تم کو کچھ کلمات سکھاتا ہوں جو تم کو نفع دیں گے، حضرت ابو ہریرہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں؟ تو کہا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو تو آیۃ الکرسی پڑھ لو، تمہارے لیے اللہ کی جانب سے ایک محافظ مقرر ہو جاتا ہے اور صبح ہونے تک شیطان تمہارے قریب نہیں آسکتا، حضرت ابو ہریرہ نے اس کو چھوڑ دیا، اور جب صبح ہوئی تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو قصہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اگرچہ کہ وہ جھوٹا ہے، کیا جانتے ہو کہ وہ کون تھا ؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔

(بخاری: ١٣٠/١)

شیطان قریب نہیں آئے گا

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک طاقچہ تھا، جس میں چھوارے رکھے جاتے تھے، پس جن آتا اور اس میں سے اُٹھا لے جاتا، انہوں نے اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ جب تم اس کو دیکھو تو یوں کہنا کہ:

" بسم الله أجيبي رسول الله"، چنانچہ انہوں نے اس کو پکڑا اور قسم لی کہ آئندہ نہیں آئے گا، اور اسی طرح تین مرتبہ ہوتا رہا کہ وعدہ کرتا، پھر بھی آتا،

تیسری دفعہ کہا کہ میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں کہ آیۃ الکرسی گھر میں پڑھ لو تو شیطان تمہارے قریب بھی نہ آئے گا ،حضرت ابو ایوب نے جب اللہ کے نبی ﷺ کو سنایا تو فرمایا کہ اس نے صحیح بات کہی ،اگر چہ وہ جھوٹا ہے۔
(ترمذی:۲۸۰۵،احمد:۲۲۴۸۸)

نبی کریم ﷺ پر شیاطین کے ناکام حملے

حدیث میں خود نبی کریم ﷺ کا ایک واقعہ آیا ہے، حضرت ابو التیاح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن حبیش رضی اللہ عنہ سے جو کہ بہت بوڑھے تھے، پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو شیاطین نے پکڑ لیا تھا تو آپ نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ شیاطین وادیوں سے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف آئے ،اور آپ پر پہاڑ کو ڈھکیل دیا،اور ایک شیطان کے ساتھ آگ کا ایک شعلہ تھا اس نے آپ کو جلانے کا ارادہ کیا،آپ ﷺ ڈر گئے اور پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔اتنے میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! پڑھئے،آپ نے کہا کہ کیا پڑھوں؟ کہا کہ یہ پڑھئے، جب آپ نے یہ پڑھا تو شیاطین کی وہ آگ بجھ گئی اور اللہ نے ان کو ہزیمت دیدی، وہ دعا یہ ہے:

﴿ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَايُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّ لَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَاخَلَقَ وَذَرَأَوَبَرَأَ ، وَمِنْ شَرِّمَايَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيهَا، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا،وَمِنْ

شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ إِلَّا طَارِقاً يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ ﴾

(میں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ جن سے کوئی نیک یا بد آگے نہیں جا سکتا پناہ پکڑتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا، وجود دیا، اور پھیلایا ہے اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس سے جو اس میں چڑھتی ہے اور اس سے جو زمین میں پھیلتی ہے اور اس سے جو اس سے نکلتی ہے، اور اس رات و دن کے فتنوں کے شر سے بھی اور ہر رات میں آنے والے کے شر سے بھی، سوائے اس کے جو خیر لے کر آئے، اے رحمٰن!)

(ابن ابی شیبہ: ۵/۵۱، مسند احمد: ۳/۴۱۹، کنز العمال: ۵۰۱۸ الترغیب والترھیب: ۲/۳۰۳، اس حدیث کو امام منذری نے الترغیب میں ذکر کر کے فرمایا کہ امام احمد و امام ابویعلی کی سندیں جید ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بعینہ اسی طرح کا قصہ مروی ہے۔

(دیکھو: السنن الکبری للنسائی: ۶/۲۳۷، معجم اوسط للطبرانی: ۱/۱۸، عمل الیوم اللیلۃ للنسائی: ۱/۵۳۰)

حضرت عروہ پر قابو پانے سے شیاطین عاجز

ایک عجیب واقعہ سنئے، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق کے صاحبزادہ اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں، ان کا ایک عجیب و حیرت انگیز واقعہ کتابوں میں لکھا ہے، وہ یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ خلیفہ بننے سے پہلے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی چھت پر سویا ہوا تھا کہ راستہ پر آوازیں محسوس کیا، اور جھانک کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیاطین جوق در جوق

آرہے ہیں یہاں تک کہ میرے مکان کے پیچھے ایک کھنڈر میں جمع ہوگئے پھر ابلیس بھی آگیا اور اس نے چیخ کر کہا کہ "من لی بعروۃ بن الزبیر؟" (کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کولائے گا) ایک جماعت کھڑی ہوئی اور کہا کہ ہم لائیں گے، پس گئے اور واپس چلے آئے اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہ ہوسکے، ابلیس نے پھر چیخ کر کہا کہ "من لی بعروۃ بن الزبیر؟" (کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کولائے گا) تو ایک اور جماعت اُٹھی اور کہا کہ ہم لائیں گے، اور یہ جماعت بھی جا کر واپس آگئی، اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہوسکے، اس پر وہ پھر بہت زور سے چیخا، حتی کہ میں یہ سمجھا کہ زمین شق ہوگئی، اور چیخ کر کہا کہ "من لی بعروۃ بن الزبیر؟" (کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کو لائے گا) تو ایک تیسری جماعت اُٹھی اور کہا کہ ہم لائیں گے، اور یہ جماعت بھی جا کر بہت دیر میں واپس آگئی، اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہوسکے، اس پر ابلیس غضبناک ہوکر چلا گیا اور شیاطین بھی اس کے پیچھے ہوگئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ یہ واقعہ دیکھ کر حضرت عروہ بن الزبیر کے پاس گئے اور یہ سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ میرے والد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے یہ سنا کہ جو بھی شخص صبح یا شام اس دعاء کو پڑھتا ہے اللہ اس کو ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ رکھتے ہیں، وہ دعاء یہ ہے:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ذِىْ الشَّأْنِ، عَظِيْمِ الْبُرْهَانِ ، شَدِيْدِ السُّلْطَانِ، مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ﴾

(اللہ کے نام سے جو شان والا ہے، بڑی دلیل والا ہے، زبردست سلطنت والا ہے، جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے، میں شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں)

(تاریخ ابن عساکر: ٤٠/ ٢٦٧، مختصر تاریخ دمشق: ١/٦/ ٢٢٧، کنز العمال: ٢/ ٢٨١ حدیث: ٥٠١٧)

اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس اور اس کا پورا لشکر حضرت عروہ بن الزبیر پر اس دعاء کی برکت سے قادر نہ ہوسکا، جو انہیں اپنے والد کے واسطے سے نبی کریم صَلّی اللہ عَلیہِ وَسَلّم سے پہنچی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شیطان کو کشتی میں پچھاڑ دیا

ابو وائل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شیطان اصحاب نبی صَلّی اللہ عَلیہِ وَسَلّم میں سے کسی ایک آدمی کو ملا اور ان سے کشتی کی، مسلمان نے اسے پچھاڑ دیا اور اس نے انگوٹھے کو کاٹا تو شیطان نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے، میں تجھے ایسی آیت سکھاتا ہوں کہ ہم شیاطین میں سے جب کوئی اس کو سنتا ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے تو ان صحابی نے اسے چھوڑ دیا، مگر شیطان نے اس آیت کے سکھانے سے انکار کر دیا تو پھر ان میں کشتی ہوئی، مسلمان نے اسے پھر پچھاڑ دیا اور اسکا انگوٹھا دبایا اور کہا کہ وہ آیت بتادے، اس نے انکار کر دیا کہ وہ آیت سکھائے، سہ بارہ ان میں پھر کشتی ہوئی تو شیطان نے کہا کہ وہ آیت سورۂ بقرہ میں ہے، یعنی آیت الکرسی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ اے ابوعبدالرحمان! یہ کس صحابی کا تذکرہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ سوائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کون ہوسکتا ہے۔

(حیاۃ الصحابہ: ۳۶۹/۴)

دعاء میں وسیلہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت نبی کریم صَلّی اللہ عَلیہِ وَسَلّم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں نابینا ہوں، آپ میرے لیے دعاء فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے، آپ صَلّی اللہ عَلیہِ وَسَلّم نے فرمایا کہ یا تو صبر کرو اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر چاہو تو دعاء کر دوں، ان صحابی نے عرض کیا کہ

دعاء فرمادیں، اس پر آپ ﷺ نے ان کو اچھی طرح وضو کرنے کا اور دو رکعت نماز ادا کر کے اس طرح دعاء کرنے کا حکم دیا:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ فَتُقْضٰى لِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ (و في بعض الروايات زيادة) وَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ﴾

(ترمذی: ۳۵۰۲، ابن خزیمۃ: ۲/۲۲۵، ابن ماجہ: ۱۳۷۵، مستدرک حاکم: ۱/۴۵۸، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱/۴۱۷)

امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح اور امام حاکم نے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں جیسے حضرات انبیاء اور اولیاء کے وسیلہ سے دعاء کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو اس کی تعلیم دی۔ علامہ شوکانیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے علامہ شوکانیؒ کی کتاب [تحفۃ الذاکرین] کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

(دیکھو: تحفۃ الاحوذی: ۱۰/۲۵ تا ۲۷)

اللہ تعالیٰ کا ذکر خادم سے بہتر

حضرت فاطمہؓ نے جب اپنے مشاغل اور گھریلو کام کی مشقت کا ذکر کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر ایک خادم عطاء فرمانے کی درخواست کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو تسبیح و ذکر کی تلقین فرمائی تھی۔ چنانچہ روایات

میں اسکی تفصیل اس طرح آتی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ چونکہ گھریلو کاموں کی زیادتی اور سختی سے بہت پریشان ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ چکی پیس پیس کر سخت ہو گئے، اور حضرت علی کنویں سے پانی بھرا کرتے ہیں، اس سے انکے سینے میں درد کی شکایت پیدا ہو گئی ہے۔ اور حضرت فاطمہ بھی پانی اٹھایا کرتیں، جس سے انکی گردن میں نشان ہو گئے۔ اور دیگر گھریلو مصروفیات سے ان کے کپڑے بھی خراب وخستہ ہو جاتے۔ اور روٹیاں پکانے کی وجہ سے (دھویں نے) چہرہ کا رنگ بدل دیا؛ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام یا خادم مانگ لیں۔ جب اللہ کے نبی کے گھر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کر کے واپس چلی آئیں اور جب رات ہو چکی اور یہ حضرات بستر پر چلے گئے، تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے۔ اور ان دونوں کے درمیان میں آپ بیٹھ گئے اور معلوم کیا کہ بیٹی! کیا بات تھی جو تم آئی تھیں؟ حضرت فاطمہ فرماتی ہیں: مجھے عرض کرتے ہوئے شرم آئی؛ اس لئے کہہ دیا کہ سلام عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی، پھر بعد میں بتایا کہ یہ پریشانی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پریشانی ومشقت سن کر فرمایا کہ کیا میں تمہیں خادم سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: فاطمہ! تم جس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو وہ تمہیں زیادہ پسند ہے یا وہ جو اس سے بہتر چیز ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت فاطمہ کی چٹکی لی اور (آہستہ سے) کہا کہ تم یہ بولو کہ خادم سے بہتر جو چیز ہے وہ پسند ہے۔ غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم بستر پر جاؤ تو چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس

(۳۳) دفعہ الحمدللہ پڑھو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

(بخاری:۲/۸۰۷، فتح الباری:۱۱/۱۱۹،۱۲۱)

امامِ حرم قاری سدیس کی والدہ کی بددعا

یہاں ایک عبرت خیز واقعہ موجودہ امام حرم قاری سدیس صاحب زید مجدھم کے بارے میں بعض معتبر ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ ان کی والدہ محترمہ جب کسی بات پر غصہ ہوتیں تو ان کو یوں بددعاء دیتیں، کہ اللہ تم کو حرم کا امام بنائے۔ اللہ اکبر! کیسی عجیب بددعاء ہے یہ! جس میں سراسر رحمت اور برکت ہے، یہ دراصل اسلامی تعلیم و تربیت کا اثر ہے، پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعاء قبول بھی فرمالی اور قاری سدیس کو امام حرم بھی بنادیا اور ساری دنیا میں ان کو شہرت بھی دیدی۔

اس واقعہ سے میں اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ماؤں کو ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اپنی اولاد کو کوسہ نہ دیں، بلکہ اگر کبھی غصہ آجائے تو بھی ایسی دعاء دیں، جس سے اپنی اولاد کا فائدہ ہو، جیسا کہ قاری سدیس صاحب کی والدہ نے کیا۔

معرفت ومحبت الٰہی

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر، اسرارِ شہنشاہی
عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

(اقبال رحمہ اللہ)

معرفت سے ہی محبت پیدا ہوتی ہے

امام رَبِیْعَۃُ الرَّ ائے اوران کے والد کی ملاقات

جب تک انسان کو اللہ کی پہچان نہ ہو، اس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا نہیں ہوسکتی ۔ بہت زمانہ پہلے یعنی بنوامیہ کے دور کا واقعہ ہے، جب کہ امام مالک ابھی طالب علمی کی زندگی گذار رہے تھے، ان کے ایک استاذ تھے، جن کا نام رَبِیْعَۃُ الرَّ ائے تھا، بہت بڑے عالم تھے، آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ امام مالک کے استاذ کیسے ہوں گے؟ بہت بڑے جلیل القدر فقیہ بھی تھے اور محدث بھی تھے، اور اللہ والے بزرگ بھی تھے ان کے والد کا نام فروخ تھا۔

جب امام ربیعۃ الرائے ماں کے پیٹ میں تھے تو ان کے والد فروخ خراسان کی جانب جہاد کی مہم پر امیر المومنین کے حکم سے نکل گئے، جب جہاد میں جانے کے لیے نکلے تو چوں کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ کب واپسی ہوگی اور کیا حالات ہوں گے کہ زندہ بھی آؤں گا یا اللہ کی راہ میں شہید ہوجاؤں گا؟ اس لئے ان کے پاس جو ۳۰ ر ہزار دینار یا درہم تھے، انھوں نے اپنی بیوی کو دیا اور کہا کہ میں جہاد میں جارہا ہوں اور یہ تیس ہزار تمہارے حوالے ہیں، ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کرتے رہنا، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی باقی رکھی اور واپسی ہوگئی تو پھر میں تم سے آکر حساب لے لوں گا یہ کہہ کر نکل گئے۔

جو نکلے تو ایسے حالات ان کے اوپر آئے کہ تاریخ بغداد کے مطابق تقریباً اس واقعہ کے ستائیس برس بعد ان کو لوٹنا نصیب ہوا، لمبے چوڑے عرصے کے بعد واپسی ہوئی۔ مدینہ ان کی بستی تھی اور اپنی بیوی کو مدینہ میں ہی چھوڑ کر گئے تھے، جب واپس

مدینہ آئے تو دیکھا کہ وہاں کی پوری فضا بدلی ہوئی ہے، نئی نئی سڑکیں بن گئی ہیں، نئی نئی عمارتیں بن گئی ہیں، خیر آئے اور بہت غور وفکر کے بعد اپنی گلی وغیرہ کو پہچانا اور اپنے گھر پہنچے اور جب پہونچے تو وہ رات کا وقت تھا، اپنے گھوڑے کو ایک طرف باندھا اور نیزے سے دروازہ کھولا، اور دروازے کے اندر گھسنے لگے۔

تو ایک صاحب باہر آرہے تھے، دونوں میں ملاقات ہوئی، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ اندر گھس رہے ہیں تو ان کوٹوکا اور کہا کہ ارے اللہ کے دشمن! کسی کے گھر میں بلا اجازت جانا جائز نہیں ہے، تو فروخ نے کہا: یہ کسی کا گھر نہیں ہے، یہ تو میرا گھر ہے، میرے گھر میں کس سے اجازت لوں؟ اب دونوں میں تو تو میں میں ہونے لگی، وہ کہتے ہیں یہ میرا گھر ہے اور وہ کہتے ہیں تم گھس نہیں سکتے، یہ تو میرا گھر ہے، دونوں میں جو گفتگو ہوئی تو پڑوسی لوگ جمع ہو گئے، ربیعہ کہنے لگے کہ میں ان کو سلطان کے پاس فیصلہ کے لئے لے جاؤں گا اور فروخ نے کہا کہ ہاں میں بھی تم کو بادشاہ کے پاس لے جاؤں گا، یہ سب باتیں ہورہی تھیں کہ ان کی بیوی نے اندر سے سنا اور آکر دیکھا کہ کیا ہورہا ہے؟

جو دیکھا تو تماشا یہ نظر آیا کہ دونوں باپ بیٹے دست وگریبان ہیں، ان کو بڑا تعجب ہوا، اور انہوں نے کہا کہ یہ معرفت نہ ہونے کی وجہ سے جھگڑا ہورہا ہے، پہچان نہیں ہے، باپ نے بیٹے کو پہچانا اور نہ بیٹے نے باپ کو پہچانا۔ بیوی نے کہا کہ تم دونوں آپس میں کیا کررہے ہو؟ بیٹے سے کہا: بیٹا ربیعہ! یہ تو تمہارے باپ ہیں، ملاقات کرو اور ان سے کہا فروخ یہ تمہارے بیٹے ہیں، ان سے ملاقات کرو۔ جب ماں نے پہچان کرائی تو پھر دونوں نے معافی چاہی اور روتے ہوئے آپس میں گلے ملنے لگے۔ (تاریخ بغداد: ۴۲۲/۸)

غور کیجئے کہ جب تک دونوں میں پہچان نہیں تھی تو لب و لہجے میں فرق ،اور انداز ایسا،اور جب بیٹے کو معلوم ہوا کہ یہ میرے ابا جی ہیں اور باپ کو معلوم ہوا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو پھر گلے مل رہے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ معرفت و پہچان اتنی بڑی چیز ہے کہ جب پہچان ہوتی ہے تو دل میں محبت آتی ہے اور پہچان نہیں ہوتی تو دل میں محبت نہیں ہوتی ۔اس لیے جب انسان اللہ کی پہچان اپنے اندر پیدا کرتا ہے تو اس کے دل کے اندر اللہ کی محبت آجاتی ہے۔

آخرت میں اللہ کی معرفت ہی کام آئے گی

مولانا رومی نے سلطان محمود غزنوی کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جو بڑا عبرت خیز وسبق آموز ہے،وہ یہ کہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں چوروں کا کچھ زور ہو گیا تھا، اور بادشاہ اس کی وجہ سے پریشان ہوا ،اور چوروں کو پکڑنے کے لئے ایک عجیب تدبیر نکالی کہ شاہی لباس اُتار کر چوروں کا سا پھٹا پرانا لباس پہن لیا،اور شہر میں گشت کرنے لگا ،ایک جگہ پر دیکھا کہ بہت سے چور اکھٹے بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کرر ہے ہیں ،بادشاہ بھی ان میں بیٹھ گیا ،چوروں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم جیسا ہوں ،چوروں نے سمجھا کہ یہ بھی کوئی چور ہے،انھوں نے کہا کہ تم اپنا کوئی ہنر بتاؤ،اگر تمہارے اندر کوئی ہنر ہوگا،تو تم کو اپنے ساتھ شریک کرلیں گے،ورنہ نہیں ،بادشاہ نے کہا: پہلے آپ لوگ اپنا اپنا ہنر بتاؤ،پھر میں اپنا ہنر بتاؤں گا،ایک چور نے کہا کہ میں اونچی سے اونچی دیوار پھاند کر مکان میں داخل ہوجا تا ہوں ،اگر چہ بادشاہ کا قلعہ ہی کیوں نہ ہو۔دوسرے نے کہا کہ میری ناک کی یہ خاصیت ہے کہ کسی جگہ کی مٹی سونگھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں خزانہ ہے یا نہیں۔تیسرے چور نے کہا کہ میرے بازو میں اتنی طاقت ہے کہ میں گھر میں گھسنے کے لئے اس میں

سوراخ کرسکتا ہوں۔ چوتھے چور نے کہا کہ میں ماہر حساب ہوں، Phd کیا ہوا ہوں، کتنا ہی بڑا خزانہ کیوں نہ ہو، چند لمحوں میں حساب لگا کر تقسیم کر دیتا ہوں۔ پانچویں چور نے کہا کہ میرے کانوں میں ایسی خاصیت ہے کہ میں کتے کی آواز سن کر بتا دیتا ہوں کہ کتا کیا کہہ رہا ہے۔ چھٹے چور نے کہا کہ میری آنکھ میں یہ خاصیت ہے کہ جس چیز کو رات میں دیکھ لیتا ہوں ، دن میں اس کو پہچان لیتا ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا کہ میری داڑھی میں یہ خاصیت ہے کہ جب مجرمین کو پھانسی کے لئے جلاد کے حوالے کیا جاتا ہے، اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے تو مجرمین پھانسی کے پھندے سے بچ جاتے ہیں، چونکہ وہ بادشاہ تھا، اس نے ایک خاص لطیف انداز سے اپنا ہنر اور کمال بیان کیا، سارے چور یہ بات سن کر خوش ہو گئے ، اور کہنے لگے کہ آپ تو چوروں کے قطب ہیں، جب ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے، تو آپ ہی کے ذریعہ ہم کو خلاصی مل سکتی ہے۔

پھر سب نے مشورہ کیا اور طے کیا کہ آج بادشاہ کے یہاں چوری کی جائے ، اس لئے کہ آج مصیبت سے چھڑانے کے لئے ، داڑھی والا بھی موجود ہے؛ لھذا سب کے سب بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑے، راستہ میں کتا بھونکا، تو کتے کی آواز پہچاننے والے نے کہا کہ کتا کہہ رہا ہے کہ بادشاہ تمہارے ساتھ ہے؛ لیکن چور پھر بھی چوری کے ارادے سے باز نہ آئے ، اور بادشاہ کے یہاں چوری کر ڈالی ، اور خزانہ لوٹ لیا، اور جنگل کی طرف آئے اور وہاں بیٹھ کر ماہر حساب نے حساب لگا کر چند منٹوں میں سب کو تقسیم کر دیا، بادشاہ نے کہا: سب لوگ اپنا پتہ لکھوا دو، تا کہ آئندہ چوری کرنا ہو تو ہم سب لوگ آسانی سے جمع ہوسکیں، سب کا پتہ نوٹ کر لیا گیا، اور سب نے اپنا اپنا راستہ لیا، اگلے دن بادشاہ نے عدالت لگوائی اور پولس کو حکم دیا کہ سب کو پکڑ کر لاؤ، جب سب چور ہتھکڑیاں ڈالکر حاضر کئے گئے ، بادشاہ نے سب کو

پھانسی کا حکم دے دیدیا، اور کہا کہ اس مقدمہ میں کسی گواہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ سلطان خود وہاں موجود تھا۔

یہاں ایک بات ضمناً عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح قیامت کے دن اللہ کو کسی گواہ کی ضروت نہیں ہوگی، اس لئے کہ: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (تم جہاں بھی ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے) اگر تم دو ہو تو تیسرا خدا ہے، چار ہو تو پانچواں خدا ہے، جب تم بدکاریاں کرتے ہو، تو اللہ سب دیکھتا ہے، اللہ کو کسی گواہ کی ضرورت نہیں، اس کے باوجود قیامت کے دن بندوں پر اتمام حجت کرنے کے لئے ہاتھوں اور پیروں کی، فرشتوں کی اور صحیفۂ اعمال کی گواہی ہوگی۔

الغرض جب چھ کے چھ چور پھانسی کے تختہ پر کھڑے ہوگئے، تو وہ چور جو آنکھوں کی خاصیت والا تھا، اس نے بادشاہ کو پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے، جو رات ہمارے ساتھ تھا، وہ تختہ دار سے چلاّیا کہ حضور کچھ دیر کے لئے امان دی جائے، اور آپ سے تنہائی کا موقعہ دیا جائے۔ بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے، تھوڑی دیر کے لئے پھانسی کو موقوف کردو، اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہر یکے خاصیت خود رانمود، ہر ایک نے اپنی خاصیت بتادی، ہر ایک نے اپنا ہنر بتادیا، ہمارے وہ ہنر جن پر ہم کو ناز تھا، انھوں نے ہماری بدبختی کو اور بڑھایا کہ آج ہم تختہ دار پر ہیں، اے بادشاہ! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا، جب مجرموں کو تختہ دار پر چڑھایا جاتا ہے، اگر اس وقت میری داڑھی ہل جاتی ہے تو مجرمین پھانسی سے نجات پاجاتے ہیں؛ لھذا آپ اپنا ہنر ظاہر فرمائیں، تاکہ ہماری جان خلاصی پائے۔ سلطان محمود نے کہا: ''تمہارے ہنروں نے تو تمہیں مبتلائے قہر کردیا ہے، لیکن یہ شخص جو سلطان کا عارف ہے، اس کی چشم سلطان شناس کے طفیل میں تم سب کو رِہا کیا جاتا ہے۔

اس عجیب وغریب قصہ کو بیان کر کے مولانا روم کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص اپنے ہنر پر ناز کررہا ہے، بڑے بڑے اہل ہنر اپنی بدمستیوں میں مست، اور خدا سے غافل ہیں؛ لیکن کل قیامت کے دن، ان کے یہ ہنر کچھ کام نہ آئیں گے، بلکہ یہی دنیوی ہنر ان کو مبتلاءِ قہر وعذاب کردیں گے، اوراس کے برخلاف جن لوگوں نے اس دنیا کے اندھیرے میں اپنے حقیقی بادشاہ اللہ عز وجل کو پہچان لیا، اور اس کی معرفت اپنے دلوں میں پیدا کرلی، قیامت کے دن یہ خود بھی نجات پائیں گے، اور ان کی سفارش گنہگاروں کے حق میں قبول کی جائے گی۔

یادرکھو کہ جس نے دنیا کے اندھیرے میں اللہ کو پہچاننے کا ہنر سیکھ لیا، تو پھر دوسرے ہنر سیکھنا کچھ مضر نہیں، کیونکہ پھر کوئی بھی ہنر آپ کو اللہ سے غافل نہیں کرسکتا، ڈاکٹر انجینئر بننا منع نہیں ہے، بشرطیکہ آپ اللہ سے غافل نہ ہوں۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ چشم سلطان شناس ہی کام آئی، باقی ہنر تختہ دار پر لے گئے، اسی طریقہ پر دنیا کے تمام کاروبار جو اللہ سے غافل ہوکر کئے جاتے ہیں، وہ آخر کار انسان کو تباہی وبربادی میں ڈالدیتے ہیں، لیکن جب کوئی شخص اللہ کی معرفت کا نور حاصل کرلیتا ہے اور وہ اللہ سے غافل ہونے کے بجائے اللہ کا عاقل بن جاتا ہے، تو وہ شخص خود بھی نجات پاتا ہے، دوسروں کو بھی نجات دلانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے سب سے بڑی چیز اللہ کی معرفت ہے۔

خوف الٰہی بھی معرفت کا نتیجہ ہے

امام جلال الدین رومیؒ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی سفر پر نکلا، جنگل میں چلتا رہا، جنگل میں بہت دور چلنے کے بعد اسے تھکان ہوئی اور تھکان کی وجہ سے نیند غالب ہوگئی، اس نے سوچا کہ کہیں آرام کرلوں لیکن آرام کرنے اس لیے ہمت نہیں ہوئی

کہ جنگل کا راستہ ہے اور جنگل کے راستہ میں کیسے آرام کروں؟ سوچتا رہا کہ کوئی چیز مجھے ایسی مل جائے جس کی وجہ سے مجھے کچھ سہارا مل جائے تو میں آرام کرلوں، بہت آگے جانے کے بعد دیکھا کہ ایک جانور سویا ہوا ہے، اس نے کہا کہ بہت اچھا، یہ کوئی جانور سور ہا ہے، میں بھی اس کے بازو سو جاؤں۔

چنانچہ جانور کے بازو وہ بھی جا کر لیٹ گیا، نیند کا اتنا غلبہ تھا، تھکان ایسی تھی کہ بس پڑتے ہی نیند لگ گئی، کچھ دیر بعد اسی راستے سے ایک دو آدمی آرہے تھے، پیچھے سے آتے آتے جب وہ وہاں پہنچے تو ایک عجیب منظر انہوں نے دیکھا کہ ایک انسان سویا ہوا ہے اور اس کے بازو جو جانور سویا ہوا ہے، وہ حقیقت میں شیر ہے، یہ لوگ بہت پریشان ہوئے کہ کہیں یہ شیر جاگے اور اس بیچارے کو کھا جائے۔ انہوں نے آہستہ سے سونے والے کو آواز دی اور جگایا، جب وہ جاگا تو ان لوگوں نے اس سے کہا کہ کہاں سوئے ہو؟ وہ تمہارے بازو شیر ہے شیر۔ بس جناب اتنا سنتے ہی وہ گھبرایا پریشان ہوا اور ڈر کے مارے اس کی جان نکل گئی اور مر گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوف بھی معرفت و پہچان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اگر معرفت و پہچان نہ ہو تو خوف نہیں آسکتا، جب پہچان ہوگی تو خوف آجائے گا۔

دیکھئے جب تک اسے شیر کی معرفت و پہچان نہیں تھی تو اس پر شیر کا خوف بھی پیدا نہیں ہوا، جیسے ہی شیر کی معرفت حاصل ہوئی تو اس کا خوف بھی پیدا ہوا اور وہ مر گیا۔ اسی طرح جب اللہ کی پہچان انسان کو ہو جاتی ہے کہ اللہ کتنا بڑا اور زبردست ہے، کتنی بڑی طاقت والا ہے، وہ کیا سے کیا کرسکتا ہے،؟ جب یہ پہچان اللہ کی انسان کو ہوگی تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کے دل کے اندر کوئی ہلچل نہ مچے اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں اللہ کا خوف پیدا نہ ہو۔

میرے پاس سو جانیں ہوتیں تو بھی اللہ تعالی کی محبت میں قربان کر دیتا

ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ چند صحابہ کو ایک علاقہ میں جانا پڑا تو وہاں کے بادشاہ نے ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، اس کے فوجیوں نے پکڑ کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا، بادشاہ عیسائی تھا، اس نے کہا کہ تم عیسائی بن جاؤ، انہوں نے کہا کہ ہم عیسائی نہیں بنتے، ہم تو مسلمان ہیں، ایک اللہ کو ماننے والے ہیں، ہم اسی ایک اللہ کا سبق ساری دنیا کو سکھانے کے لیے نکلے ہیں۔

اس نے کہا کہ یا تو تمہیں میری بات ماننی ہوگی یا نہیں تو میں تمہارے ساتھ سخت سلوک کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی مرضی جو چاہیں آپ کریں، لیکن ہم تو اپنے دین سے اور اپنے اللہ سے پھرنے والے نہیں۔

قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴾ (اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اگر دین سے پھر جائے تو اللہ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا، جو اللہ سے محبت رکھے گی، اللہ ان سے محبت رکھے گا)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی قوم پسند ہے، ایسے مسلمان پسند ہیں جو اللہ کی محبت میں چور ہوں، سرشار ہوں؛ اس لیے اس کا ذکر کیا کہ تم پھرنا چاہو تو پھر جاؤ، ہمیں کوئی پرواہ نہیں، ہم دوسری قوم کو پیدا کریں گے جو ہم سے محبت کرنے والی ہوگی، اور پھر اس کے نتیجے میں ہم بھی اس سے محبت کریں گے۔

تو وہ صحابہ کرام کہنے لگے کہ تو جو چاہے کر، ہم تو پھرنے والے نہیں، تو اس نے

اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ایک کڑھائی میں تیل ڈالو اور نیچے سے آگ جلاؤ۔

چنانچہ بہت بڑی کڑھائی میں تیل ڈالا گیا، اور نیچے سے آگ جلائی گئی اور خوب زبردست طریقہ پر اس تیل کو پکایا گیا، جب وہ بالکل پک گیا اور کھولنے لگا تو اس نے ان دو حضرات میں سے پہلے ایک صحابی کو اٹھا کر اس میں ڈالنے کا حکم دیا۔ جب ان صحابی کو اٹھا کر اس میں ڈالا گیا تو وہ کباب کی طرح اس میں جل بھن گئے، کھولتا ہوا تیل تھا اور تپ رہا تھا اور پکا ہوا تھا، بس یوں ڈالا اور ان کی جان نکل گئی، ختم ہو گئے۔

اس کو دیکھ کر جو دوسرے صحابی تھے وہ رونے لگے، بادشاہ نے یہ سمجھا کہ شاید ان کا دل کچھ نرم ہو گیا ہے، اب یہ میری بات مان لیں گے؛ لہٰذا ان سے کہا کہ دیکھو تمہارا بھی یہی حشر ہو گا، اگر تم نے میری بات نہیں مانی؛ اس لیے میری بات مان لو اور رونے کے بجائے میری بات مان کر اپنی جان بچالو۔ وہ صحابی کہنے لگے کہ تجھے دھوکا ہو رہا ہے، میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ میں ان کی جان کو یوں نکلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، یہاں مجھے کوئی خوف اور کوئی دہشت اور کوئی وحشت نہیں ہو رہی ہے، بلکہ میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ جوں ہی ان صحابی کو اس تیل میں ڈالا گیا ذرا سی دیر میں ان کی جان نکل گئی، تو میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے بھی تو اس میں ڈالے گا تو میری بھی اسی طرح جان نکل جائے گی، پھر میرے پاس اللہ کی محبت میں قربانی دینے کے لئے کوئی دوسری جان نہیں ہو گی، اس لیے میں رو رہا ہوں کہ ایک ہی جان ہے اور کہنے لگے کہ اگر میرے پاس سو جانیں ہوں تو میں یہ خواہش کروں گا کہ بار بار میری جان کو اس میں ڈالا جائے، اور میں سو مرتبہ اللہ کی محبت میں قربان ہو جاؤں۔

(حیاۃ الصحابۃ: ۱/۲۴۷)

اللہ اکبر! کیا محبت تھی اللہ سے، کیسا عشق تھا صحابہ کا، کیا دنیا کا کوئی عاشق محبت کی ایسی مثال اور نظیر پیش کرسکتا ہے؟ حدیث میں بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں مجھے قتل کیا جائے، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں“۔

(بخاری:۲۶۴۴،معجم اوسط:۳۳۳/۸،مصنف عبدالرزاق:۲۵۴/۵)

یہ اللہ کے راستے میں مرنا اللہ کی محبت میں مرنا ہے، جب یہ محبت غالب ہوتی ہے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اللہ تعالی سے محبت

میں نے حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم کی بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام ایک مرتبہ بکریاں چرا رہے تھے، راستہ میں ایک آدمی اللہ تعالی کی محبت میں یہ تسبیح پڑھتا ہوا جا رہا تھا: ”سبحٰن الملك القدوس، سبحٰن ذی العزة والهيبة والكبرياء والجبروت“ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو یہ جملے بڑے اچھے لگے، اور ظاہر بات ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اس کے ذکر سے دل کو لذت ملتی ہے، اور دل اس کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اس آدمی سے درخواست کی کہ وہ اللہ کی تعریف کے یہ جملے ایک بار دہرائے تو اس نے کہا: کہ میں دوبارہ پڑھوں گا تو آپ کیا دینگے؟ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی آدھی بکریاں دیدوں گا۔اس نے وہ تسبیح دوبارہ پڑھ دی اور آپ نے اپنی آدھی بکریاں اس کو دیدیں، مگر جب آپ نے ان جملوں کو سنا تو محبت خداوندی سے اور زیادہ بے قرار ہو گئے اور اس سے ایک بار پھر

پڑھنے کی درخواست کی، تو اس نے پوچھا کہ اب کے پڑھوں تو کیا دو گے؟ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بقیہ آدھی بکریاں بھی دیدوں گا، تو اس نے پھر ان جملوں کو پڑھ دیا اور آپ نے باقی بکریاں بھی اس کو دیدیں، مگر ابراھیم علیہ السلام کی پیاس نہیں بجھی، آپ نے اس سے پھر پڑھنے کے لئے فرمایا، تو اس نے کہا کہ اب تو آپ کی ساری بکریاں ختم ہوگئی ہیں، اب پڑھوں گا تو کیا دو گے؟ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جی ہاں! بکریاں تو ختم ہوگئیں اور کوئی چیز میرے پاس دینے کو نہیں ہے، مگر خود میری ذات تو موجود ہے، اور آپ کو بھی کوئی بکری چرانے والا چاہئے، اس لئے ایک بار اور پڑھ دیجئے اور اس کے بدلے میں میں آپ کا غلام بن جاؤں گا، آپ مجھ سے ان بکریوں کو چرانے کا کام لے لیں۔ اللہ اکبر!

یہ سنکر اس آدمی نے کہا کہ دراصل میں اللہ کا فرشتہ ہوں، تمہارا امتحان لینے آیا تھا کہ آپ کو اللہ سے محبت کتنی ہے؟ یہ میں دیکھنا چاہتا تھا، آپ کامیاب ہوگئے، یہ لیجئے آپ کی بکریاں۔

اللہ اکبر! کیا عجیب محبت تھی! کیسا عشق تھا! کہ ایک بار اللہ کا نام لینے اور اس کی تسبیح بیان کرنے پر پہلے تو ساری بکریاں دیدیں، پھر خود اپنی ذات کو غلامی کے لئے پیش کردیا۔

ایک بزرگ کا عشق الٰہی میں رونا

مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں ذکر کیا ہے کہ ایک بزرگ اللہ کی محبت میں رویا کرتے تھے اور شوق دیدار انکو بے چین و مضطرب کئے ہوئے تھا، ان کے ایک رفیق طریق نے ان کو نصیحت کی اور کہا کہ اتنا نہ رویا کرو، ورنہ کہیں آنکھوں میں خلل وخرابی نہ آجائے۔

مولانا رومیؒ اس کو نقل کرتے ہیں:

زاہدے را گفت یارے در عمل — کم گری تا چشم را نیاید خلل

اس پر زاہد و عابد و عاشق نے جواب دیا کہ دیکھو بھائی! دو حال سے خالی نہیں یا تو اس رونے اور گریہ وزاری کی وجہ سے آخرت میں جمال خداوندی مجھے نصیب ہوگا یا یہ کہ ان آنکھوں کو یہ دولت نصیب نہ ہوگی، اگر رونے سے جمال خداوندی نصیب ہوجاتا ہے تو ان آنکھوں کے نہ رہنے اور خراب ہوجانے کا کیا غم؟ اللہ کے وصال و دیدارِ جمال کیلئے دو آنکھیں کیا، لاکھوں آنکھوں کو بھی قربان کیا جاسکتا ہے اور اگر خدانخواستہ میری بد بخت آنکھوں کو جمال حق کا دیکھنا نصیب نہ ہوا تو ان بد بخت آنکھوں کا پھوٹ جانا ہی بہتر ہے، وہ آنکھ ہی کیا جو جمال یار کے دیکھنے کے قابل نہ ہو۔

مولانا رومیؒ زاہد کا یہ جواب نقل کرتے ہیں:

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال — چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

گر بہ بیند نورِ حق خود چہ غم است — در وصالِ حق دو دیدے کم است

ور نہ بیند نورِ حق را گو برو! — ایں چنیں چشم شقی گو کور شو

ایک عاشقِ خدا کا گریہ و بکا

امام غزالی رحمہ اللہ نے مکاشفۃ القلوب میں حکایت لکھی ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں خانہ کعبہ میں داخل ہوا تو ستون کے قریب ایک برہنہ نوجوان مریض کو پڑے دیکھا جس کے دل سے رونے کی آواز نکل رہی ہے، میں نے اس کے قریب جا کر اسے سلام کیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں

ایک غریب الوطن عاشق ہوں، میں اسکی بات سمجھ گیا اور میں نے کہا کہ میں بھی تیری طرح ہوں، وہ رونے لگا، اسکا رونا دیکھ کر مجھے بھی رونا آ گیا، اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ میں نے کہا کہ اسلئے رو رہا ہوں کہ تیرا اور میرا مرض و بیماری ایک ہے، اس نے چیخ ماری اور اسکی روح پرواز کر گئی۔

یہ ہے خدا کی محبت اور عشق کا رونا جس پر وعدہ ہے کہ خدا تعالی ایسے شخص کو قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دیگا۔

اللہ اور غیر اللہ کی محبت کا اجتماع ناممکن ہے

حضرت سمنون محبؒ بہت بڑے اللہ کے ولی گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس شرط پر کہ وہ دین پر قائم رہے گی، شریعت کے اوپر چلتی رہے گی، نکاح ہو گیا، اس سے مجھے ایک بچی پیدا ہوئی، بچی بڑی پیاری تھی، اس لیے میرا دل اس بچی میں لگ گیا، میں بار بار اس کی طرف دیکھتا اور اسی میں مشغول رہنے لگا، اس بچی کی محبت نے میرے اوپر غلبہ پالیا اور جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی کیفیت دل میں پاتا تھا اس میں کمی ہونے لگی، پہلے تو اللہ کی محبت ایسی گھسی ہوئی اور بسی ہوئی تھی کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں۔

حضرت سمنون فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! میں دل کے اندر محسوس کرتا ہوں کہ تیری محبت میں کمی ہو رہی ہے، مجھے بتادے کہ یہ کیوں ہو رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ رات سویا تو خواب کے اندر دیکھا کہ ایک ابر کا سایہ ہے، اس کے اندر بڑی ٹھنڈک معلوم ہو رہی ہے اور ایک نورانیت ہے، بہت سارے لوگ اس کے اندر جمع بیٹھے ہیں، میں نے خواب ہی میں کسی سے پوچھا کہ لوگ کیوں بیٹھے

ہیں، اور یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ عشاقِ خداوندی ہیں، عاشقان الٰہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت میں چور اور سرشار لوگ ہیں، یہ یہاں پر جمع ہیں، کہتے ہیں کہ میں بھی جا کر ان لوگوں میں بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا، تو ایک آدمی آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے مجھے باہر کر دیا، میں نے کہا کہ بھائی! میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں، میں بھی اللہ سے محبت کرتا ہوں، میں بھی اللہ کی محبت میں سرشار رہتا ہوں، مجھے بھی ان میں بیٹھنے دے، تو وہ کہنے لگا کہ نہیں، تو ان میں داخل نہیں ہے، اس لیے کہ تیرے دل میں تو تیری بچی کی محبت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے خواب ہی میں پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

دعا یہ کی کہ اے اللہ! اگر اس لڑکی کی محبت نے تیری محبت کو میرے دل سے قطع کر دیا ہے تو اس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے اے اللہ! تیری محبت دے کر اس کی محبت کو نکال دے۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا کی خواب ہی میں، تو خواب ہی میں میں دیکھ رہا ہوں کہ عورتوں کے رونے کی آواز آرہی ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ واقعی عورتیں رو رہی ہیں، میں نے پوچھا کہ کیا بات ہوگئی؟ تو کہا کہ بچی اوپر چڑھی تھی، ابھی گر کر مر گئی۔

اللہ اکبر! بڑا عبرت ناک واقعہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ایسے عشاق تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے کہا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾ (ایمان والے اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں) اس میں ذرا سی کمی انہوں نے محسوس کی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ التجاء کی۔

آج ہم لوگ غور کریں کہ ہمارے دل میں کتنے لوگوں کی محبت ہے، بے شمار چیزوں کی محبت ہے، اور صرف محبتیں نہیں ہیں، بلکہ غالب محبتیں ہیں، اللہ کی محبت

کہیں ایک کونے میں پڑی ہوئی ہے، اور اس کا کوئی احساس بھی ہم کو نہیں ہو رہا ہے، اور اس احساس کے نہ ہونے کی وجہ سے اسکے کوئی آثار بھی ہمارے اوپر مرتب ہوتے دکھائی نہیں دیتے، اور یہ حضرات ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں چور ہیں، سرشار ہیں، اور اس کے اندر ذرا سی کمی محسوس ہو رہی ہے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست ہو رہی ہے کہ اے اللہ ایسا کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بتائی۔

مصائب سے بچنے کا انمول نسخہ

افلاطون کا سوال اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

افلاطون جو بہت بڑا حکیم اور اپنے زمانہ کے بڑے عقلمند لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور وقت کا بہت بڑا فلسفی تھا اور اس کی تحقیقات دنیا میں آج بھی معتبر و مستند مانی جاتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا تھا، اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ جنگل میں ایک معمولی جھونپڑے میں رہتا تھا، لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا تھا، اگر کسی کو اس سے ملنا ہوتا تو پہلے سے اجازت لینی پڑتی تھی، وہ اللہ کو تو مانتا تھا، مگر رسولوں کو نہیں مانتا تھا، حضرت موسی علیہ السلام سے ایک دفعہ اس کی ملاقات بھی ہوئی تھی، حضرت موسی نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں، میرے اوپر ایمان لاؤ۔ تو اس نے کہا کہ میرا ایک سوال ہے، وہ یہ کہ فرض کیجیے کہ اللہ تعالی تیر پھینک رہا ہے اور بندوں کی جانب پھینک رہا ہے، اور بندے اس کا نشانہ ہیں، اور اللہ کے تیر یہ مصیبتیں اور پریشانیاں، بیماریاں و حادثات ہیں، اگر بندے اللہ تعالی کے ان تیروں سے بچنا چاہیں تو کیا طریقہ ہے؟ حضرت موسی نے اس کے سوال پر فی البدیہ جواب دیا کہ تیر پھینکنے والے کی بغل میں بیٹھ جاؤ، اس لیے کہ تیر پھینکنے والا

تو سامنے تیر پھینکے گا، اپنی بغل میں نہیں پھینکے گا۔

مطلب یہ تھا کہ اللہ کے قریب ہو جاؤ، جو اللہ کے قریب ہو جائے گا اُسے تیر کیسے لگے گا؟ اور جو دور رہے گا ظاہر ہے کہ اسے تیر لگے گا۔ جب یہ جواب حضرت موسیٰ نے دیا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ ایسا فی البدیہ جواب تو شاید دنیا میں کوئی دے نہ سکے، اور کہا کہ واقعی آپ اللہ کے نبی ہیں، میں مانتا ہوں، لیکن آپ جاہلوں کے لیے ہیں، آپ کی مجھے ضرورت نہیں، کیونکہ میں تو بڑا عقلمند اور فلسفی ہوں۔

جب تو میرا، تو آسماں میرا زمیں میری

ایک قصہ ہے کہ سلطان محمود کا ایک غلام تھا، اس کا ایاز نام تھا، بادشاہ اُس سے بہت محبت کرتا تھا، دیگر درباریوں کو اسی بنا پر ایاز سے حسد ہو گیا کہ بادشاہ اس کو کیوں اتنا چاہتا ہے؟ بادشاہ نے اس کو بھانپ لیا، اور لوگوں کو یہ بتانا چاہا کہ میں کیوں ایاز سے اتنی محبت کرتا ہوں۔ ایک دن بھرا ہوا دربار تھا، اور یہ غلام ایاز بادشاہ کی پشت پر کھڑا اس کو پنکھا جھیل رہا تھا، اِسی درمیان بادشاہ نے کہا: میرے دربار کی جو چیز جس کو پسند ہو، میری طرف سے اس کو اجازت ہے کہ اس چیز پر وہ ہاتھ رکھ دے، وہ چیز اس کو دیدی جائے گی۔

سارے ارکانِ دولت و مشیرانِ سلطنت اُٹھے اور انہوں نے اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں پر ہاتھ رکھ دیا اور بادشاہ کی اجازت سے اس کو اُٹھالیا، مگر ایاز خاموش اپنی جگہ کھڑا تھا، اس نے نہ کسی چیز پر ہاتھ رکھا نہ اس کو اُٹھانے کی کوشش کی، یہ دیکھکر لوگ ایاز کو تکنے لگے کہ کتنا بڑا بے وقوف ہے کہ ایسی قیمتی چیزیں میسر آرہی ہیں مگر یہ نہ اپنی جگہ سے اُٹھتا ہے، نہ کسی چیز کو اُٹھاتا ہے، بادشاہ بھی یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا: ایاز! کیا تم کو ہمارے دربار کی کوئی چیز پسند نہیں آئی؟ تم نے کسی چیز کو کیوں پسند

نہ کیا؟ تو ایاز نے بڑا عجیب وبصیرت افروز جواب دیا، اس نے کہا کہ حضور! میں نے تو آپ کو پسند کرلیا ہے، اور جب آپ میرے ہو گئے تو سارا دربار میرا ہو گیا، اب مجھے کسی اور چیز کو پسند کرنے اور اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟

میرے دوستو! ایک مخلوق کا غلام جب اپنے آقا کی محبت میں اس مقام کو پہنچ سکتا ہے تو کیا اللہ کی ذات اس سے گئی گزری ہے؟!!! لہذا اللہ سے اللہ ہی کو طلب کرو، جب اللہ مل جائے گا تو سب مل جائے گا، جیسے اُس غلام ایاز نے بادشاہ ہی کو مانگ لیا تھا، اگر کوئی چیز مانگتا، تو صرف وہ چیز اس کو ملتی، بادشاہ کی محبت نہ ملتی، اسی طرح اللہ سے دنیا مانگو گے تو دنیا ملے گی، دنیا والے دنیا مانگتے ہیں، مگر عقلمند لوگ اللہ سے اللہ ہی کو مانگتے ہیں، جب اللہ کو مانگ لیا تو اللہ اُس کا ہو گیا، جس کا اللہ ہو گیا سب کچھ اُس کا ہو گیا۔

جس کا خدا ایسا ہو، کیا وہ غیر اللہ کی طرف نظر کرسکتا ہے؟

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ایک عورت اپنے شوہر کی شکایت لیکر آئی اور کہنے لگی: حضرت! میں اتنی حسین ہوں، پھر بھی میرا شوہر دوسری عورتوں کی طرف نظر کرتا ہے، اور غیر عورتوں کے پاس جاتا ہے، اور میری طرف کوئی التفات نہیں کرتا، پھر کہنے لگی کہ اگر شریعت میں پردہ کا حکم نہ ہوتا تو میں اپنا چہرہ آپ کے سامنے کھول کر بتاتی کہ مجھے اللہ نے کیسا حسین بنایا ہے۔ یہ سن کر حضرت جنیدؒ بے ہوش ہو گئے، ہوش میں آنے کے بعد مریدین نے پوچھا کہ حضرت! کیا بات تھی؟ کیوں آپ پر غشی طاری ہو گئی؟ حضرت نے فرمایا: کہ تم نے اس عورت کی بات سنی نہیں، وہ کیا کہہ رہی تھی کہ میرے جیسی حسین عورت کے ہوتے ہوئے بھی میرا شوہر دوسروں کی طرف نظر کرتا ہے، یہ سن کر مجھے ایک حدیث قدسی یاد آگئی، جس میں آپ

صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ:

''جس کا خدا میرے جیسا ہو، کیا وہ بندہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف نظر کر سکتا ہے؟''

سورج کو دیکھو، چاند کو دیکھو، کتنے حسین ہیں، تو ان کو بنانے والا کیسا حسین ہوگا، جو مٹھاس کو پیدا کرنے والا ہے، اسمیں کیسی مٹھاس ہوگی، ماں کے دل میں محبت پیدا کرنے والا خدا، بندوں سے کتنی محبت کرتا ہوگا، ایسے خدا کو چھوڑ کر ہم کہاں بھٹک رہے ہیں۔(فانی تؤفکون)

جدھر میرا مولیٰ ادھر شاہ دولہ

ایک بزرگ کی حکایت یاد آئی کہ شاہ دولہ ایک بزرگ تھے، ان کا قصہ ہے کہ شاہ دولہ کے وطن میں ایک مرتبہ طوفان بپا ہوا، اور ان کے وطن کے قریب ایک بہت بڑی نہر بہتی تھی، طوفان کی وجہ سے اس نہر کا رخ شہر کی طرف ہونے لگا، تو سارے لوگ گھبرا گئے، اور کہنے لگے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر سارا شہر ڈوب جائے گا؛ اس لئے چلو کسی اللہ والے سے دعا کروالیں، وہاں شاہ دولہ بزرگ موجود تھے، لوگ ان کی خدمت میں آ کر کہنے لگے: کہ حضرت! اس وقت نہر کا رخ شہر کی طرف ہے اور خطرے کی یہ صورت ہے، اگر ایسا ہوا تو پھر سارا شہر ڈوب جائیگا، اللہ تعالیٰ سے آپ دعا کر دیجئے کہ وہ ہم سب کو بچالے۔

تو انہوں نے آنے والوں سے کہا: کہ تمہارے پاس پھاؤڑے ہیں؟ تو کچھ لوگوں نے کہا: کہ ہاں ہیں، کہا کہ جاؤ پھاؤڑے اٹھا لاؤ۔ لوگ پھاؤڑے لیکر وہاں پہونچے، اور شاہ صاحب کے ہاتھ میں تھما دئے، شاہ دولہ ان کو لیکر نہر کے اس کنارے پہونچ گئے جہاں سے پانی آنے کا اندیشہ تھا اور کہنے لگے کہ یہ جو مینڈ لگی

ہوئی ہے، اس کو کھودو تا کہ پانی ادھر کو آجائے۔لوگ کہنے لگے کہ حضرت! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم تو یہ کہنے کیلئے آئے تھے کہ اس سے بچیں، یہ تو ہم سے وہ کام کروا رہے ہیں جس سے کہ شہر ڈوب جائے گا۔کہا: کہ حضرت یہ کیا؟اس سے تو شہر ڈوب جائیگا۔

اس پران بزرگ نے ایک جملہ کہا کہ ''جدھر میرا مولیٰ ادھر شاہ دولہ'' یعنی جو میرے مالک کی مرضی ہے وہی شاہ دولہ کی مرضی ہے، میں کوئی کام میرے رب کی مرضی کے خلاف نہیں کرونگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بندہ اپنی مرضیات کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے اور اطاعت خداوندی کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے تو وہ تکلیف میں بھی راحت محسوس کرتا ہے؟

حضرت فاطمہؓ کا صبر وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

حضرت فاطمہؓ نبی الثقلین سرورکونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر ونورِ نظر، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو ظاہر ہے کہ آپ کو بہت غم ہوا، کس قدر غم ہوا اس کا اندازہ ان کے ان اشعار سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے اس موقعہ پر فرمائے تھے۔

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

(فرماتی ہیں کہ مجھ پر اللہ کے رسول کی وفات کی وجہ سے جو مصائب ڈالے گئے ہیں وہ اگر دنوں پر ڈال دیے جائیں تو دن رات ہو جائیں)۔

یعنی دن کی روشنی ان مصائب کا تحمل نہ کر سکے گی اور دن بھی اندھیریوں میں تبدیل ہو جائیں جیسے راتیں ہوتی ہیں۔

اندازہ کیجئے کہ کس قدر غم ہوگا، مگر کوئی شکوہ وشکایت انکی زبان پر نہ جاری ہوا۔ آج عورتیں اپنے کسی رشتہ دار باپ، ماں یا شوہر کے یا کسی اور کے انتقال پر نہایت ہی بے صبری کا مظاہرہ کرتی اور شکوہ و شکایت کی زبان دراز کرتی نظر آتی ہیں۔ یاد رکھو! یہ محبت الٰہیہ کے خلاف ہے۔

ہر کام میں اللہ کی مصلحت ہوتی ہے

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیٹ میں درد ہوگیا انہوں نے اللہ سے کہا کہ اے اللہ! اس کا علاج بتا دیجئے۔ وہ تو کلیم اللہ تھے، اللہ سے ہم کلامی کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ اے اللہ میرے پیٹ میں درد ہے، اس کا کوئی علاج بتایئے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ چاول کھاؤ۔ (بنگلور والے خوش ہو جائیں گے کہ ہم سب چاول ہی کھاتے ہیں)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے چاول ہی کا حکم دیا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاول کھائے لیکن وہ درد کم نہیں ہوا۔ اللہ نے علاج تجویز کیا اور درد کم نہیں ہوا۔ انہوں نے اللہ سے پھر عرض کیا کہ اے اللہ پریشانی ختم نہیں ہوئی۔ کیا کروں؟ کہا چاول کھاؤ۔ پھر بھی ختم نہیں ہوا۔ تیسری دفعہ عرض کیا لیکن تیسری دفعہ بھی کھانے کے بعد بیماری ختم نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ اب بھی ختم نہیں ہوا۔ اب کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ فلاں حکیم صاحب کے پاس جاؤ۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام حکیم صاحب کے پاس گئے۔ ان کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ چاول کھاؤ۔ اللہ نے تین دفعہ کہہ دیا تھا کم نہیں ہوئی بیماری۔ اب یہاں گئے تو وہی چاول کھاؤ۔ خیر آ گئے چاول کھائے تو ٹھیک ہو گئے۔ اشکال ہو گیا ذہن میں۔

اللہ سے عرض کیا کہ اے اللہ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی ۔ یہ راز ذرا فاش ہو جائے تو بہت اچھا کہ آپ نے کہا چاول کھاؤ، ایک دفعہ نہیں تین دفعہ میری بیماری ختم نہیں ہوئی، حکیم صاحب نے بھی کہا چاول کھاؤ اور بیماری میری ختم ہوگئی یہ میرے سمجھ میں نہیں آرہا ہے ۔ اللہ نے کہا کہ اے موسی ! اگر میں نے کہا تو اسی لیے کہا کہ اس کا علاج ہی وہ تھا۔ حکیم صاحب نے اگر کہا وہ بھی اسی لیے کہا کہ ان کے علم کے مطابق بھی اس کا علاج وہی تھا لیکن جہاں تک بیماری کے ختم ہونے کا سوال ہے وہ تو میرے اختیار میں ہے ۔ میں نے ختم اس وقت نہیں کرنا چاہا، اس لیے میں نے نہیں کیا۔ اگر چہ تم نے چاول کھایا لیکن حکیم صاحب کے کہنے پر میں نے یہ چاہا کہ بیماری تمہاری ختم ہو جائے اس لیے ختم کر دی۔ اب رہا یہ سوال کہ اے اللہ اس وقت آپ نے کیوں ختم نہیں کیا؟ حکیم صاحب کے پاس جانے کے بعد کیوں ختم کیا؟ ۔ یہ اس لیے ختم کیا کہ اگر میرے پاس آپ کی درخواست پر میں یوں ہی ختم کیا کروں تو حکیم صاحب کا پیٹ کیسے بھرے؟ حکیم صاحب کا پیٹ بھی تو چلنا ہے ،ان کی بھی تو دنیا چلنی ہے۔ اس کے لیے یہ وسائل ہیں، ذرائع ہیں، اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ حد لگا رکھی ہے۔

چوروں کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت؟

ایک بزرگ تھے ان سے ایک چور نے آکر سوال کیا، چور نہیں ایک قفل بنانے والے نے سوال کیا، سوال یہ کیا کہ کفر بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، ایمان بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، طاعت بھی اللہ نے پیدا کی ہے ،معصیت بھی خدا نے پیدا کی ہے، ساری یہ چیزیں اللہ ہی نے پیدا کی ہیں، چور بھی اللہ نے پیدا کئے ہیں، ان کی چوری

کا فعل بھی خدائے تعالیٰ پیدا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے چوروں کو کیوں پیدا کیا؟ تو انہوں نے کہا: کہ تجھے پالنے کے لیے۔ وہ قفل بنانے والا تھا۔ وہ بزرگ اس کو جانتے تھے۔ اس لیے کہ اگر چور نہ ہوتے تو کون قفل خریدتا۔ ارے قفل تو اسی لیے خریدتے ہیں کہ چور موجود ہیں۔ اور چوریاں ہوتی ہیں، اس لیے سب لوگ تالے لیتے ہیں، دوکانوں پر بھی مکانوں پر بھی اگر چور نہ ہوتے تو ساری دوکانیں کھلی ہوتیں، چوبیس گھنٹے کھلی ہوتیں۔ کون بند کرنے کی مصیبت کرتا۔ یوں ہی چھوڑ کر چلے جاتے؛ لیکن چوروں کا خطرہ ہونے کی وجہ سے لوگ بند کرتے ہیں دوکانوں کو مقفل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تیرے پالنے کے لیے اللہ نے انہیں پیدا کیا۔

ہر چیز میں خدا کی مصلحت ہوتی ہے، اللہ نے اس پوری کائنات کو ان اسباب ذرائع اور وسائل کے اندر گھیر رکھا ہے۔ اللہ ہر کام وقت پر کرتا ہے۔

اللہ ہر کام وقت پر کرتے ہیں

ایک قصہ یاد آگیا کہ ایک بزرگ جارہے تھے، بہت سخت گرمی پڑ رہی تھی، یہ بڑی پریشانی کے ساتھ چل رہے تھے، اچانک بارش ہونے لگی، ٹھنڈے ٹھنڈے بارش کے قطرات جب ان کے جسم پر پڑے تو ان کی زبان پر بے ساختہ و بے اختیار ایک جملہ آگیا، انہوں نے کہا کہ واہ! آج کیا وقت پر بارش ہوئی! اس پر فوراً اللہ کی طرف سے الہام ہوا، اور عتاب نازل ہوا کہ او بے ادب! کیا ہم نے کبھی بے وقت بھی بارش برسائی ہے؟ جو بھی کرتے ہیں وقت پر ہی تو کرتے ہیں، تجھے پیدا کیا تو وقت پر کیا، تجھے ماریں گے تو وقت پر ماریں گے، تجھے بخار دی تو وقت پر دیا، تجھے صحت دی تو وقت پر دیا۔ کیا مطلب ہوا؟ کہ اللہ تعالی پر جب اعتماد ہو کہ وہ سب کام

حکمت و مصلحت کے مطابق کرتے ہیں تو اللہ پر توکل و اعتماد کا پیدا ہو جانا لازمی ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام کی دو دعائیں

حضرت ابو علی دقّاق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت وضرورت کو صرف اللہ کے سامنے پیش کرنا معرفت کی نشانیوں میں سے ہے۔ حضرت دقاقؒ نے اس جگہ حضرت موسی علیہ السلام کی بڑی عمدہ مثال بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ حضرت موسی علیہ السلام نے ایک دفعہ ایک بہت بڑی چیز کا اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، وہ یہ کہ انہوں نے اللہ سے عرض کیا کہ:

﴿ رَبِّ اَرِنِیۡ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ﴾ (اے اللہ! مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھوں)

یہ بہت بڑا اور عظیم سوال تھا کہ اللہ کا دیدار ہو جائے اس لیے کہ اس سے بڑی کوئی نعمت نہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو جائے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنت میں جب جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدا ہو گا تو جنتیوں کو جنت کی ساری چیزیں اس کے سامنے حقیر نظر آئیں گی اور اللہ کے دیدار کی لذت ساری لذتوں پر بھاری ہو گی۔ غرض حضرت موسی علیہ السلام نے ایک طرف اللہ سے اتنی بڑی چیز کا سوال کیا اور دوسری طرف ایک اور موقعہ پر دنیوی معمولی حقیر چیزوں کے لیے اللہ ہی کی طرف رجوع کیا اور اپنی محتاجی ظاہر فرمائی، چنانچہ عرض کیا:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ﴾ [سورۂ قصص:۲۴]

(ترجمہ: اے میرے رب! میں ان چیزوں کا محتاج ہوں جو آپ میری طرف (کھانا وغیرہ) نازل فرمائیں)

معلوم ہوا کہ ہر چھوٹی یا بڑی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے اور ہر حال میں

اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے ؛ اس لیے کہ در تو صرف اسی کا ہے، اس کے در کے سوا کسی کا کوئی در نہیں جہاں ہماری حاجات پوری ہوتی ہوں ، اسی کا ہم کو مکلّف بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالی بندوں کو کب مقرب بناتے ہیں؟

حضرت سیدنا موسی علیہ السلام کا ایک واقعہ مولانا رومیؒ نے لکھا ہے کہ آپ پر اللہ کی وحی آئی کہ اے موسی ! ہم نے تم کو اپنا مقرب بنالیا ہے اور تم کو اپنے لیے چن لیا ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! وہ کیا خصلت ہے جس کی بنا پر آپ اپنے بندوں کو اپنا برگزیدہ ومقرب بنالیتے ہیں؟

اللہ تعالے کی جانب سے اس کا جواب ارشاد ہوا :

گفت چو طفلے بہ پیشِ والدہ   وقتِ قہرش دست ہم بروے زدہ

یعنی مجھے اپنے بندے کی یہ بات اور ادا بہت پسند ہے کہ وہ مجھ سے وہ معاملہ کرے جو ایک چھوٹا بچہ اپنی ماں کے ساتھ اس وقت کرتا ہے جب اس کی ماں اس پر غصہ ہوتی ہے۔

اس وقت بچہ اپنی ماں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ اس کو سنئے :

مادرش گر سیلئے بروے زند   ہم بمادر درآید و بروے تند

فرمایا کہ جب ماں بچہ کو طمانچہ مارتی ہے تو وہ ماں ہی کی طرف دوڑتا ہے اور اسی سے لپٹ کر چلاتا ہے۔

از کسے یاری نخواہد غیرِ او   او ست جملہ شرِّ او خیرِ او

یعنی یہ بچہ اپنی ماں کے سوا کسی سے مدد بھی نہیں چاہتا اور اپنی ماں ہی کو تمام خیر وشر کا سر چشمہ خیال کرتا ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اے موسیٰ! یہ ہے وہ ادا جس

کی وجہ سے میں بندے پر عنایت کرتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بندے
کی یہ ادا پسند ہے کہ وہ صرف اسی کو پکارے اور ہر وقت اسی سے لو لگائے۔

محبت و عظمت رسول ﷺ کے خوبصورت نقوش

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے
آمد تیری اے ابر کرم رونق عالم
تیرے ہی لئے گلشن ہستی یہ بنا ہے

(علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

اسلام کے بعد صحابہ کی سب سے بڑی خوشی

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ ان صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کچھ تیاری نہیں کی ہے، مگر یہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ'' (آدمی جنت میں اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے گا)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں یعنی صحابہ کرام کو نہیں دیکھا کہ وہ اسلام کے بعد کسی چیز سے اس قدر خوش ہوئے ہوں جتنا کہ آپ کے اس ارشاد سے خوش ہوئے۔

(مشکل الآثار: ۴۲۱/۱)

ایک حدیث میں ہے کہ اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے نہ روزوں کی کثرت سے، نہ نماز کی کثرت سے، نہ صدقے کی کثرت سے، اور نہ کسی چیز سے تیاری کی ہے؛ لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔

(بخاری: ۱۰۵۹/۲)

ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ صاحب جنہوں نے سوال کیا تھا، حضرت ذوالخویصرہ یمنی رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے ایک دفعہ اسلام لانے سے قبل مسجد میں پیشاب کردیا تھا۔

(فتح الباری: ۵۵۵/۱۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابۂ کرام کے لیے یہ بہت ہی زیادہ خوشی کا موقعہ تھا جب کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ فرمایا کہ آدمی اس کے

ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے گا۔ اسی طرح ہر مسلمان کے لیے یہ ارشاد خوشی وسرور کا پیغام ہے اور امید کی ایک کرن ہے، ورنہ ہمارے پاس کون سا ایسا عمل ہے کہ جنت کی تمنا وآرزو کرسکیں۔

غرض یہ کہ یہ محبت بڑی دولت ونعمت ہے کہ جنت میں اللہ کے رسول علیہ السلام کی زیارت وملاقات کا موقعہ مل جائے، مگر یہ دولت کس کو نصیب ہوگی؟ عشق ومحبت نبوی میں جو سچا اور پکا ہو، اس کو یہ دولت نصیب ہوگی؛ لہٰذا آپ سے سچی و پکی محبت پیدا کرنا چاہیے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے نظیر نمونہ

حضرات صحابۂ کرام کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق کا عجیب حال تھا۔ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب آپ بھی انتقال فرما جائیں گے اور ہم بھی مرجائیں گے، تو آپ علیین میں ہوں گے، جہاں سے ہم نہ آپ کو دیکھ سکیں گے اور نہ آپ کے ساتھ جمع ہوسکیں گے، پھر انھوں نے اس پر بڑے ہی حزن اور غم کا اظہار کیا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ [النساء:۶۹] (جو اللہ ورسول کی اطاعت کریں گے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے)۔

انہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ جب نبی کریم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وصال ہوا تو انہوں نے دعا کی کہ "اَللّٰھُمَّ أَعِمَّنِیْ حَتّٰی لَا أَرٰی شَیْئًا بَعْدَہٗ "(یعنی اے اللہ! مجھ کو اندھا کر دے تا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی چیز کو نہ دیکھ سکوں)، ان کی یہ دعاء فوراً قبول ہوئی اور اسی وقت وہ نابینا ہو گئے۔

(تفسیر قرطبی: ۲۷۱/۵)

اللہ اکبر! کیا عشق تھا، محبوب دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ کہ آپ کے بعد اپنی آنکھوں سے کسی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے، گویا یہ آنکھیں صرف اس لیے تھیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت کریں جب آپ کا وصال ہو گیا اور اب اس کا امکان نہ رہا تو آنکھوں کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، وہ آنکھیں کس کام کی جن سے محبوب کا دیدار نہ ہو۔

حبّ رسول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جناب میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے میرے نفس کے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں، خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ میں تمہارے نفس سے زیادہ تم کو محبوب نہ ہو جاؤں۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ خدا کی قسم اب آپ مجھے میری ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "ہاں! اب (ایمان مکمل ہوا) اے عمر"۔ (بخاری: ۹۸۱/۲)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول

ایک اور صحابی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں یہ حال ہوگیا کہ ایک دفعہ حاضر خدمت ہوئے اور رنگ بدلا ہوا تھا اور جسم نحیف وکمزور ہوگیا تھا اور چہرہ پر غم اور حزن کے آثار نمایاں تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ثوبان! تمہارا رنگ کیوں بدلا ہوا ہے؟ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہ مجھے کوئی نقصان ہوا اور نہ درد ہے؟ لیکن بات یہ ہے کہ جب میں آپ کو نہیں دیکھتا تو بے قرار ہو جاتا ہوں اور شدید وحشت وگھبراہٹ محسوس کرتا ہوں اور جب تک آپ کو نہ دیکھ لوں اور آپ سے نہ مل لوں قرار نہیں آتا۔ جب میں نے آخرت کا معاملہ سوچا تو اندیشہ ہوا کہ میں وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا؛ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ آپ انبیاء کے ساتھ بلند ترین مقام پر ہوں گے اور میں اگر جنت میں داخل بھی ہوا تو آپ کے درجہ سے کم درجہ پر رہوں گا اور اگر جنت میں داخل ہی نہ ہوسکا تو پھر کبھی بھی آپ کو نہ دیکھ پاؤں گا، یہ سوچ کر مجھ کو غم ہوگیا اور یہ حال ہوگیا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ انہی کے اس واقعہ پر وہ آیت نازل ہوئی جو اوپر پیش کی گئی ہے۔

(قرطبی: ۲۷۱/۵)

عشق نبی میں ایک لکڑی کا رونا

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بخاری میں موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منبر لکڑی کا تھا، جو ویسا ہی معمولی سا بنا ہوا تھا، کوئی مستقل

منبر نہ تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی تو انھوں نے مسجد کے اندر مستقل ایک منبر تعمیر کر کے وہاں نصب کر دیا اور لکڑی کا عارضی منبر جو وہاں پر موجود تھا، اس کو وہاں سے ہٹا دیا، اس کے بعد حسبِ معمول اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ میں خطبہ ارشاد فرمانے تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہوئے، تو دیکھا کہ کسی کے بلک بلک کر رونے کی آواز آرہی ہے، سب پریشان کہ یہ کون رو رہا ہے، صحابہ ادھر ادھر پریشان ہو کر دیکھنے لگے، پھر کسی نے بتایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر وہ منبر رو رہا ہے جس کے اوپر آپ اب تک کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر اس کی طرف تشریف لے گئے اور جا کر اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے، کیوں رو رہا ہے؟ منبر جواب دینے لگا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !اب تک آپ کی قربت مجھے نصیب تھی، نئے منبر کے بننے کے بعد مجھے ایک کونے میں ڈال دیا گیا، میں آپ کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سینہ سے لگایا، اور اس کو تسلی دی تو وہ خاموش ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’والذی نفس محمدٍ بیدہ لَوْ لَمْ اَلْتَزِمْہُ مازال باکیاً حطباً حتی یوم القیامة، حزناً علی فراق رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ‘‘ (اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو اپنے سینہ سے نہ لگاتا تو یہ میری جدائی کے صدمے میں قیامت تک روتا رہتا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اس کو دفن کردو)

(بخاری: ۳۳۱۹، ابن ماجہ: ۱۴۰۷، سنن الدارمی: ۴۱)

حضرت عمر اور عظمت رسول

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں مسجد نبوی میں تھا کہ کسی نے مجھے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب تھے، آپ نے (دو شخصوں کو دکھا کر) فرمایا کہ ان دو کو میرے پاس لے آؤ، وہ کہتے ہیں کہ میں ان کو لیکر آپ کے پاس آیا، آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم یہاں کے ہوتے تو تمہاری پٹائی کرتا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو؟

(بخاری: ۴۷۰)

امام مالک رحمہ اللہ اور عظمت رسول

تاریخ میں ہے کہ ایک بار حضرت امام مالک سے ان کے زمانے کا بادشاہ امیر المومنین ابو جعفر المنصور نے مسجد نبوی میں کسی سلسلہ میں بحث کی اور اس کی آواز بلند ہوگئی تو امام مالک نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند نہ کریں، اللہ نے صحابہ کی ایک جماعت کو یہ ادب سکھایا کہ ﴿لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ (اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو) اور ایک جماعت کی تعریف اس طرح کی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ (جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آواز کو پست کر لیتے ہیں) اور پھر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وفات کے بعد بھی اسی طرح ہے جیسے زندگی میں ہوتی ہے۔

(ترتیب المدارک قاضی عیاض: ۱/۶۸، خلاصہ الوفاء للسمہودی: ۱/۵۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو تیرانداز جماعتوں کے درمیان

حضرات صحابہ برابر تیراندازی کی مشق کیا کرتے تھے، ایک دفعہ کا واقعہ بخاری نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے وہ یہ کہ:

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ اسلم کے لوگوں پر سے گذرے جو آپس میں تیراندازی کی مشق بازار میں کررہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیر اندازی کرو اے بنی اسماعیل! کیونکہ تمھارے باپ (حضرت اسماعیل علیہ السلام) بھی تیرانداز تھے، اور میں فلاں جماعت کے ساتھ ہوں یہ آپ نے دو جماعتوں میں سے ایک سے فرمایا۔ اس پر دوسری جماعت نے اپنے ہاتھ روک لئے (کہ دوسری طرف حضور ہیں اور اس جماعت پر حملہ گویا حضور پر حملہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمھیں کیا ہوا؟ عرض کیا کہ ہم کیسے تیر پھینکیں جبکہ آپ فلاں جماعت کے ساتھ ہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم تیراندازی کرو، میں دونوں جماعتوں کے ساتھ ہوں۔

(بخاری ۱/۴۰۶ باب التحریض علی الرمی، مشکوۃ ۳۳۶)

اطاعت رسول سے انحراف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

ایک منافق اور یہودی کے درمیان ایک زمین کے مسئلہ میں اختلاف و جھگڑا ہوگیا، یہودی کا کہنا تھا کہ یہ زمین میری ہے اور منافق کا دعوی تھا کہ میری ہے، یہودی نے کہا کہ تم مسلمان ہو تو چلو تمہارے نبی کے پاس ہی فیصلہ کرا لیتے ہیں، اب دونوں یہ مسئلہ لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور اپنے مابین اس زمین کے متعلق فیصلہ طلب کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی

گفتگو سننے اور دونوں کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ کیا کہ یہ زمین یہودی کی ہے، اس مسلمان کی نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ منافق کو پسند نہیں آیا۔ وہ یہودی سے کہنے لگا کہ یہ فیصلہ صحیح نہیں ہوا؛ لہذا ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس کا دوبارہ فیصلہ کرائیں گے، اس پر بھی یہودی تیار ہو گیا۔ منافق دراصل یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ کافروں، یہودیوں کے متعلق سخت ہیں، وہ اس یہودی کو برداشت نہیں کریں گے اور معاملہ سنتے ہی میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔

چنانچہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے مسئلے کی تفصیل سنائی اور فیصلہ چاہا، اور یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت! اس کا فیصلہ آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں کر چکے ہیں، مگر پھر بھی یہ مسلمان (منافق) ماننے کو تیار نہیں، اور اس نے دوبارہ آپ سے فیصلہ کرانے کے لئے مجھے یہاں آپ کے پاس لایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا حضور علیہ السلام نے فیصلہ کر دیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ یہیں بیٹھے رہو، میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر حضرت عمر اندر گئے اور تلوار لاکر اس منافق کی گردن اڑادی، اور فرمایا کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے راضی نہ ہو، اس کے حق میں عمر کا فیصلہ یہی ہے اس کے بعد منافقوں نے شور مچایا کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا، حضور کی خدمت میں شکایت لیکر آئے، اسی واقعہ کے متعلق اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾

(پس آپ کے رب کی قسم ہے کہ وہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ مانیں اور آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور بلا چوں وچرا قبول نہ کرلیں)

(تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۲۱)

معلوم ہوا کہ دین کی بعض باتوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا منافقوں کی علامت ہے، اور کامل مومن وہ ہے جو ہر بات میں رسول کی اطاعت کرے۔

ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نماز روزہ و دیگر عبادات میں تو قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں، لیکن جب مسئلہ مال و دولت کا اور اپنے ذاتی یا خاندانی مفادات کا آتا ہے تو وہاں نہ اللہ یاد آتا ہے، نہ رسول کی پرواہ ہوتی ہے، نہ لوگوں ہی سے کوئی شرم وحیاء ہوتی ہے، بلکہ سب سے بالاتر ہو کر وہ اپنے مفاد کے لئے کوشش کرتے ہیں، چاہے اللہ راضی ہو یا نہ ہو، اللہ کا رسول خوش ہو یا ناخوش ہو۔

حضرت زینب کا نکاح اور اطاعت رسول

قرآن میں حضرت زینب بنت جحش وحضرت زید بن حارثہ کا ایک قصہ آیا ہے جو اس سلسلہ میں ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ ایک آیت ہے:

﴿مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (کسی مومن مرد وعورت کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کا فیصلہ آجانے کے بعد اپنا اختیار استعمال کرے)

[الأحزاب: ۳۶]

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کا مسئلہ درپیش تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے علاقہ میں انتہائی خوبصورت مانی جاتی تھیں، خاندان بھی اعلی وارفع یعنی قریش کا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان عرب میں سب سے اونچا خاندان تھا، اسی اثناء میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رشتہ بھیجا، وہ رشتہ کیا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک منھ بولے بیٹے تھے، جن کا نام حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ تھا، یہی وہ زید ہیں جن کا قرآن میں نام آیا ہے ان کے سوا کسی اور صحابی کا نام قرآن میں نہیں ہے، اگر چہ کہ ان سے بڑے بڑے صحابہ ہیں، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی وغیرہ، مگر کسی کا نام قرآن میں نہیں ہے، صرف حضرت زید کا نام قرآن میں آیا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لئے ان کا رشتہ بھیجا اور ان کے بھائیوں کو اس سلسلہ میں متوجہ کیا۔

لیکن ان کے گھر والوں کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا؛ اس لئے کہ حضرت زید ایک تو تھے غلام، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کا کوئی خاص نسب نہیں تھا اور عرب میں نسب کا بہت اعتبار ہوتا تھا اور تیسرے یہ کہ وہ کوئی بہت خوبصورت حسین وجمیل بھی نہیں تھے۔ ان تینوں اعتبار سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے بہت ہی اعلیٰ وارفع تھیں، اس لئے ان کے خاندان والوں کو یہ رشتہ پسند نہ آیا، اور تذبذب میں پڑ گئے کہ مانیں کہ نہ مانیں؟

اس وقت اللہ نے قرآن میں یہ آیت نازل فرمائی کہ کسی بھی معاملہ میں چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی، چاہے وہ تمہاری عبادات سے متعلق ہو یا معاملات سے، دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا کوئی مسئلہ ہو، کسی بھی قسم کا معاملہ ہو، جب اس میں اللہ اور اللہ کے نبی کا کوئی حکم آجائے تو کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ

اپنا بس چلائیں اور اپنی مرضی پر چلیں۔

دیکھئے یہاں شادی کا مسئلہ تھا، پسند ناپسند کا مسئلہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہہ دیا کہ یہ رشتہ ہے، اس کو قبول کرو، دوسری جانب سے کچھ تذبذب کا معاملہ آ گیا تو قرآن میں آیت نازل ہوگئی کہ اللہ کے رسول کی طرف سے ایک بات تجویز ہو اور انکی تجویز کو تم ٹھکرا کر اپنی مرضی پر تم چلنا چاہو تو اس کا مومن کو بالکل اختیار نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا کمال اتباع

حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حج کیا، اور حج کے بعد واپسی میں ہم لوگ ساتھ تھے، آپ اونٹ پر سوار ہوئے اور چلتے رہے اور ہم بھی ساتھ چلتے رہے، درمیان راستے میں ایک جگہ اونٹ والے سے کہا کہ اونٹ کو بٹھا دو، اس نے اونٹ کو بٹھا دیا، آپ اترے اور ذرا دور چلے گئے، پھر ایک جگہ اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی پیشاب کرنے بیٹھتا ہے، اس کے بعد واپس آئے اور فرمایا کہ چلو۔ حضرت ابن سیرین نے کہا کہ حضرت ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ آپ نے پیشاب کیا ہے تو وضو بھی کریں گے اور دو چار رکعتیں پڑھیں گے؟ فرمایا کہ میں نے تو پیشاب نہیں کیا، میرا تو وضو ہے، اس پر لوگوں کو اور تعجب ہوا، تو عرض کیا کہ حضرت! آپ نے تو ابھی ادھر جا کر پیشاب کیا تھا؟ کہا کہ نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ میں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی راستے پر تھا سے گزر رہا تھا، تو آپ کو پیشاب کی ضرورت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ پیشاب فرمایا تھا، جہاں میں جا کر بیٹھا تھا، مجھے اس وقت پیشاب تو نہیں آیا، مگر میں نے سوچا کہ آپ کی اس میں بھی اتباع کروں، لہٰذا مشابہت نبوی کے لئے صرف

وہاں جا کر بیٹھ کر آ گیا۔

(مفتاح الجنۃ للسیوطی: ۳۹۔۴۰)

یہ ہے محبت کا کرشمہ اور اس کو عشق کہتے ہیں کہ اتباع و مشابہت نبوی کامل طور پر ہو، اور ہر ہر چیز میں ہو۔

ایک صحابی کا حیرت انگیز جذبۂ اطاعت

امام ابوداؤد رَحِمَہُ اللہُ نے ایک انصاری صحابی کا عجیب واقعہ بیان کیا ہے جو انکے عشق رسول پر دلیل ہونے کے ساتھ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اصل محبت وعشق وہی ہے، جس میں اطاعت وفرمانبرداری ہو اور مخالفت و نافرمانی نہ ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم باہر تشریف لے گئے تو راستے میں ایک بلند قبہ بنا ہوا دیکھا اور صحابہ کرام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا کہ یہ قبہ فلاں انصاری شخص کا ہے، حضور یہ سن کر خاموش ہو گئے، پھر وہ انصاری صحابی جن کا وہ مکان تھا، خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا اور کئی دفعہ ایسا ہی کیا، اس سے ان صحابی کو آپ کا ناراض ہونا معلوم ہوا، تو صحابہ کرام سے معاملہ پوچھا، صحابہ نے فرمایا کہ حضور نے تمہارا قبہ دیکھا تھا۔ یہ سن کر صحابی نے سمجھا کہ شاید آپ اسی قبہ کے بنانے سے ناراض ہیں اور واپس گئے اور اپنا مکان منہدم کر دیا اور زمین کے برابر کر دیا، پھر کسی وقت اللہ کے نبی اس طرف سے گزرے اور اس قبہ کو نہ پا کر سوال کیا کہ قبہ کیا ہوا؟ تب صحابہ نے پورا واقعہ آپ کو سنایا۔

(ابوداؤد: ۲/۱۱۷، حدیث: ۵۲۳۷)

یہ ہے سچی محبت اور سچا عشق کہ محبوب کی اتباع واطاعت کرنے کی دھن اور فکر لگی رہے اور اس کو ناراض کرنے والی ادنیٰ سی حرکت بھی گوارا نہ کرے، اور جیسے اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی محبت کے لیے آپ کی اطاعت لازم ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے بھی لازم ہے۔

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کی ہجرت

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾ (لوگوں میں بعض وہ ہیں جو اپنے آپ کو بیچ دیتے ہیں اللہ کی رضا تلاش کرتے ہوئے، اور اللہ کی ذات بندوں پر بڑی رحیم کریم ہے)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعض صحابہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، ان میں متعدد صحابہؓ کے نام ذکر کئے گئے ہیں، حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور اس ارادے سے نکلے تو کافروں نے ان کو ایک جگہ پر گھراؤ میں لے لیا، کہنے لگے: صہیب! تم روم کے آدمی ہو، مکہ کے نہیں، تم مکہ میں آئے تھے تو تمہارے جسم پر کپڑا بھی نہیں تھا، جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی، تم مکہ آئے، یہاں آکر تم نے کمایا اور جمع کیا۔ اب اس کو پونجی بنا کر یہاں سے لے جانا چاہتے ہو؟ یہاں کی ایک پائی ہم باہر جانے نہیں دینگے، اگر تم کو جانا ہو تو تم تنہا جاؤ گے، تمہارے ساتھ کوئی چیز نہیں جائیگی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پہلے ان کو دھمکی دی اور کہا: میرے ترکش میں تیر بھرے ہوئے ہیں اور میں بہت بڑا تیر انداز ہوں، تم لوگ مجھے جانتے ہو، اگر تم لوگ میرے قریب آئے تو تیروں کی بوچھار کر دونگا اور اتنے تیر برساؤنگا کہ تم میں سے

کوئی باقی نہیں رہے گا، اس پر وہ لوگ سہم گئے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ بہت بڑے تیرانداز ہیں، لیکن دور ہی کھڑے رہے، جانے کا راستہ نہیں دے رہے تھے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا بہت سا مال میں اپنے ساتھ نہیں لے جارہا ہوں، جو مکہ میں چھوڑ دیا ہے، فلاں فلاں جگہ پر میں نے جمع کر کے رکھ دیا ہے، میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم سب وہ سارا مال لے لو، بس یہ سن کر سارے کافر وہاں سے چلے گئے، اور واقعتاً انہوں نے مال چھوڑا بھی تھا۔ چنانچہ کفار و مشرکین اسے لینے چلے گئے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ پہونچ گئے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(تفسیر قرطبی: ۲۰/۳)

محبت رسول کا تقاضہ - اطاعت

جو بات نبی بیان کردے یا اس پر عمل کرے وہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے بلا چوں و چرا اس کو ماننا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر پیش آیا بڑی عبرت کی چیز ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۶ ھ میں چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو حدیبیہ مقام پر کفار نے آپ کو روک دیا کہ آپ عمرہ کے لیے مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، پھر طرفین سے سفارت جاری ہوئی اور آخر کار چند شرائط پر دس سال کے لیے ایک معاہدہ ہوا اس معاہدہ میں جو شرائط طے ہوئیں بظاہر ایسا لگتا تھا کہ مسلمانوں کو ان میں دبایا گیا ہے، شرائط برابر درجہ کی نہیں ہیں، یہ دیکھکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی پریشانی ہوئی اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ ابو بکر! کیا ہم مسلمان حق پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ پھر دب کر صلح

کیوں کی گئی ؟حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عجیب جواب دیا فرمایا کہ :تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہو؟ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک ، بہ دل وجان مانتا ہوں ، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول مان لیا تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے یہ خدا کے حکم سے ہو رہا ہے پھر چون و چرا کی کیا گنجائش ؟ حضرت عمر، پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی سوالات پیش کئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کیا میں رسول نہیں ہوں؟ جب میں رسول ہوں تو سمجھو کہ خدا کے حکم سے یہ سب ہو رہا ہے۔

(ابن ہشام)

بتانا یہ ہے کہ محبت رسول کا تقاضہ یہ ہے کہ بلا چوں و چرا آپ کی اطاعت کی جائے۔

ایثار و سخاوت میں

اسلاف کی مسابقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات سے زیادہ رمضان میں سخی ہوجاتے تھے، جب جبرئیل آپ سے ملتے تھے، اور جبرئیل رمضان کی ہررات میں آپ سے ملتے تھے، یہاں تک کہ رمضان گذرجاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قرآن سنایا کرتے تھے۔ غرض جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے تو آپ تیز ہوا سے بھی زیادہ نیکی میں سخی ہوجاتے تھے۔

(بخاری:۶۹/۱۷، مسلم:۴۲۶۸، نسائی:۲۰۶۸، احمد:۳۲۵۰، ابن خزیمہ:۱۹۳/۳، ابن حبان:۲۲۵/۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ رمضان میں سخاوت وخیرات بہت زیادہ کرتے تھے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے مثال سخاوت

ایک مرتبہ حضرت علی کے یہاں فاقہ تھا، کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں تھی، آپ نے اس موقعہ پر ایک رات کسی کے باغ کو پانی سینچ کر ڈالنے کی مزدوری کی، اور اس کام پر صبح کو باغ والے نے کچھ ''جو'' دیئے، آپ اس کو لیکر آئے اور گھر میں اس ''جو'' کے تین حصے بنا کر ایک حصہ چکی میں پسوایا اور اس سے خزیرہ نام کا ایک کھانا پکایا گیا، اور کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک مسکین آیا اور دستک دی کہ اللہ کے نام پر کچھ دیدو، آپ نے اور گھر کے افراد نے وہ سارا کھانا فقیر کو دیدیا، پھر باقی آٹے میں سے کچھ نکال کر پکایا اور کھانے بیٹھے تو ایک یتیم آیا کہ اللہ کے نام پر کچھ دیدو، آپ نے یہ کھانا

بھی اللہ کے نام پر اس یتیم کو دیدیا، اور آٹے کے آخری بچے ہوئے حصہ کو لیکر اس کو پکایا، اور کھانے بیٹھے تو ایک قیدی آیا اور سوال کیا، آپ نے یہ بھی اللہ کے نام پر دیدیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا﴾ [الدھر:۸]

(وہ اللہ کی محبت میں مسکین و یتیم و قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)

(اسباب النزول واحدی: ۴۰۷)

بھائیو! یہ اللہ کا کرم ہی ہوتا ہے کہ کوئی سخاوت کا کام کیا کرے، اور یہ کرم حضرات صحابہ پر اللہ کا بے حد تھا، اس لئے وہ حضرات حیرت انگیز قسم کی سخاوت بھی کرتے تھے۔ جس کا ایک نمونہ یہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کی ایک لاکھ اسی ہزار کی سخاوت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو بوریوں میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم بھیجے، حضرت عائشہ نے ایک طباق منگوایا اور یہ ساری رقم لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا جب شام ہوئی تو اپنی باندی سے فرمایا کہ میری افطاری لاؤ، باندی نے ایک روٹی اور زیتون کا تیل پیش کیا، حضرت عائشہ کی ایک خادمہ ام درہ تھیں، انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے جو مال تقسیم کیا اس میں ایک درہم کا گوشت ہمارے لئے نہیں خریدا جا سکتا تھا جس سے ہم لوگ افطار کرتے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اگر تم نے مجھے یاد دلایا ہوتا تو میں خرید لیتی۔

یہ حیرت انگیز قسم کی سخاوت ہے کہ خود تو یاد نہیں رہے، اور ساری دنیا پر لٹا دیا، اور رقم بھی کوئی معمولی نہیں، بلکہ ایک لاکھ اسی ہزار درہم، کیا ٹھکانہ ہے اس سخاوت کا!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سخاوت

ایک واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کتابوں میں لکھا ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس شہر بصرہ کے چند علماء آئے، اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ کے گورنر تھے، انھوں نے کہا کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب رہتے ہیں جو صوام وقوام یعنی دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر نماز پڑھنے والے بڑے عابد وزاہد اور اللہ والے ہیں، ہم میں سے ہر شخص کی خواہش ہے کہ ان جیسے بن جائیں، انھوں نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے ایک غریب بھتیجے سے کردیا ہے، اور وہ اس قابل نہیں کہ اپنی بیٹی کی رخصتی کا انتظام کرسکیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان علماء کو اپنے گھر لے گئے اور ایک صندوق کھولکر اس میں سے درہموں کی چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ، پھر کہنے لگے کہ ٹھیرو، یہ کوئی انصاف کی بات نہیں کہ ہم ایک شخص کی عبادت میں خلل ڈالدیں، لہذا مجھے بھی ساتھ لیتے چلو تا کہ ہم سب اس کی بیٹی کی رخصتی میں اس کی مدد کریں، دنیا اتنی قابل قدر نہیں کہ مومن کی عبادت میں اس سے خلل ڈالا جائے، اور ہم اتنے بڑے نہیں کہ اولیاء اللہ کی خدمت نہ کریں۔

بھائیو! ایک بات یہاں اور جان لیں کہ ایثار سخاوت کا اعلی درجہ ہے، اور ایثار کہتے ہیں خود پر دوسروں کو ترجیح دینا، خود کو بھوک لگی ہے مگر خود نہیں کھاتا دوسروں کو کھلاتا ہے، خود پیاسا ہے مگر دوسروں کو پلاتا ہے۔ حضرات صحابہ کی یہی خصوصیت تھی کہ وہ محض سخی نہیں تھے، بلکہ ایثار کرتے تھے۔ اسی لئے قرآن نے ان کی تعریف میں فرمایا کہ:

﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر: ۹]

(وہ حضرات اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود ان کو تنگی ہو)

یعنی خود کو بھوک و پیاس وغیرہ کی پریشانی ہے، مگر اس کے باوجود وہ حضرات دوسروں کو دیتے ہیں اور خود صبر کر لیتے ہیں۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بے نظیر ایثار

حدیث و تفاسیر کی کتابوں میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے سخت فاقہ لگا ہے۔ آپ نے اپنی عورتوں سے معلوم کیا کہ کوئی چیز تم لوگوں کے پاس ہے؟ لیکن کسی جگہ بھی کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی۔ آپ نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو ہمارے مہمان کی آج رات مہمان نوازی کرے؟ تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، انھوں نے کہا کہ میں ان کی مہمان نوازی کروں گا۔ پھر ان کو اپنے گھر لے گئے، اور اپنی بیوی سے کہا کہ مہمان رسول کی خاطر داری میں کوئی کسر نہ چھوڑنا، ان کی بیوی نے کہا کہ آج ہمارے گھر سوائے بچوں کے کھانے کے کوئی چیز نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو، اور ہم بھی آج اللہ کے نبی کے مہمان کی خاطر بھوکے رہ جائیں گے اور جو کھانا ہے، اس کو لے آؤ، اور جب ہم کھانے بیٹھیں تو کسی بہانے سے چراغ بجھا دو، تا کہ مہمان سمجھیں کہ ہم بھی ان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح مہمان کو سارا کھانا کھلا دیا اور خود وہ اور ان کے بیوی بچے سب بھوکے رہ گئے۔ جب صبح ہوئی اور یہ

حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو آپ نے فرمایا کہ فلاں مرد و فلاں عورت سے اللہ نے تعجب کیا اور ان کے بارے میں آیت نازل کی ہے۔

پھر یہ آیت سنائی: ﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر:۹] (وہ حضرات اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو تنگی ہو)

(الدر المنثور: ۸/۱۰۷، الکشف والبیان للنیسابوری: ۹/۲۶۹)

ایک بکری کی سری، سات گھروں کا چکر

صحابہ کا انوکھا ایثار

﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ کے شان نزول میں بعض مفسرین کرام نے یہ واقعہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک صحابی کو کسی نے بکری کی سری ھدیہ میں بھیجی۔ ان صحابی نے کہا کہ فلاں بھائی صاحب اولاد ہیں، وہ مجھ سے زیادہ اس کے محتاج ہیں؛ لہٰذا ان کو دیدو۔ اس طرح وہ سری ان کے گھر بھیج دی گئی وہ دوسرے صحابی کہنے لگے کہ میرے سے فلاں صاحب محتاج ہیں، لہٰذا ان کو دیدو۔ وہ سری وہاں سے ایک تیسرے صحابی کے پاس پہنچی، اس طرح ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے گھر ہوتی ہوتی سات گھروں کا چکر لگا کر، اور بعض روایات میں ہے کہ نو گھروں کا چکر لگا کر وہ سری پھر پہلے صحابی کے پاس ہی آگئی۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

(الدر المنثور: ۸/۱۰۸، الکشف والبیان للنیسابوری: ۹/۲۶۹)

نزع کی حالت میں پانی کا ایثار

حیرت انگیز واقعہ تاریخ نے محفوظ کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت ابوجہم بن حذیفہ ایک

صحابی ہیں اور انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی تھی، زمانہ جاہلیت بھی دیکھا اور زمانہ اسلام بھی دیکھا تھا، وہ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک میں میرے چچازاد بھائی کو تلاش کرنے نکلا اور ساتھ میں ایک پانی کا مشکیزہ لے لیا تاکہ اگر وہ مل جائیں اور پانی کی ضرورت پڑے تو پریشانی نہ ہو، کہتے ہیں کہ میں نے ان کو ایک جگہ پالیا، وہ نزع کی حالت میں زخمی پڑے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں پانی پلاؤں؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! اتنے میں ان کے قریب ایک اور شخص زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے انھوں نے آہ کی، میرے چچازاد بھائی نے کہا کہ پہلے ان کو پانی پلاؤ، دیکھا تو وہ حضرت عمرو بن العاص کے بھائی ہشام بن العاص تھے، میں ان کے پاس پہنچا اور کہا کہ کیا پانی پلاؤں؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں! اتنے میں ایک اور شخص کے کراہنے کی آواز آئی، تو ہشام کہنے لگے کہ اس کو پہلے پلا دو، حضرت ابوجہم کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس پہنچا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا؛ لہذا میں ہشام کے پاس آیا، دیکھا تو ان کا بھی انتقال ہو گیا ہے، یہ دیکھ کر میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس آیا کہ ان کو پانی پلا دوں، مگر جب ان کے پاس پہنچا تو ان کا بھی وصال ہو چکا تھا۔

(مختصر تاریخ دمشق: ۱۴۲/۸)

یہ تھے حضرات صحابہ جن کے دلوں میں اللہ و رسول کی محبت اس طرح سمائی گئی تھی کہ وہ ہر چیز کو اس کے لئے قربان کر سکتے تھے۔ یہ اللہ و رسول کے عاشقین بھی تھے اور محبوبین بھی تھے۔

ایک اللہ والے غلام کا کتے پر ایثار

صحابہ تو بہ ہر حال صحابہ تھے، ان کے علاوہ بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے بے مثال سخاوت و ایثار کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔ مجھے ایک غلام کا قصہ یاد آیا کہ

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنی ایک زمین کے سلسلہ میں ایک مقام پر گیا، وہاں ایک صاحب کے باغ میں بیٹھا تھا، دیکھا کہ ایک کالا غلام وہاں موجود ہے، اور کھانا کھا رہا ہے، اس کے پاس تین روٹیاں تھیں، اتنے میں ایک کتا آیا، اور اس غلام نے اس کتے کو ایک روٹی ڈالدی، کتا وہ روٹی کھا کر پھر آیا ، اس غلام نے ایک اور روٹی اس کو ڈالدی، کتے نے وہ بھی کھالی اور پھر آ کھڑا ہوا، اس غلام نے آخری روٹی بھی اس کو ڈالدی۔ عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ میں یہ سارا ماجرا ایک طرف بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس غلام سے پوچھا کہ روزانہ تجھے کتنی خوراک ملتی ہے؟ اس نے کہا کہ یہی جو آپ نے دیکھی یعنی تین روٹیاں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تو نے تو ساری روٹیاں کتے کو ڈالدیں، اب تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا کہ میں بس بھوکا رہ جاؤں گا۔ میں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ اصل یہ ہے کہ یہ علاقہ کوئی کتوں کا نہیں ہے، یہ کتا کہیں دور سے بھوکا آیا ہے، میں نے یہ اچھا نہیں سمجھا کہ میں تو کھالوں اور کتا کھڑا دیکھتا رہے۔

اللہ اکبر! یہ حیرت انگیز سخاوت وایثار ہے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ خود بھوکا رہ کر کتے کو سارا کھانا کھلا دیا، آج لوگ اپنے بھائیوں تک کی طرف نظر نہیں کرتے، سگا بھائی پریشان ہے، خود فضول خرچی کرتے ہیں مگر اپنے بھائی کے کھانے پینے اور دوا دارو کا بھی خیال نہیں کرتے۔ ہمارے اسلاف کے یہ واقعات بتاتے ہیں کہ انھوں نے سخاوت کے ذریعہ مال لٹا کر محبت الٰہی کا خزانہ پالیا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک شخص کو اللہ کی محبت اپنا مال خرچ کر کے مل جائے تو اس سے سستا سودا کوئی نہیں۔

خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کا انجام بد

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والے لوگوں کے مال

کو تباہ و ہلاک کر دیا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں باغ والوں کا قصہ نقل کیا گیا ہے۔

جس کا خلاصۂ تفسیر یہ ہے کہ:

ملک یمن میں حبشہ میں ایک شخص کا باغ تھا وہ اس باغ کے پھل کا ایک بڑا حصہ غریبوں مسکینوں میں صرف کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوئی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اس قدر آمدنی مسکینوں کو دیدیتا تھا اگر یہ سب باقی رہے تو کس قدر فراغت ہوگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ قسم کھا کر یہ کہنے لگے کہ کل صبح چل کر باغ کا پھل ضرور توڑ لیں گے۔ انشاء اللہ بھی نہ کہا، اور سو گئے، صبح اٹھ کر ایک دوسرے کو چلنے کے لیے پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو، اگر تم کو پھل توڑنا ہے۔ پھر آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے آئے کہ تم تک کوئی مسکین نہ آنے پائے جب باغ کے پاس پہنچے اور یہ دیکھا کہ باغ تو پورا صاف ہوگیا ہے اور کوئی چیز موجود نہیں ہے اور ایسا لگ رہا ہے جیسے کھیت کو کاٹ لینے کے بعد جلا کر صاف کر دیا جاتا ہے تو کہنے لگے ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ آ گئے ہیں، پھر جب غور کرنے کے بعد یقین ہوا کہ یہی ہمارے باغ کی جگہ ہے ہم بھولے نہیں ہیں تو کہنے لگے کہ " بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ" کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ہے، پھر آپس میں ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے۔

(القلم،: ۱۷-۳۲، تفسیر قرطبی: ۲۴۰/۲۰، روح المعانی: ۲۹/۲۳-۲۴، معارف القرآن: ۵۲۶/۸)

علماء نے تصریح کی ہے کہ ان پر یہ عذاب اسی لیے آیا کہ انہوں نے مساکین کا حق جو اللہ نے فرض کیا ہے وہ ادا نہیں کیا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ سزا اس سبب

سے ہوئی ہے کہ انہوں نے مساکین (کا حق دینے سے) انکار کا ارادہ کیا تھا۔
(قرطبی: ۲۴۰/۲۰)

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اموال کی تباہی اور دوسروں کا ان پر قبضہ کر لینا یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ زکوۃ جیسا اہم فریضہ ہماری کوتاہی وغفلت کی نذر ہو جاتا ہے۔

زکوۃ نہ دینے والوں کا انجام

زکوۃ نہ دینے والے پر عذاب قبر کا ایک عجیب واقعہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ علامہ یوسف فریابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ابوسنان علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لیے گئے، ابوسنان نے فرمایا کہ چلو ہمارے پڑوسی کے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، ان کی تعزیت کر آئیں ۔ کہتے ہیں کہ جب اس پڑوسی کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ بہت رو رہا ہے اور ہماری تعزیت کو بھی قبول نہیں کرتا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ کیا تو جانتا نہیں کہ موت کے بغیر چارہ نہیں؟۔ کہنے لگا: ہاں جانتا ہوں مگر میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرا بھائی صبح وشام عذاب میں مبتلاء ہے۔ کہتے ہیں: ہم نے پوچھا کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا، کیا تجھ کو غیب پر خدا نے اطلاع دی ہے؟ اس نے کہا نہیں لیکن جب میں نے میرے بھائی کو دفن کر دیا اور اس پر مٹی ہموار کر دی، اور لوگ چلے گئے تو میں نے قبر سے اچانک ایک آواز سنی کہ آہ مجھ کو انہوں نے تنہا بٹھا دیا ہے کہ میں عذاب کا اندازہ کروں، میں تو نماز پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا، یہ سن کر مجھ کو بھی رونا آ گیا، میں نے اس کی قبر سے مٹی ہٹائی تو دیکھا کہ قبر آگ کے شعلے بھڑ کا رہی ہے اور میرے بھائی کے گلے میں آگ کا طوق ہے۔ بھائی کی محبت نے مجھے ابھارا، اور میں نے اس کی گردن سے طوق اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو وہ جل گئے۔ محمد

بن یوسف فرماتے ہیں کہ اس نے ہم کو اپنا ہاتھ دکھایا کہ وہ جل کر کالا ہو گیا ہے، پھر اس نے کہا: کہ اب میں اس کے حال پر کیوں غم نہ کروں اور کیسے نہ روؤں؟ محمد فریابی کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا کہ تیرے بھائی کا عمل کیا تھا؟ اس نے کہا وہ اپنے مال کی زکوۃ نہیں دیتا تھا۔

(کتاب الکبائر: ۳۶-۳۷)

زکوٰۃ کی برکت-ایک انگریز کا مشاھدہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے آپ بیتی میں اپنے والد حضرت مولانا یحیی صاحبؒ اور بعض لوگوں کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے جو نہایت ہی حیرت انگیز اور قابل عبرت ہے، وہ یہ کہ ضلع سہارنپور میں ''بہٹ'' سے آگے انگریزوں کی کچھ کوٹھیاں تھیں، اس کے قرب وجوار میں بہت سی کوٹھیاں کاروباری تھیں جن میں ان انگریزوں کے کاروبار ہوتے تھے اور ان کے پاس مسلمان ملازم کام کیا کرتے تھے اور وہ انگریز دہلی، کلکتہ وغیرہ بڑے شہروں میں رہتے تھے، کبھی کبھی معائنہ کے طور پر آکر اپنے کاروبار کو دیکھ جاتے تھے، ایک دفعہ اس جنگل میں آگ لگی اور قریب قریب ساری کوٹھیاں جل گئیں ایک کوٹھی کا ملازم اپنے انگریز آقا کے پاس دہلی بھاگا ہوا گیا اور جا کر واقعہ سنایا کہ ''حضور! سب کی کوٹھیاں جل گئیں اور آپ کی بھی جل گئی'' وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا، نہایت اطمینان سے لکھتا رہا اس نے التفات بھی نہیں کیا۔ ملازم نے دوبارہ زور سے کہا کہ ''حضور! سب جل گیا'' اس نے دوسری دفعہ بھی لا پرواہی سے جواب دے دیا کہ میری کوٹھی نہیں جلی اور بے فکر لکھتا رہا۔ ملازم نے جب تیسری دفعہ کہا تو انگریز نے کہا'' میں

مسلمانوں کے طریقہ پر زکوۃ ادا کرتا ہوں؛ اس لیے میرے مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا'' وہ ملازم تو جواب دہی کے خوف کے مارے بھاگا ہوا گیا تھا کہ صاحب کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کی، وہ انگریز کے اس لا پرواہی سے جواب کو سن کر واپس آ گیا، آ کر دیکھا تو واقع میں سب کوٹھیاں جل چکی تھیں مگر اس انگریز کی کوٹھی باقی تھی۔

(آپ بیتی: ۸۰/۲)

یہ تالا تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا

ایک واقعہ حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحب علیہ الرحمہ نے نہایت حیرت انگیز بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مظاہر علوم سہارنپور کے ابتدائی محسنین میں سے ایک صاحب حافظ فضل حق تھے، ان کا تکیہ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے'' ہر بات میں یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل سے یہ ہوا اللہ کے فضل سے وہ ہوا۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صبح کو یہ عرض کیا کہ حضرت جی! رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔ حضرت بھی یہ فقرہ سن کے ہنس پڑے، اور دریافت کیا کہ حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا کیا غضب ہو گیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ رات میں سو رہا تھا اور مکان میں میں اکیلا ہی تھا، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں، میں نے ان سے بیٹھ کر پوچھا کہ ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں۔ میں نے کہا کہ سنو، میں شہر کے رؤساء میں سے ہوں اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے پاس ہے، اور سارا کا سارا اسی کوٹھے میں ہے، اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسہ کا ہے، تمہارے باپ

دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا، تم تو تین چار ہو دس بارہ کو اور بلالو، اور اس تالے کو ٹھکتے رہو، یہ ٹوٹنے کا نہیں۔ میں نے حضرت جی (حضرت مولانا مظہر صاحب) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکاۃ دیدی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے، میں نے اس مال کی زکوٰۃ جتنی واجب ہے اس سے زیادہ دیدی ہے؛ اس لیے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں، اللہ میاں اپنے آپ حفاظت کریں گے۔ حضرت جی! اللہ کے فضل سے میں تو یہ کہکر سو گیا، میں جب پچھلے پہر کو اُٹھا تو وہ لپٹ رہے تھے، میں نے کہا کہ ارے میں نے تو کہہ دیا تھا کہ دس بارہ کو اور بلالو، تو اللہ کے فضل سے ٹوٹنے کا نہیں۔ حضرت جی! یہ کہکر میں تو اللہ کے فضل سے نماز میں لگ گیا اور جب اذان ہوگئی تو میں ان سے یہ کہہ کر کہ میں تو نماز کو جارہا ہوں، تم اس کو لپٹتے رہو۔

پھر حضرت جی! اللہ کے فضل سے وہ سب بھاگ گئے۔

(آپ بیتی:۲/۷۸-۷۹)

کروڑ پتی فقیر بن گیا

حضرت مسیح اللہ خاں صاحبؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ ایک فقیر بھیک مانگنے ایک مکان پر دستک دیا، اس مکان میں میاں بیوی کھانا کھارہے تھے، بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ فقیر کو کھانے کے لیے کچھ دے دو۔ تو شوہر نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے دینے کی چھوڑو، وہ تو ویسے ہی مانگتے رہتے ہیں۔

بہر حال وہ فقیر چلا گیا، اس کے بعد اس شوہر کے حالات بگڑنے لگے اور وہ مالداری کی سیڑھی سے فقیری کی طرف اترنے لگا، یہاں تک اس کی نوبت آئی کہ وہ اپنے گھر کے سامان بیچ دیا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اب تم کو اپنے پاس رکھنے کی اور نفقہ کی طاقت نہیں رکھتا، اس لئے میں تم کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔

چنانچہ اس نے اس بیوی کو چھوڑ دیا، اس کے بعد اس عورت کی شادی کسی اور گھر میں کردی گئی، وہ دونوں آپس میں ہنسی خوشی زندگی گذارنے لگے۔ کچھ دنوں بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ دونوں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے تو ایک فقیر دروازہ کے پاس آیا اور دستک دینے لگا، تو شوہر نے بیوی سے کہا کہ کچھ دے دو۔ عورت دینے کے لیے گئی تو فقیر کو دیکھتے ہی زاروقطار رونے لگی۔ اس کے شوہر نے پوچھا کیوں کچھ چھیڑ چھاڑ تو نہیں ہوئی؟ وہ کچھ بولی نہیں صرف رو رہی تھی پھر اس نے کہا بات یہ ہے کہ جو مانگنے کے لیے آیا تھا وہ اصل میں میرا پہلا شوہر تھا۔ ایک مرتبہ ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے، ایک فقیر آیا مانگنے کے لیے میں نے اس سے کہا تھا کہ فقیر کو کچھ دے دو؛ لیکن وہ نہیں مانا تو وہ فقیر چلا گیا، جس کی وجہ سے آج اللہ نے خود اسے فقیر بنا دیا ہے۔ اس کے بعد اس دوسرے شوہر نے بیوی سے کہا کہ اس دن جو فقیر تمہارے دروازے پر مانگنے آیا تھا وہ میں ہی تھا اللہ نے مجھے امیر بنا دیا اور اسے میرے دروازے پر فقیر بنا کر بھیج دیا۔ اللہ اکبر!!!

بھائیو! اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے کہ اللہ جسے چاہتے ہیں امیر بناتے ہیں، جسے چاہتے ہیں سیکنڈوں میں فقیر بنا دیتے ہیں، واقعی اللہ بڑی قدرت والے ہیں؛ لہذا مالداروں کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اور زکوۃ و خیرات سے فقیروں کی امداد کرنا چاہیے، اور فقیروں کو ڈانٹنے اور جھڑکنے سے بچنا چاہیے۔

بھیک جتنی، دروازہ بھی اتنا

ایک مرتبہ ایک فقیر بھیک مانگتے مانگتے ایک دروازے سے دوسرے دروازے پر پہنچتا رہا، یہاں تک کہ ایک بہت بڑے دروزاہ کے پاس گیا۔ اور یہ خیال کیا کہ

جب دروازہ اتنا بڑا ہے تو یہ گھر بھی بہت بڑا ہے اور کسی رئیس یا حاکم کا محل ہوگا اور اس لئے یہاں بھیک بھی زیادہ ملے گی۔ یہ سوچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ بہت دیر کے بعد دروازہ کھلا، اور اس کو اس دروازے سے دس پیسے دیے گئے، اس نے وہ دس پیسے لے کر ایک طرف کو رکھ دیا اور کلہاڑی لے کر دروازہ کو اکھاڑنا شروع کر دیا۔ جب اکھاڑنے کی آوازیں آنے لگیں تو گھر والے باہر آئے اور یہ منظر دیکھ کر انھوں نے اس سے پوچھا کہ ارے یہ کیا کر رہا ہے؟ کیوں دروازہ اکھاڑ رہا ہے؟ تو اس فقیر نے بڑا عجیب جواب دیا اور کہا کہ میں یہاں اس قدر بڑا دروازہ دیکھ کر اس لئے آیا تھا کہ دروازے کے برابر بھیک ملے گی، مگر میں نے دیکھا کہ اتنا بڑا دروازہ اور بھیک اتنی کم؟ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ یا تو بھیک جتنی ہے دروازہ بھی اتنا ہی ہو جائے، یا دروازہ جتنا بڑا ہے بھیک بھی اتنی ہی ہو جائے۔ لہذا تم بھیک بڑا دو یا میں دروازہ کو چھوٹا کر دوں گا۔ یہ سن کر گھر والے شرمندہ ہوئے اور انھوں نے بھیک بڑھا دی۔

اس سے ہمیں بڑا سبق مل رہا ہے کہ اگر اللہ تعالی بندوں کی حیثیت دیکھ کر ان کو دیتا تو ان کی حیثیت ہی کیا ہے؛ لہذا بہت کم دیتا۔ لیکن اللہ اپنی رحمت کو دیکھ کر بندوں کو دیتا ہے۔ یہی صفت ہمارے اندر بھی ہونا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کریں۔

شیطانی مکروفریب

شیطان کی حضرت عیسی علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش

شیطان کی عیاری ومکاری بڑی خطرناک ہوتی ہے، وہ کسی کو بھی نہیں چھوڑتا، حتی کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں چھوڑتا۔

ایک دفعہ شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور آکر کہنے لگا: آپ تو وہ ہیں کہ اپنی ربوبیت سے شیرخوارگی میں آپ نے کلام کیا، جبکہ کوئی اور ایسا نہیں کرسکتا۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ ربوبیت والوہیت تو اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے قوت گویائی دی۔

پھر وہ کہنے لگا کہ اے وہ ذات کہ جس نے اپنی الوہیت سے مردوں کو زندہ کیا ہے، اے وہ ذات جس نے اپنی الوہیت سے مختلف پرندوں کو بنا کر زندہ چھوڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے "لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ" میں کہاں کا خدا، میرے اندر کہاں الوہیت؟ الوہیت تو اس اللہ کے اندر ہے جو مجھے بھی زندگی اور موت دیتا ہے۔

(مکائد الشیطان ابن ابی الدنیا:۶۷)

دراصل شیطان ان باتوں سے ان کو بہکانے کے لیے آیا تھا تاکہ ان کے ذہن میں یہ ڈال دے کہ جیسے لوگ سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ الوہیت کے حامل ہیں۔ یعنی خدائی صفات ان کے اندر ہیں، تو خدائی صفات کا حامل بتایا اور ان کے ذہن میں یہ بات ڈالنی چاہی تاکہ نعوذ باللہ حضرت عیسی گمراہ ہوجائیں؛ لیکن اللہ تو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حفاظت کرتا ہے، اور اپنی عصمت سے ان کو نوازتا ہے، اس لیے حضرت عیسی علیہ السلام نے فوراً یہ جواب دیا۔

معلوم ہوا کہ شیطان بڑا مکار ہے، عیار ہے، اور اسی لیے وہ چیزوں کو مزین

کرتا ہے اور باتوں کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ انسان بہک جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا شیطان سے ایک سوال

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام طوفان کے موقعہ پر جب سفینہ میں سوار تھے تو وہاں اچانک ان کو شیطان نظر آیا، انہوں نے کہا کہ تو یہاں بھی پہنچ گیا؟ اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، جب تک کہ تیرا راز نہ معلوم کرلوں۔ اس کو حضرت نوح علیہ السلام نے پکڑ لیا اور فرمایا کہ تیرا راز مجھ کو بتا کہ تو گمراہ جو کرتا ہے وہ کس راستے سے کرتا ہے؟

تو اس نے کہا کہ پانچ باتیں ہیں، لیکن پانچ میں سے میں آپ کو تین بتاتا ہوں، دو نہیں بتاتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ اس مردود سے کہو کہ ہمیں ان تین کی ضرورت نہیں ہے، وہ دو ہی ہم کو بتادے؛ اس لیے کہ اصل تو وہی ہے راز۔ تو حضرت سیدنا نوح علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ان تین حربوں کی ضرورت نہیں ہے، وہ دو بتا جو تو نہیں بتانا چاہتا۔ تو اب مجبور ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ دو باتیں جس سے میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہوں، اور آپ کو بتانا نہیں چاہتا تھا وہ آپ سن لیجئے! ایک حسد اور ایک حرص۔ پھر شیطان کہنے لگا کہ حسد سے میں گرا اور حرص سے حضرت آدم گر گئے۔

اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا اور ان کو علم عطا فرمایا اور ان کی شان وشوکت کو فرشتوں کے سامنے ظاہر فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ تو فرشتے تو سجدے میں گر گئے، ابلیس کو تکبر نے روکا، تکبر کے بعد حسد پیدا ہوا، حسد اس لیے پیدا ہوا کہ ان کی وجہ سے میں اللہ کی نگاہ میں گر گیا ہوں، اب کسی نہ کسی طرح ان کو بھی گرانا ہے، یہ ہے حسد۔ جب کسی کے پاس کوئی کمال دیکھے، جب کسی کے پاس حسن وجمال دیکھے، جب کسی کا عطا ونوال دیکھے،

جب کسی کے اندر بڑائی دیکھے، جب کسی کے اندر علم دیکھے، جب کسی کے اندر مال ودولت کی فراوانی دیکھے، اس وقت دل کے اندر یہ خواہش کا ہونا کہ اس سے ساری چیزیں چھن جائیں، چاہے مجھے ملیں کہ نہ ملیں، اس کے پاس بھی نہ رہیں، یہ ہے حسد کی بیماری، یہ حسد اللہ کی نگاہ میں بہت بری چیز ہے۔

شیطان نے سوچا کہ اللہ نے اُن کو اتنا اونچا بنایا ہے، ان کو بھی گراؤں گا، میں جیسے گر گیا ان کو بھی گراؤں گا، اس کے بعد اس حسد میں مبتلا ہو کر وہ فکر میں رہا کہ کس طرح ان کو میں ذلیل وخوار کرنے میں کامیاب ہو جاؤں؟ یہ ہے حسد جس کی وجہ سے شیطان گمراہ ہوا۔

اور حضرت آدم کو جس درخت سے منع کیا گیا تھا، جا کر اس کو کھا لیا تھا، اس لئے کہ شیطان نے قسم کھا کھا کر ان سے کہا تھا کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس درخت کو کھانے کا بہت بڑا افائدہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ اس کو کھالیں گے تو کبھی نہیں مریں گے، ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بہت اچھا، کھالیں گے تو حرص میں آکر کھا گئے، اس کو شیطان نے کہا کہ حسد نے مجھے تباہ کیا اور حرص کی بیماری نے حضرت آدم علیہ السلام کو گرا کر رکھ دیا۔

حضرت یحییٰ کی شیطان سے ملاقات

امام غزالی نے اپنی کتاب ''مکاشفۃ القلوب'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا کہ وہ کچھ اٹھائے ہوئے ہے آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ شہوات ہیں اور نفسانی خواہشات ہیں جن سے میں لوگوں کو قید کرتا ہوں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا میرے لئے

بھی تیرے پاس کوئی پھندا ہے؟ شیطان نے کہا کہ ایک پھندا ہے وہ یہ کہ ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو اس سے نماز میں سستی ہوگئی تھی یہ سن کر یحیی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آئندہ کبھی بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔

(مکاشفۃ القلوب امام غزالیؒ: ۶۰)

مال و دولت شیطان کا حربہ

ایک دفعہ ایک آدمی نے دیکھا کہ ایک جگہ درخت ہے اور لوگ اس درخت کی پوجا کررہے ہیں، تو اس آدمی کے دل کے اندر ایک عزم، ایک حوصلہ پیدا ہوا کہ اس درخت کو اکھاڑ دینا چاہیے؛ اس لیے کہ یہ درخت لوگوں کو، اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف آنے سے مانع بن رہا ہے اور اس کے بجائے شرک و گمراہی اور کفر میں پھنسنے کا ذریعہ بن رہا ہے۔

چنانچہ وہ شخص کچھ ہتھیار لے کر گیا اور درخت کو اکھاڑنا شروع کیا، شیطان آیا اور کہنے لگا کہ کیا کررہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں اس درخت کو اکھاڑنا چاہتا ہوں؛ اس لیے کہ اس درخت کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندے کفر میں پھنس رہے ہیں، اور شرک کا ارتکاب کررہے ہیں۔ شیطان نے کہا کہ نہیں نہیں، تم ایسا مت کرو، اس کو یہاں کے لوگوں نے اب تک پالا اور بڑھایا ہے، اور اس کے پیچھے ہم نے محنت کی ہے۔ مگر اس شخص نے کہا کہ نہیں نہیں، میں تو اللہ کے لیے آیا ہوں اور یہ کام میں کرکے رہوں گا۔ اس نے اپنا پورا عزم بتایا، پورا حوصلہ بتایا۔ جب شیطان نے اس کا یہ عزم دیکھا تو اس کی ہمت اور طاقت کے مقابلہ میں شیطان مجبور ہوگیا؛ اس لیے کہ اخلاص کے ساتھ جب عمل ہوتا ہے تو اس کے اندر بڑی قوت ہوتی ہے اور

شیطان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو شیطان عاجز آ گیا۔ پھر سوچنے لگا کہ کس طرح اس کو اس نیکی سے روکوں؟ اس کی سمجھ میں ایک بات آ گئی، شیطان نے اس سے عاجزی سے کہا کہ میری ایک درخواست ہے اس کو سن لیں۔

اس نے کہا کیا درخواست ہے؟ شیطان نے کہا کہ درخواست یہ ہے کہ تم اس کام کو چھوڑ دو تو میں روزانہ تمہیں دو درہم دے دیا کروں گا، دو درہم روزانہ بغیر کسی محنت مزدوری گھر بیٹھے مل جائیں گے۔

یہ سنا تو دل میں دنیا کی لالچ آ گئی، اس نے کہا کہ اچھا دو درہم مجھے روزانہ ملیں گے، کون اسکا ذمہ دار ہوگا؟ شیطان نے کہا میں ذمہ دار ہوں، میں تجھے پیش کروں گا اور پیش بھی اس طرح کروں گا کہ روزانہ فجر کی نماز پڑھ کر مصلے سے اٹھیں گے تو تمہارے مصلے کے نیچے مل جائیں گے۔

اس نے کہا ٹھیک ہے دیکھتے ہیں، اب جو عزم لے کر آیا تھا، مال پیسے کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا، اور واپس اپنے گھر چلا گیا، رات سو کر صبح اٹھا، فجر کی نماز پڑھی اور اس کے دل و دماغ میں وہی دو درہم تھے، مصلے کے پاس گیا اور دیکھا تو واقعی مصلے کے پاس دو درہم اس کو مل گئے، اٹھایا اور جیب میں ڈال لیا، اور اس کے بعد دن بھر اپنے کام میں مصروف رہا، پھر دوسرا دن ہوا، اسی طرح فجر کے بعد مصلے کے پاس دو درہم مل گئے۔

اب روزانہ یہی تماشا ہوتا ہے کہ فجر پڑھ کے وہاں جاتا ہے دو درہم مل جاتے ہیں، مہینہ دو مہینہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا، اس کے بعد شیطان نے درہم دینا بند کر دیا۔ اب جب دو درہم نہیں ملے تو یہ شخص پھر اپنے ہتھیار وغیرہ لے کر وہاں پہنچا کہ درخت کو اکھاڑ دوں گا، شیطان بھی وہاں موجود تھا، جب اس نے وہ درخت

اکھاڑنا چاہا تو شیطان نے کہا: کیا کررہے ہو؟ کہا: درخت اکھاڑوں گا، اس لئے کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ دو دو درہم دیا کروں گا، کئی دنوں سے تم نے دیا نہیں، اب میں پھر وہی کام کروں گا جو پہلے کرنے آیا تھا۔ شیطان نے کہا کہ کرلے جو کرنا ہے؛ لیکن تجھے اس پر کوئی قدرت نہ ہوگی۔ اس نے کہا کہ کیوں؟ کہا کہ تو پہلے آیا تھا اللہ کے لیے، اب آیا ہے پیسے کے لیے، وہاں اخلاص موجود تھا اور یہاں اخلاص موجود نہیں ہے، اب تو اس میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد وہ آدمی اپنا منھ لیکر رہ گیا۔

بھائیو! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کس طرح اپنے پھندے میں پھانسنے کے لیے لوگوں کو مال سے، پیسے سے، اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

جاہل پر شیطان کا داؤ

ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں، امام ابن عبد البر مالکی، انہوں نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ شیطان کے چیلوں نے شیطان سے کہا کہ جب کسی عالم کا انتقال ہوتا ہے تو آپ بہت خوش ہوتے ہیں، کسی عابد و زاہد کی موت پر اتنا خوش نہیں ہوتے۔ کیا بات ہے؟

شیطان نے کہا کہ آؤ میں تم کو اس کی وجہ بتاتا ہوں۔ اس کے بعد شیطان اپنے چیلوں کو لیکر ایک عابد کے پاس گیا جو جاہل تھا، اور سلام کیا، خیر خیریت پوچھی، شیطان نے اس سے کہا کہ آپ بڑے اچھے آدمی لگتے ہیں، میرے دل میں ایک وسوسہ ہے، خیال ہے، سوال ہے، میں اس کے بارے میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ عابد نے کہا کہ پوچھئے، اگر مجھے معلوم ہوگا تو جواب دے دوں گا، اگر معلوم نہیں تو آپ کسی اور سے پوچھ لیجئے۔

شیطان نے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال پیدا ہو رہا ہے، وہ یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ ایک انڈے میں زمین کو، آسمان کو، چاند کو، سورج کو، پوری کائنات کو داخل کر دے؟ اس حالت میں کہ انڈا جتنا ہے اتنا ہی رہے، اس میں اضافہ نہ ہو اور یہ زمین و آسمان جتنی بڑی ہیں، اس میں کوئی کمی نہ ہو۔ یہ ذہن میں ایک سوال آرہا ہے، اس کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

بھائیو! ذرا اندازہ کیجئے سوال کا، وسوسے کا کہ کس قدر خطرناک ہے۔ اب وہ عابد تو جاہل و بے وقوف تھا ہی، صرف نماز روزے کی باتیں تو جانتا تھا، باقی اتنا بڑا علم تو تھا نہیں، تو اس نے کچھ دیر سوچا، اس کے بعد کہنے لگا کہ انڈا اتنا ہی رہے اور زمین بھی اتنی ہی رہے اور آسمان بھی اتنا رہے پھر انڈے میں یہ سب داخل ہو جائیں؟ کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی شک کے لہجے میں، تعجب کے انداز میں اس نے یہ سوال دہرایا، پھر کہنے لگا کہ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

شیطان کے چیلے وہیں موجود تھے، شیطان نے ان سے کہا کہ میں نے اس کے دل میں شک کا بیج داخل کر دیا ہے جو اسے کفر تک پہنچا دیگا۔ دیکھا کہ میں نے ایک منٹ میں اس عابد و زاہد کو کافر بنا دیا، یا کفر کی دہلیز پر بٹھا دیا۔ اس طرح کے لوگ زندہ رہیں یا مر جائیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس کے بعد شیطان ایک عالم سے ملا، اس سے بھی یہی سوال کیا، اور کہا کہ جناب آپ عالم ہیں، فاضل ہیں، میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہو گیا ہے، اس کا جواب دریافت کرنے آیا ہوں؟ انھوں نے کہا کہ کیا سوال؟ کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک انڈے میں زمین و آسمان کو ڈال دیں؟ تو ان عالم نے کہا کہ اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ انڈا اپنی حالت پر اسی طرح ہو، زمین اور آسمان بھی اسی طرح ہوں، پھر اللہ تعالیٰ انڈے میں ان کو داخل کر دیں؟ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں

ہے، اللہ کی ذات تو وہ ہے کہ جب ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو ''کُنْ '' فرماتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔﴿وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (اور جب وہ (اللہ) کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے ''کن'' (ہوجا) کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے)اس لئے مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے، اس میں کوئی بات شک وشبہ کی نہیں۔ شیطان نے اپنے چیلوں کو دیکھ کر کہا کہ دیکھو اس کا علم ایسا ہے کہ یہ ہمارے داؤ میں نہیں پھنس سکتا، اور اس کو بہکانا ہمارے لئے آسان نہیں، اس لئے ان لوگوں کے زندہ رہنے سے مجھے پریشانی ہوتی ہے اور یہ لوگ مرتے ہیں تو میں جشن مناتا ہوں، اور عابد کا حال ایسا کہ اسے جب چاہیں ہم ادھر سے ادھر کر سکتے ہیں، اور اس کی جہالت کی وجہ سے جب چاہے اس کو صرف معصیت میں نہیں، کفر میں بھی مبتلا کر سکتے ہیں۔

(جامع بیان العلم)

اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ جب آدمی کے اندر جہالت ہوتی ہے، علمِ شرع سے ناواقف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال سے ناواقف ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں انسان کس طرح کفر کے دلدل میں پھنس جاتا ہے؟ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ جہالت سب سے بڑی بیماری ہے۔

نماز معاف ہوگئی! ایک جاہل پر شیطان کا مکر

حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک جگہ بیان کیا ہے کہ ان کے گاؤں میں ایک آدمی تھا، بڑا عابد تھا، لیکن علمِ دین سے واقف نہیں تھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہاں کے کچھ لڑکوں نے اس کا مذاق بنانا چاہا اور سوچا کہ اس آدمی کی بے وقوفی ظاہر کی جائے،

ایک دن وہ اپنے گھر میں سو رہا تھا، رات کا وقت تھا تو محلے کے دو چار لڑکے اس کی چھت پر چڑھ گئے اور بناوٹی آواز میں اس کا نام لے کر ایک خاص لب ولہجہ میں اس کو پکارا۔ وہ چونکا، اور پوچھنے لگا کہ کون ہے؟ ایک لڑکے نے آواز بنائی اور کہا کہ میں تمہارا خدا بول رہا ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ جاہل اٹھ کر بیٹھ گیا، اس کے بعد کہنے لگا کہ اے باری تعالیٰ! کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو اس نے کہا کہ تیری عبادت مجھے بہت پسند آگئی، اس لیے آج سے ہم نے تیرے سے نماز معاف کر دی ہے۔ یہ کہہ کر وہ لڑکے تو غائب ہو گئے۔

اب یہ جاہل عابد سمجھا کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی آواز ہے، اس لئے اس کو یقین آگیا کہ نماز معاف ہو گئی۔ اب اس کے بعد جو تہجد تھی وہ بھی ختم، فرائض تھے وہ بھی ختم، نماز کے لئے مسجد کو آنا بند کر دیا۔ اس طرح دو چار دن ہو گئے اور وہ نماز کو نہیں آیا تو محلے کے لوگوں نے سوچا کہ بیمار تو نہیں ہو گیا؟ چلو جا کر دریافت کریں، کچھ لوگ وفد کی شکل میں اس کے گھر پہنچے، خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہ طبیعت تو اچھی ہے؟ کہا کہ ہاں الحمد للہ! بہت اچھا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ پھر نماز کو کیوں نہیں آرہے ہو؟ بہت دن ہو گئے آپ نماز کو نہیں آئے، کیا بات ہے؟ تو کہنے لگا کہ آپ کو خبر ہوئی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سے خوش ہو کر میرے سے نماز معاف کر دی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

دیکھئے شیطان جاہل لوگوں کو کس طرح بہکانے لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان جہالت سے لوگوں کے اوپر تسلط قائم کر لیتا ہے۔

علم نے نہیں، اللہ نے مجھے بچایا ہے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں بہت بڑے

عالم تھے، محدث بھی تھے، بہت بڑے صوفی اور بزرگ بھی تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان کے سامنے ایک ابر چھا گیا اور اس میں سے چمک ظاہر ہوئی، انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے اندر سے ایک آواز آنے لگی، آواز کی طرف متوجہ ہوئے تو اس آواز میں ان سے کہا گیا کہ آپ کی عبادت آپ کا زہد، ریاضت، آپ کے مجاہدات سے ہم بہت خوش ہو گئے، اس لیے آپ سے نماز معاف کر دی جاتی ہے۔

انہوں نے یہ سنتے ہی سوچا کہ نماز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف نہیں ہوئی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و ریاضت کا جو حال تھا وہ سب کو معلوم ہے تو میرے سے کیسے معاف ہو سکتی ہے؟ ۔ لہذا یہ دراصل شیطان کی آواز ہے، پھر " لاحول ولا قوة إلا باللّٰه " پڑھا۔ یہ پڑھنا تھا کہ وہ ابر جو نظر آ رہا تھا اور اس کے اندر سے چمک ظاہر ہو رہی تھی وہ دُھویں کی شکل میں تبدیل ہو کر غائب ہو گئے، حضرت سمجھ گئے کہ دراصل شیطان کی آواز تھی، پھر کچھ دیر بعد اسی طرح ہوا اور اس کے اندر سے کہا گیا کہ آپ کو آپ کے علم نے بچا لیا۔ حضرت نے فوراً اس کے جواب میں فرمایا کہ میرے علم نے نہیں، میرے خدا نے مجھے بچا لیا۔

دیکھا آپ نے کہ علم انسان کی رہنمائی کرتا ہے، لیکن بچانے والی ذات تو اللہ ہی کی ہوتی ہے، اگر خدا بچانا نہ چاہے تو وہ عالموں کو بھی گمراہ کر دے، جیسے بہت سے ہو جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اور واقعہ بھی پیش آیا، کہ آپ ایک مرتبہ بڑی شدت سے پیاس محسوس کر رہے تھے، حضرت رحمہ اللہ نے جنگلات میں کئی سالوں تک زندگی گزاری ہے، ریاضت کے لیے، مجاہدات کے

لیے، تو اس زمانہ میں پانی ایک دفعہ نہیں ملا، بڑی شدت کی پیاس لگ رہی تھی، دور دور تک پانی کا نام ونشان نہیں تھا۔ اسی وقت ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اس ہاتھ میں ایک گلاس تھا جو سونے یا چاندی کا تھا اور اس کے اندر پانی بھی تھا اور آواز آرہی تھی کہ آپ کے لیے یہ جنت سے بھیجا جارہا ہے، آپ اس کو لیجئے استعمال کیجئے۔ حضرت نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان کی مکاری ہے، لہذا "**لاحول ولا قوّة الا باللّٰه**" پڑھا، حضرت کو یہ بات کیسے سمجھ میں آئی کہ یہ شیطان کی مکاری وعیاری ہے؟ یہ بات سمجھ میں آئی شریعت کے علم سے، کیونکہ یہ سونے اور چاندی کا گلاس تھا اور سونے اور چاندی کا استعمال اللہ کے نبی علیہ السلام کی شریعت میں ممنوع ہے، حرام ہے، ناجائز ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے جنت سے وہ چیز دی جائے جو خود شریعت کے اندر حرام ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

شیطان نے بہکانے کی کوشش کی، لیکن حضرت سمجھ گئے، لاحول ولاقوۃ پڑھا تو شیطان کہنے لگا آپ کے علم نے آپ کو بچا لیا۔ حضرت نے فرمایا کہ علم نے نہیں بلکہ میرے خدا نے مجھ کو بچا لیا۔ تو اس طرح علم رہنمائی کرتا ہے جس کی وجہ سے شیطان کے مکر کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے شیطان کا عجیب سوال

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا نام کون نہیں جانتا! آپ کا واقعہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی نے ایک مرتبہ دل میں خیال کیا کہ اگر شیطان سے ملاقات ہوجائے تو ایک سوال کروں گا، اور انہوں نے ایک دن اللہ سے دعاء بھی کردی کہ اے اللہ! کبھی شیطان سے ملاقات کرادے تاکہ اس سے سوال کرلوں۔ ایک دن نماز پڑھ کر مسجد کے باہر نکلے تو ایک بوڑھا آدمی جھک کر سلام کرنے لگا۔ حضرت جنیدؒ

نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کون ہو تم؟ کہنے لگا کہ میں وہی ہوں جس سے ملنے کی آپ کو آرزو اور تمنا تھی۔

حضرت سمجھ گئے کہ یہ اصل میں شیطان ہے۔شیطان نے کہا کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟ حضرت جنیدؒ نے کہا کہ میرے ذہن میں تیرے متعلق ایک سوال ہے،سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے تجھے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تجھے کس چیز نے اللہ کے حکم کی تعمیل سے منع کیا؟ کیوں تو نے سجدہ نہیں کیا،کیا اللہ کی عظمت کو نہیں جانتا تھا؟ ارے تجھے اللہ کی معرفت حاصل تھی،اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور جلالتوں سے تو واقف تھا،اس قدر اللہ کی قربت رکھنے کے باوجود جب اللہ نے تجھے حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کر۔تو تو نے آخر کیوں سجدہ نہیں کیا؟

اس پر شیطان کا جواب کیا تھا،وہ سننے کے قابل ہے،اس کے جواب نے کچھ دیر کے لئے حضرت جنید کے ہوش اُڑا دیے۔اس نے کہا کہ جنید! آپ جیسا توحید پرست آدمی اور یہ مشرکانہ سوال؟ آپ جیسا توحید پرست ایک اللہ کو ماننے والا،ایک اللہ کی پوجا کرنے والا اور آپ کے ذہن میں سوال آرہا ہے مشرکانہ سوال کہ میں نے غیر اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ کہنے لگا کہ آدم تو غیر خدا تھے،خدا تو نہیں تھے،میں غیر اللہ کو کیوں سجدہ کر لیتا۔آپ جیسا توحید پرست آدمی ایسا مشرکانہ سوال میرے سے کر رہا ہے،بڑے افسوس کی بات ہے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ بات میرے سے کہی تو مجھے لگا کہ ہاں! یہ تو ٹھیک کہہ رہا ہے،اور پھر تھوڑی دیر کے لیے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا ایمان سلب ہو رہا ہے،اس لیے میں سناٹے میں پڑ گیا،ہوش وحواس باقی نہ رہے،میں سوچنے لگا کہ اس کو کیا جواب دے سکتا ہوں۔اس لیے کہ جب وہ کہہ

رہا ہے کہ تم ایک اللہ کو ماننے والے ہو اور مجھے پوچھتے ہو کہ آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت جنید کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں جواب نہیں آیا۔ فوراً اللہ کی طرف سے الہام ہوا اور مجھ سے کہا گیا کہ اس سے یہ پوچھو کہ حکم دینے والا کون تھا؟ حکم دینے والا جب خود کہہ رہا ہے کہ فلاں چیز کو سجدہ کرو تو توحید اسی کا نام ہے کہ اس کی بات کو مان لیا جائے۔ حضرت جنید کہتے ہیں کہ اس الہام کے بعد میرا ایمان برقرار ہوا ورنہ تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے ایمان میں تزلزل پیدا ہو گیا ہے۔

بھائیو! یہ ہے شیطان کی مکاری اور عیاری، نہ ولیوں کو چھوڑا، نہ غوث وقطب وابدال کو چھوڑا، نہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو چھوڑا۔ غور کرو کہ شیطان باتوں کو اور چیزوں کو کس طرح مزین کرتا ہے اور گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کا ذرا اندازہ اس واقعہ سے آپ کر لیجئے، اس لیے کبھی بھی شیطان سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے، شیطان کی عیاری اور مکاری سے بسا اوقات انسان بے ایمان بھی ہو جاتا ہے، لیکن اسے خبر نہیں رہتی کہ میں بے ایمان ہو گیا ہوں۔ شیطان کفر کو مزین کر دیتا ہے۔

آئینۂ تصوف وسلوک

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہا را
تیرے عاشقوں میں مرنا تیرے عاشقوں میں جینا
مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یا رب
تیر ے عاشقوں سے سیکھا تیرے سنگ در پہ مرنا
کسی اہل دل کی صحبت جو ملی کسی کو اختر
اسے آگیا ہے جینا اسے آگیا ہے مرنا۔

(حکیم اختر صاحب)

مولانا روم کی کایا کب پلٹی؟

پیر شمس تبریزیؒ جو حضرت مولانا جلال الدین رومی کے شیخ تھے، اپنے زمانے کے بہت بڑے اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے، ان کی ایک کرامت یہ لکھی ہے کہ کبھی مچھلی پکڑتے اور سورج کے قریب اپنا ہاتھ لے جاتے، اور وہ مچھلی سورج کی تپش سے بھنی جاتی اور اس کو کھالیا کرتے، اتنے بڑے صاحب کرامت بزرگ؛ لیکن ان کی پوری زندگی اس طرح گذری کہ وہ تو اللہ اللہ کرتے رہتے اور لوگ جوان کو بزرگ مانتے تھے، وہ اس لئے ان کے پاس آتے تھے کہ حضرت! ہمارے لئے دعا کر دیجئے، فلاں مقدمہ چل رہا ہے، تجارت ٹھپ ہوگئی ہے وغیرہ وغیرہ، یعنی صرف دنیا کے لئے آتے، حتی کہ حضرت کی عمر کا آخری زمانہ آگیا۔

ایک دن بیٹھ کر آہ کرنے لگے اور کہنے لگے، اے اللہ! میرے سینے میں تیرے عشق کی جو آگ بھڑک رہی ہے، کوئی بندہ اسے لینے آج تک میرے پاس آیا نہیں، ایک عجیب جذبہ کے ساتھ تڑپ کر کہا اور کہا: اے اللہ میرے دنیا سے جانے کا وقت شاید قریب آرہا ہے، اس سے قبل کہ میں دنیا سے جاؤں، کسی ایک کو تو میں تیری یہ محبت دے کر جاؤں، اس کا کوئی انتظام فرما، اللہ نے دعا قبول کی۔

اس کے بعد وہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ کے کنارے ٹہلتے ہوئے جارہے تھے، اللہ کے ذکر میں زبان لبریز تھی، چلتے چلتے جب دوسرے کنارے پر پہنچے تو دیکھا کہ مولانا روم ٹہلنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ادھر انھوں نے ان کو دیکھا اور ادھر انکو انھوں نے دیکھا، دل دل میں یہ کہا کہ اگر یہ بندہ مجھے مل جائے تو اس بندہ کے دل میں اللہ کی محبت کی آگ منتقل کر دوں، اللہ نے فوراً دعا قبول کی، وہیں سے مولانا روم

کے دل میں یہ بات آ گئی کہ ایک اللہ کا ولی یہاں آیا ہوا ہے، اس کی خدمت میں جا کر کچھ فیض حاصل کرنا چاہئے، انھوں نے دوسرے کنارے سے اس کنارے آ کر حضرت پیر شمس تبریزیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور مولانا روم کی طبیعت اسی وقت بدلنی شروع ہوگئی۔

مولانا روم اس زمانے کے بہت بڑے عالم تھے، اور وہ اس زمانے کے بادشاہ کے نواسے تھے، مولانا روم خوارزم مملکت کے بادشاہ کے نواسے ہوتے ہیں، جب وہ باہر نکلتے تھے، تو ان کے ساتھ ایک لشکر ہوتا تھا، بڑی شان وشوکت کے ساتھ سوار ہوکر نکلتے تھے، بڑے بڑے علماء ان کی رکاب پکڑ کر چلتے تھے، اور اس زمانے میں انھوں نے اپنے علم کا لوہا منوالیا، ہزاروں مناظرے ومباحثے کیئے، بڑی بڑی تقریریں کی، علم کی دنیا میں ان کا نام ایک روشن ستارہ کے مانند مانا جاتا تھا۔

لیکن مولانا روم کہتے ہیں، جب تک شمس تبریزی کے ہاتھ پر میں نے بیعت نہیں کی اور جب تک ان کی جوتیاں سیدھی نہیں کی، مجھے علم کا چسکہ بھی نہیں معلوم ہوا، آج مجھے معلوم ہوا کہ علم کیا ہوتا ہے؟ اللہ کے عشق اور اس کی معرفت کے بغیر سب کچھ یوں ہی بیکار ضائع ہوتا ہے، نماز روزہ ودیگر عبادات میں وہ لذت نہیں ملتی، جو ان چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

مولانا روم نے مثنوی شریف لکھی، ان کی کوئی کتاب مثنوی کے علاوہ دنیا میں مشہور نہیں ہے، حالانکہ ان کی اور بہت ساری کتابیں ہیں مگر اللہ نے مثنوی کو جو مقام دیا وہ کسی اور کتاب کو نہیں دیا، حتی کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یوں سمجھو کہ یہ مثنوی در حقیقت فارسی کا قرآن ہے، قرآن کے تمام علوم واسرار، معارف ودقائق کو اس کے اندر کھول کھول کر بیان کردیا ہے، اتنا عظیم علم جو ان کو اللہ نے دیا، یہ دراصل شمس

تبریزی کی برکت تھی۔

حضرت گنگوہی حاجی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں

بیعت ہونے سے بزرگوں کے سلسلہ کی برکات بھی نصیب ہوتی ہیں، اور انسان کے لئے مجاہدہ وعمل آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے اور ان کو خلافت صرف چالیس دن میں ملی، صرف چالیس دن میں وہ منزلیں طے کرتے کرتے نسبت مع اللہ کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے، ان کا قصہ عجیب ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ تھانہ بھون کی خانقاہ میں رہتے تھے، رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جوان آدمی تھے، جوانی کا بڑا جوش وجذبہ تھا، تھانہ بھون میں ایک بہت بڑے عالم شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے، کسی مسئلہ میں ان بزرگ سے مولانا کو اختلاف تھا، تو ان سے مناظرہ کرنے کی نیت سے وہ تھانہ بھون گئے، راستے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خانقاہ نظر آئی، تو سوچنے لگے کہ حاجی صاحب یہاں رہتے ہیں، بزرگ آدمی ہیں، ملاقات کر لینا چاہئے، تو ملاقات کرنے چلے گئے، حاجی صاحب نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ گنگوہ سے آیا ہوں، پوچھا کیوں آئے؟ کہا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب سے فلاں مسئلہ میں مناظرہ ومباحثہ کرنے کیلئے آیا ہوں۔

حاجی صاحب نے کہا کہ بھائی! وہ تو تمہارے سے بڑے عالم ہیں، مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ تم ان سے مناظرہ کرو؛ لہذا یہ خیال ترک کردو۔ حضرت حاجی صاحب کی بات ان کے دل میں آ گئی تو کہا کہ ٹھیک ہے، جب ایک بزرگ کہہ رہے ہیں تو مان لیتا ہوں، کہ ان سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ پھر وہیں خانقاہ میں رات میں ٹھیر گئے۔ جب صبح سحری کا وقت ہوا تو دیکھا کہ حاجی صاحب کے مریدین اور بہت

سارے ذاکرین، شاغلین، طالبین موجود ہیں اور ذکر و دعاء، نماز و تلاوت وغیرہ عبادات میں مشغول ہیں، اور ایک عجیب کیفیت وسماں نظر آنے لگا، جب یہ دیکھا تو دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے بھی بیعت ہوجانا چاہیئے، پھر حاجی صاحب سے بیعت کی درخواست کی کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرت نے کہا کہ بہت اچھا اور بیعت کرانے تیار ہوگئے۔ اس لئے کہ حاجی صاحب سے جو بھی بیعت کی درخواست کرتا تو اسے فوراً قبول کر لیتے تھے۔

کسی کے پوچھنے پر کہ حضرت! آپ ہر ایک کو فوراً کیوں بیعت کر لیتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! اس لئے کر لیتا ہوں کہ معلوم نہیں کون سا اللہ کا بندہ نیک اور مقبول ہوگا، اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیگا تو میری مغفرت ہوجائے گی۔ اللہ اکبر! کیا عاجزی، کیا سادگی ہے۔

الغرض حاجی صاحب نے بیعت کی، اب بیعت کے وقت بزرگوں کا معمول ہے کہ وہ کچھ معمولات بتاتے ہیں، حاجی صاحب بتانے جارہے تھے کہ مولانا رشید احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! میری ایک درخواست ہے، وہ یہ کہ مجھے صبح تہجد کے لئے اٹھا نہیں جاتا، اس لئے وہ ایک کام چھوڑ کر دوسرا جو چاہے حکم کیجئے۔ حضرت نے کہا ٹھیک ہے جو تم کر سکتے ہو کر لینا؛ لیکن میں نے تمہاری ایک شرط مان لی، تم بھی میری ایک شرط مان لو، وہ یہ کہ میرے پاس چالیس دن قیام کرو۔ مولانا رشید احمد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اب چالیس دن کی نیت کر کے خانقاہ میں رہ گئے، جب دوسرے دن صبح ہوئی تو سالکین ذکر وفکر میں اور رونے دھونے میں مشغول ہیں، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی دعاء میں ہے کوئی تلاوت کر رہا ہے۔ اب ان کو نیند کہاں آئیگی؟ دو چار منٹ بستر پر پڑے کروٹیں

بدلتے رہے، پھر ان کو بھی شرم آنے لگی کہ سب تو ذکر وعبادت میں ہوں اور تو پڑا رہے! تو خود ہی اٹھکر تہجد پڑھنے لگے اور ذکر میں مشغول ہو گئے، اب روز ایسا ہی ہونے لگا، اور دو چار دن بعد خود ہی طبیعت کے اندر داعیہ پیدا ہونے لگا کہ صبح اٹھو اور عبادت کا چسکہ پاؤ۔ لہذا سب سے پہلے اٹھنا شروع کر دیا، حالانکہ بیعت کے وقت تو یہ شرط لگائی تھی کہ صبح کو نہیں اٹھونگا؛ لیکن صحبت اولیاء کی برکت سے سب سے پہلے اٹھنا شروع کر دیا، پہلے تو جبراً اٹھتے تھے، لیکن پھر قصداً اٹھنا شروع کر دیا، جب اسی طرح چالیس دن گزر گئے تو حاجی صاحب نے خلافت عطا کر دی۔

جب تھانہ بھون سے رخصت ہوئے اور اپنے وطن گنگوہ پہنچ گئے تو کئی مہینے ہو گئے، اور حاجی صاحب کو ان کے حالات کا کچھ پتہ ہی نہ چلا، نہ خیر نہ خیریت، نہ حال واحوال، تو حاجی صاحب نے مولانا کے نام ایک خط بھیجا، اس میں لکھا کہ تمہاری کوئی خبر نہیں معلوم ہوئی، بندہ کو تشویش ہوئی، اس لئے اپنے حالات سے مطلع کیجئے۔ یہ خط پہونچا تو اس کو پڑھا اور جواب لکھا کہ حضرت! میں نے اپنے حالات اس لئے نہیں لکھے کہ بندہ کا کوئی حال ہے ہی نہیں تو کیا لکھوں؟ اس کے بعد لکھا کہ بس اتنا میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں کہ کسی کی کوئی مدح وذم کا کوئی اثر بندہ پر نہیں ہوتا، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں آئی ہوئی تعلیمات میں کسی جگہ کسی قسم کا شک نہیں ہوتا۔

بھائیو! بیعت کی برکت اور اہمیت وضرورت کا اندازہ کرو کہ بزرگوں کی نظر انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔

مرید کسے کہتے ہیں؟

ایک طالب علم سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی

خدمت میں آکر کہنے لگا کہ حضرت! میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مرید ہونے آئے ہو؟ اچھا یہ بتاؤ کہ مرید کے معنی کیا ہے؟ طالب علم تھا، عربی صرف پڑھا ہوا تھا، اس نے گردان شروع کر دی، ''أَرَادَ ، يُرِيْدُ ، اِرَادَةً فهو مُرِيْدٌ'' اس نے کہا کہ حضرت! کسی کام کے ارداہ کرنے والے کو مرید کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ غلط ہے، صحیح نہیں، اب بیچارہ سوچنے لگا کہ اس میں کیا غلط ہے، ہمارے اساتذہ نے یہی پڑھایا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ '' فصول اکبری'' بھی پڑھی ہے؟ فصول اکبری عربی صرف کی ایک کتاب ہے، اس کے اندر بہت سے مضامین کے ساتھ خاصیات ابواب کا بیان بہت تفصیل کے ساتھ آیا ہے، تو اس طالب علم نے جواب دیا، جی ہاں پڑھی ہے، فرمایا کہ ''باب افعال'' کی خصوصیات کیا ہیں؟ اب اس نے گنانا شروع کیا، اس میں ایک خصوصیت یہ گنائی کہ '' سلب ماخذ''۔ حضرت نے کہا کہ کیا مطلب ہے؟ کہا کہ ماخذ کو سلب کر لینا اور ماخذ کی نفی کر دینا، کہا کہ ٹھیک ہے، اب اس خصوصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرید کا معنی یہ ہوتا ہے ارادہ کو سلب کر لینا یعنی ارادہ نہیں کرنا۔ تو مرید کے معنی ہوئے ارادہ نہیں کرنے والا۔

حضرت نے کہا کہ مرید کون ہوتا ہے؟ جو ارادہ نہیں کرتا یعنی اپنی مرضی و ارادہ سے کوئی کام نہیں کرتا، اس لئے کہ اس نے اللہ کی مرضی پر سب کچھ چھوڑ دیا ہے، جس نے بیعت کرتے ہوئے سب کچھ اللہ کی مرضی پر چھوڑ دیا، اس نے گویا یہ کہہ دیا کہ اے میرے مالک و خالق میں نے اپنی جان و مال کو تیرے حوالہ کر دیا اور تجھے بیچ دیا، اب اس میں میری مرضی نہیں چلے گی جو چلے گا وہ تیرا ارادہ اور تیری مشیت چلے گی۔

فرمایا کہ یہ معنی سمجھ کر جو بیعت کرتا ہے کہ مجھے کسی کام کا ارادہ نہیں کرنا ہے، بلکہ

شیخ کی جانب سے اس راہ کے بارے میں جو کہا جائے اس پر عمل کرتے رہنا ہے، وہ ہوتا ہے حقیقی مرید، اور جو ارادے پر ارادے کرتا ہے، شیخ ایک کہتا ہے اور اس کا ارادہ الگ ہوتا ہے، قرآن وحدیث ایک کہتی ہے، اس کا ارادہ الگ۔ تو بھائی یہ مرید نہیں ہے یہ تو مراد ہو گیا۔

الغرض جو شخص کسی سے بیعت ہو کر اپنی اصلاح کرانا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنے شیخ کی اتباع کرے اور اس کے مشورے پر قائم رہے۔

بدنظری کا حکیمانہ نسخہ

حضرت تھانوی کے ایک مرید تھے، انہوں نے ایک دفعہ آپ کو خط لکھا کہ میری آنکھیں بے اختیار غلط چیز یعنی نامحرموں کی طرف اٹھ جاتی ہیں، لہذا کوئی علاج بتائیں۔ حضرت تھانوی نے جواب لکھا کہ اگر بے اختیار اٹھ جاتی ہیں تو آپ کو فکر کی کیا ضرورت ہے، آپ پریشان کیوں ہیں؟ اٹھنے دیجئے، کیونکہ غیر اختیاری کام پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا۔

اس جواب سے ان کو احساس ہوا کہ میں نے غلط بیانی کی ہے، بے اختیار آنکھیں نہیں اُٹھتیں بلکہ اختیار سے ہی اُٹھتی ہیں، لہذا دوسرا خط لکھا کہ حضرت! بے اختیار تو نہیں، اختیار سے ہی اٹھتی ہیں، لیکن نگاہ اٹھنے کے بعد نیچی کرنے کی طاقت نہیں پاتا۔ اس کا جواب حضرت نے لکھا کہ یہ بات بھی تمہاری غلط ہے، اس لیے کہ فلسفہ کا یہ مانا ہوا اصول ہے کہ کسی بھی چیز کا اختیار دونوں طرف سے متعلق ہوتا ہے، طرفین سے متعلق ہوتا ہے، یعنی آدمی اگر کوئی کام کر سکتا ہے تو وہ اس کام کو نہ کرنے کی بھی طاقت رکھتا ہے، ایسا نہیں کہ کر تو سکے، لیکن نہ کرنے کی طاقت نہ رہے، ایسا نہیں ہو سکتا، میں یہ چیز اٹھا رہا ہوں، اگر چاہوں تو نہ اٹھاؤں، دونوں باتیں اختیار میں

ہوتی ہیں، یہ کیسے کہ نگاہ اٹھ تو گئی، اب نیچی نہیں کر سکتا۔

اس پر ان صاحب کو پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا اور تیسرا خط حضرت کو لکھا، اس میں انہوں نے لکھا کہ حضرت! معافی چاہتا ہوں، پھر غلطی ہوئی، نگاہ کو بچانے کی طاقت تو ہوتی ہے، لیکن ہمت نہیں ہوتی ہے۔

حضرت نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے، بہت سے لوگوں کو طاقت تو ہوتی ہے، لیکن ہمت نہیں کرتے اور ہمت ہی سے تو سب کچھ ہوتا ہے، آدمی ہمت کرے تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دے، اگر آدمی کوشش کرے اور ہمت کرے تو معلوم نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جائے، یہ ہمت ہی تو ہے کہ آج پوری دنیا کہاں سے کہاں پہونچی ہوئی ہے، اگر ہمت نہ کرتے تو یہ دنیا یہاں تک کیسے پہنچتی، اور اس کے اندر اتنی تبدیلی کہاں سے آتی، تو ہمت سے بہت کچھ ہوتا ہے۔

الغرض حضرت نے ان کو لکھا کہ آپ کی اصل بیماری ہمت میں کمی ہے، اچھا ٹھیک ہے، لیکن یہ فرمایئے کہ اگر میں بھی اس وقت تمہارے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں تب بھی ایسا ہی ہوگا؟ کہ غیر محرموں کو دیکھتے رہو گے اور یہ کہو گے کہ بچنے کی ہمت نہیں ہوتی، نگاہ نیچے کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؟

اس پر ان صاحب کا خط آیا کہ حضرت! اگر آپ ساتھ ہوں تو ایسا نہیں ہوگا، بلکہ پھر تو نگاہیں نیچی ہو جائیں گی۔ پھر حضرت نے ان کو جواب لکھا کہ جب میرے ساتھ ہونے کے خیال سے تمہاری نگاہیں نیچی ہو سکتی ہیں، تو خالق دو جہاں کے ساتھ ہونے کے تصور سے نگاہ کیوں نیچی نہیں ہو سکتی؟

یہ ہے اصلاح کا طریقہ، عجیب و غریب طریقہ سے اصلاح ہوتی ہے، اگر چہ کئی کئی خطوط کا تبادلہ ہوتا تھا، لیکن بات دل میں اچھی طرح پیوست ہو جاتی تھی، تو بتانے

کی بات یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ان سے اصلاح کے نسخے معلوم ہوں گے اور ہم اپنی اصلاح کرنے میں اور گناہوں سے بچنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

تو میرا خدا نہیں، میں تیرا بندہ نہیں

دہلی کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ ایک بزرگ فجر کی نماز کے بعد سیڑھیوں پر بیٹھ گئے اور یہ کہنے لگے کہ ''تو میرا خدا نہیں، میں تیرا بندہ نہیں، پھر میں تیری کیوں مانوں؟

دیکھنے والے لوگ کہنے لگے یہ کافر ہو گئے، کسی نے کہا پاگل ہو گئے، جب نماز کا وقت آتا تو یہ بزرگ اندر جا کر نماز پڑھتے اور باہر آ کر بیٹھ جاتے، اور پھر یہی بات کہنے لگتے، مغرب کے قریب ایک شخص وہاں سے گذرتا ہوا ان کی بات سنا اور کھڑا ہو گیا، اور پوچھا کہ حضرت! یہ ''تو'' کا مخاطب کون ہے، اور یہ بات آپ کس سے کہہ رہے ہیں؟ اس پر ان بزرگ کو ہنسی آ گئی، اور کہنے لگے ''دہلی جیسے شہر میں ایک ہی عقلمند نظر آیا، کسی نے مجھے پوچھا ہی نہیں کہ میرے اس ''تو'' کا مخاطب کون ہے، اور میں کس سے یہ کہہ رہا ہوں، خود ہی سمجھ لیا کہ میں اپنے اللہ سے یہ بات کہہ رہا ہوں، حالانکہ میں اللہ سے نہیں کہہ رہا ہوں، پھر اس شخص سے کہنے لگے ''تو نے بڑی عقلمندی کا کام کیا کہ مجھ سے پوچھ لیا، دراصل میرا مخاطب میرا نفس ہے اور میں نفس سے مخاطب ہوں کہ اے نفس تو میرا خدا نہیں ہے، میں تیرا بندہ اور غلام نہیں ہوں، اس لئے میں تیری کیوں مانوں؟ میں تو خدا کی مانوں گا۔

اس نے کہا کہ یہ بات آپ کیوں فرما رہے تھے؟ اس پر ان بزرگ نے کہا: بات یہ ہے کہ آج فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے نکل رہا تھا، تو نفس نے شدت

سے تقاضا کیا کہ آج ناشتہ میں حلوے پراٹھے کھلاؤ، تو میں نے اس سے کہنا شروع کر دیا کہ تو میرا خدا نہیں ہے، اور میں تیرا بندہ نہیں ہوں، اس لئے میں تیری کیوں مانوں؟ میں تو میرے اللہ کی مانوں گا، اور جب بھی وہ مجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہے، میں یہی جواب دیتا ہوں۔

یہ واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے اور اصلاح نفس کے لئے فکر کرنے والوں کو ایک عمدہ سبق فراہم کرتا ہے، بزرگان دین کہتے ہیں کہ ناجائز چیزوں میں بالکلیہ پرہیز کرنا چاہیئے اور جو جائز چیزیں ہوں، مثلاً کھانے پینے کی حلال چیزیں، ان میں پابندی نہیں ہے، لیکن ان میں تقلیل اور کمی کرنا چاہیئے، کہ کبھی نفس کو دیدو، کبھی کہدو کہ بھائی اب نہیں تب ملے گا، اس سے نفس کنٹرول میں رہے گا، اگر اس کی ہر جائز و حلال خواہش پوری کی گئی تو وہ سر پر بیٹھ جائے گا۔

یہ تو تمہارے ماتم کا دن ہوگا

میں ایک مرتبہ اپنے شیخ و مرشد و استاذ حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا جس میں میں نے پوچھا کہ حضرت! کتنا ہی خشوع و خضوع و دل جمعی کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں، مگر پھر بھی نماز کے بعد دل میں یہ خیال آتا ہے، کہ نماز جیسی پڑھنی تھی ویسی نہیں پڑھ سکا، ابھی کچھ نقص باقی ہے، تو حضرت نے بہت ہی عجیب جواب لکھا جس میں فرمایا: کہ یہ خیال تو ٹھیک ہے، اور جس دن یہ خیال کر لیا کہ آج میں نے نماز کما حقہ اداء کی ہے، وہ تو تمہارے ماتم کا دن ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو کبھی اپنی عبادت و ریاضت پر ناز نہ ہونا چاہیئے، بلکہ ہر

وقت یہی خیال کرنا چاہئے کہ ہم سے اللہ کے شایان شان کچھ نہ ہو سکا، اور اگر کسی نے یہ سمجھا کہ میں نے بڑی شاندار عبادت کی ہے اور اس ہر اترانے لگا، اور بڑائی کرنے لگا، تو یہ اس کے لئے رسوائی کا سبب ہوگا۔

گناہ نیکی کی روشنی بجھا دیتے ہیں

مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ دو چور ایک گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے یہ طے کیا کہ جب گھر کا مالک روشنی کے لئے چقماق کو رگڑ کر روشنی جلائے گا، تو ان میں سے ایک انگلی رکھ کر اس کو بجھا دے گا، اور یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ بجلی کا کوئی انتظام نہیں تھا، چقماق کے پتھر ہوتے تھے، جنکو ایک دوسرے پر رگڑتے تو آگ پیدا ہو جاتی تھی، تو دو چوروں نے یہ طے کیا کہ ہم لوٹنا شروع کریں گے اور جب گھر والا جاگ کر، بیدار ہو کر، چقماق سے روشنی جلانا چاہے گا، تو ایسی صورت میں ایک چور صرف یہ کام کرے کہ جیسے ہی وہ آگ جلائے، اس پر ہاتھ رکھ دینا، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ چقماق کا پتھر کبھی جلنے کا نہیں، اور اس وقت تک دوسرا چور سب لوٹ لے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا اور گھر کو ان چوروں نے لوٹ لیا۔

مولانا رومیؒ نے کہا کہ شیطان بھی اسی طرح بعض سالکین کے دل پر انگلی رکھ دیتا ہے، تاکہ نور ختم ہو جائے، سالک اگر کوئی نیکی کر رہا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ چقماق کا پتھر رگڑ رہا ہے، اور شیطان اس پر انگلی رکھ دیتا ہے، یہ انگلی وہی معصیت اور گناہ ہے، جب گناہ ہوتا ہے تو وہ نیکی کی روشنی بجھ جاتی ہے، سالک نے اللہ اللہ کی، تلاوت و ذکر کیا، شیطان نے فوراً ہی اس کی آنکھوں سے کسی عورت کو دکھا دیا، اور اس کے عشق میں اس کو مبتلا کر دیا، دل میں گندے خیالات پیدا کر دیا، اسی طرح گناہوں

میں عمر گذر گئی، اور یہ شخص صاحب نسبت بن نہ سکا۔

واقعی بڑی عبرت کی بات ہے، ہر سالک کو اس پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے، بعض سالکین رات دن خانقاہوں میں رہتے ہیں، اولیاء اللہ کی صحبت میں ہیں، ذکر و تلاوت بھی کرتے ہیں؛ لیکن گناہوں سے نہیں بچتے، اور ان کا نور تام نہیں ہوتا اور یہ محروم رہ جاتے ہیں۔

ہم تو سنار تھے لوگوں نے لوہار سمجھ لیا

میں ایک مرتبہ میرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، صرف میں تھا۔ اسی درمیان میں ایک آدمی آیا اور حضرت سے تعویذ مانگنے لگا۔ حضرت نے کہا کہ میں تعویذ نہیں دیا کرتا جاؤ بھائی جان سے لے لو، (بھائی جان سے مراد حضرت والا کے صاحبزادہ ہیں جن کو طلباء اور عوام سب بھائی جان کہتے ہیں)، وہ شخص باہر گیا، پھر تھوڑی دیر بعد آ کر کہنے لگا، حضرت! آپ ہی دید یجئے، حضرت والا رحمہ اللہ نے پھر فرمایا کہ: میں تعویذ نہیں دیا کرتا، بھائی جان سے لے لو۔ وہ شخص پھر باہر گیا، اور کچھ دیر کے بعد پھر آ کر اسی طرح کہا کہ حضرت! تعویذ آپ ہی دید یجئے، حضرت نے پھر وہی جواب دیا، اور اس کو بھیج دیا، اور میری طرف دیکھ کر فرمانے لگے: بھائی! ہم تو سنار تھے، لوگوں نے ہمیں لوہار سمجھ لیا، یعنی کوئی سنار کے پاس لوہے کا کچھ کام بنانے لے جائے تو یہ "وضع الشیء فی غیر محله" کی قبیل سے ہوگا، اسی طرح آج لوگ اللہ والوں کے پاس بجائے اپنی اصلاح کرانے کے اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کے، دینی باتیں معلوم کرنے کے، وصول الی اللہ کے طرق معلوم کرنے کے، تعویذ

کے بارے میں پوچھنے جاتے ہیں، دنیا کے بارے میں معلوم کرنے جاتے ہیں کہ حضرت میرا فلاں کام رک گیا ہے، حل کردیجئے وغیرہ وغیرہ۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب علیہ الرحمہ جب بیمار ہوکر ممبئی میں زیر علاج تھے، میں وہاں حضرت کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، بعد عصر لوگ زیارت و ملاقات کے لئے حاضری دیتے تھے اور حضرت والا کبھی خود پانچ دس منٹ بیان کرتے اور کبھی کوئی مہمان عالم ہوتے تو ان کو وعظ کہنے کا حکم دیتے تھے، اس دن مجھ سے فرمایا کہ آج آپ کچھ دینی باتیں لوگوں کو بتادیں، تعمیل حکم میں میں بیان کر رہا تھا کہ حضرت والا بھی اوپر سے جہاں قیام تھا تشریف لے آئے اور اس میں میں نے حضرت مسیح الامت کا یہی واقعہ بھی سنایا، تو حضرت والا اس سے بہت متأثر ہوئے اور فرمایا کہ مولانا نے بڑی خوب بات فرمائی، بڑی خوب بات فرمائی۔

حسن فانی کے پرستاروں کے لئے عبرت

میں نے حضرت مسیح الامت سے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرید خانقاہ میں تھا، اسے کھانا پہنچانے ایک لڑکی آتی تھی، جب جب بھی وہ لڑکی کھانا دینے کے لئے آتی تو وہ مرید اس لڑکی پر نظر بد ڈالتا تھا اور اس کو گھور گھور کر دیکھتا تھا، شیخ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس لڑکی کو دست آور گولیاں دیں، جس کی وجہ سے اس کو دست شروع ہوگئے، اور شیخ نے اس کی غلاظت ایک جگہ کسی چیز میں جمع کرنے کا حکم دیا، ان کے خدام اس کی غلاظت کو جمع کرتے رہے، دستوں کی وجہ سے وہ لڑکی نہایت ضعیف و نحیف ہوگئی، اس کی طبیعت نڈھال ہوگئی، چہرہ پھیکا پڑ گیا اور مرجھا گیا، اب شیخ نے اس لڑکی کو اس مرید کے سامنے بلایا، مگر اب وہ مرید اسے دیکھتا ہی نہیں، اس کی

طرف کوئی التفات ہی نہیں، شیخ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ وہ جمع شدہ غلاظت اُٹھا کرلاؤ، جب وہ لائی گئی تو شیخ نے اس مرید سے کہا کہ تم درحقیقت اس لڑکی پر اور اس کے حسن پر فریفتہ نہیں تھے، بلکہ اس کے اندر کی اس غلاظت پر فریفتہ تھے، اس لئے جب تک یہ غلاظت اس کے اندر تھی، تم اس کو گھور گھور کر دیکھتے تھے اور جب وہ باہر نکل گئی تو اب دیکھنے تیار نہیں ہو۔

واقعی عجیب طرح دنیا کی مادی وفانی محبتوں کا علاج کیا ہے، اگر یہ نسخہ یاد ہو گیا تو پھر کبھی بھی انسان دنیا کہ ان فانی محبتوں کے پیچھے نہیں جائے گا۔

اولیاءاللہ سے تعلق رائیگاں نہیں جاتا

امام رازیؒ کا نام آپ نے سنا ہوگا کہ ایک جلیل القدر عالم، فاضل، مفسر اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ بہت بڑے فلسفی منطقی تھے، آپ نے محبت خداوندی کی خاطر ایک اللہ والے سے بیعت کی، شیخ نے اذکار و وظائف بتائے رات میں اٹھکر تہجد پڑھنے کو کہا، ذکر کرنے کا حکم دیا۔

امام رازی حکم کے مطابق جب ذکر کے لیے رات میں بیٹھتے تو ان کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے اندر سے ایک دھواں نکل رہا ہے، انھوں نے چند دن تو دیکھا، اس کے بعد اپنے شیخ کے پاس جا کر شکایت کی کہ حضرت! میں ذکر کرتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے دل کے اندر ایک آگ ہے، اس کا دھواں نکل کر میرے منہ سے باہر جارہا ہے۔

شیخ نے کہا کہ یہ اللہ کی محبت کی آگ ہے جو دل میں لگ رہی ہے، اور تمہارے فلسفہ اور منطق کے علوم کو جلا رہی ہے، اسی کا یہ دھواں ہے۔ امام رازی کو یہ سن کر

بڑا افسوس ہوا؛ اس لیے کہ ان علوم کے پیچھے تو عمر لگائی تھی، زندگی کھپائی تھی، بڑا پیسہ خرچ کیا تھا، رات رات جاگتے رہے تھے، اپنا سارا آرام اور عیش اس کے پیچھے گنوا ڈالا تھا، یہاں تک کہ دنیا میں منطقیوں اور فلسفیوں کے امام قرار پائے۔

تو امام رازی نے کہا کہ اتنا سارا علم جو میں نے اتنی محنت اور مجاہدہ سے حاصل کیا ہے، اگر وہ جل کر خاک ہو جاتا ہے تو یہ مجھے منظور نہیں ہے۔ اس لیے واپس چلے آئے، لیکن آگ تو اندر لگ چکی تھی، وہ ایک چنگاری کی شکل میں اندر دبی رہی، زمانہ گزرتا رہا، گزرتا رہا، پھر ایک وقت وہ آیا جو ہر انسان کے لیے اللہ نے مقدر کر رکھا ہے یعنی موت کا وقت۔ موت کے وقت شیطان بہکانے کے لیے آیا اور اس نے امام رازی سے بحث شروع کر دی کہ تم اللہ کو ایک مانتے ہو؟ بتاؤ کیا دلیل ہے؟ امام رازی نے اپنے دماغ سے ایک سو دلیلیں اللہ کی وحدانیت پر فلسفیانہ منطقیانہ تیار کی تھیں۔

امام رازی نے دلیل پیش کی، لیکن شیطان تو ان سے بھی بڑا فلسفی تھا، اس نے اس دلیل میں نقص وعیب نکال دیا، امام رازی نے کہا کہ یہ دلیل چھوڑو، دوسری لو۔ اس نے اس دلیل میں بھی کوئی کسر نکال دی۔ انھوں نے تیسری دلیل پیش کی، شیطان نے اس کے اندر بھی کوئی کھوٹ نکال دیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ انھوں نے ننانوے دلیلیں پیش کیں اور اس نے سب کو توڑ دیا۔ اب روح قبض ہونے والی ہے، شیطان ادھر بہکانے میں مشغول ہے، اسی وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے شیخ کو الہام کیا، وہ اس وقت وضو کر رہے تھے، ان کے قلب پر الہام ہوا کہ تمہارے وہ مرید جو آئے تھے تمہارے پاس اور تم نے میری محبت کی آگ ان کے دل میں لگا دی تھی لیکن وہ پھر بھی واپس ہو گئے تھے۔ آگ لگ جانے کے بعد میں کسی کو محروم نہیں کیا کرتا، ذرا ان کی طرف آپ توجہ کریں۔ امام رازیؒ کی وہ

گفتگو جو شیطان کے ساتھ چل رہی تھی، اللہ نے اِن بزرگ کو پہنچادی، شیخ کو آواز آئی اور وہ سن رہے تھے۔

شیخ نے کہا کہ یہ کیا بحث ومباحثہ میں مبتلا ہو، کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔ یہ دلیل، وہ دلیل، یہ کیا دلیلیں ہیں؟ اللہ نے کہہ دیا کافی ہے ہمارے لیے، اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ امام رازی کو اللہ نے شیخ کی آواز سنائی، شیخ کی وہ آواز کان میں آتے ہی امام رازی کی زبان سے نکلا کہ میں بے دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔ جب یہ کہا تو اسی وقت ان کی روح قبض ہوگئی اور شیطان بھاگ گیا۔

معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ سے تعلق ومحبت رکھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ہمیں نواز دیتے ہیں، اور ایمان محفوظ رہتا ہے۔ جو اس راستہ پر چل پڑا، جو اس راستہ میں داخلہ لے لیا وہ کبھی محروم نہیں ہوگا، اللہ کبھی نہ کبھی اس کو پہنچا ہی دیتے ہیں۔

اللہ کے ولی کا ادب باعثِ مغفرت

بزرگوں کے واقعات میں لکھا ہے کہ امام احمد ابن حنبلؒ کے زمانہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا۔ کسی کے خواب میں وہ شخص آیا تو اس نے پوچھا کہ بھائی! تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کیا معاملہ ہوا؟ تو اس نے کہا کہ اللہ کے فضل سے میری مغفرت ہوگئی۔ پوچھا کہ کس بنیاد پر مغفرت ہوئی؟ کہا کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مجھے وضو کرنے کی ضرورت پڑی تو میں وضو کرنے کے لیے ایک نہر کے کنارے پہنچا، میں نے دیکھا کہ نیچے کی طرف امام احمد بن حنبلؒ بیٹھ کر وضو کر رہے ہیں تو میں نے یہ خیال کیا کہ وہ وہاں وضو کر رہے ہیں، مجھے بھی وضو کرنا ہے، اگر میں یہاں بیٹھ کر وضو کروں گا

تو میرا غسالہ (اعضاء کا دھویا ہوا پانی) ان کی طرف جائے گا اور ان کے وضو کے پانی میں ملے گا، یہ ادب کے خلاف ہے؛ اس لیے مجھے وہ جہاں بیٹھے ہیں اس سے نیچے بیٹھ کر وضو کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر میں وہاں سے اٹھا اور امام احمد بن حنبل جہاں بیٹھے تھے، اس کے نیچے جا کر میں نے وضو کیا تا کہ ان کا غسالہ میری طرف آئے گا تو مجھے بھی کچھ تبرک حاصل ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس ادب پر میری بخشش ہوگئی۔

اس واقعہ میں غور کیجیے کہ اللہ والے کا ایک معمولی ادب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے مغفرت جیسی عظیم دولت عطاء فرمادی، جو شخص ہمیشہ ان کی اتباع کرے تو اسے کیا کچھ اللہ تعالی نہیں دیں گے۔ اسی لئے بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ: ”هُمُ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ“ کہ یہ اولیاء اللہ کی قوم وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔

(بخاری: ٦٤٠٨)

اے اللہ کو چاہنے والو! اگر تم واقعۃً اللہ کے طالب ہو تو جاؤ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے اللہ کی محبت تم میں بھی منتقل ہو جائے گی۔

صحبت کا اثر کیسے ہوتا ہے؟

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے ایک مرید تھے، انھوں نے ایک دفعہ حضرت تھانوی کے پاس خط لکھا کہ حضرت! میرے اندر غصہ بہت زیادہ ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو جائے؛ لہٰذا اس کے لیے کوئی نسخہ تجویز فرمادیں۔ وہ صاحب لکھنؤ سے قریب کے رہنے والے تھے۔

حضرت نے ان کو جواب لکھا کہ لکھنؤ میں میرے خلیفہ فلاں حکیم صاحب رہتے

ہیں، فلاں جگہ پر ان کا مطب، کلینک ہے، تم ان سے اجازت لے کر ان کے پاس بیٹھ جایا کرو، وہ تو اپنے کام میں مشغول رہیں گے؛ لیکن تم ان کے پاس جا کر بیٹھ جایا کرو اور یہ بھی لکھا کہ پندرہ دن تک بیٹھنے کے بعد مجھے خط لکھنا کہ کیا اثر ہوا۔

چنانچہ وہ صاحب پتہ تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچے، حکیم صاحب کی کلینک مل گئی، اور ان سے ملاقات کی اور کہا کہ حضرت نے مجھے ایسا لکھا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں بیٹھا کروں، اگر آپ اجازت دیں تو یہاں بیٹھ جایا کروں گا۔ انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ وہ حکیم صاحب تو اپنے کام میں مشغول رہتے، بیماروں کی نبض دیکھتے، دوائیاں تجویز کرتے تھے، اور یہ صاحب ان کے قریب بیٹھے رہتے تھے۔ پندرہ دن کے بعد انھوں نے حضرت تھانوی کو خط لکھا کہ اللہ کا فضل ہے کہ غصہ بالکل کافور ہو گیا، انھوں نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ حضرت! غصہ تو میرا کافور ہو گیا، لیکن ایک سوال ذہن میں آ گیا ہے کہ حکیم صاحب نے نہ مجھے کچھ کہا اور نہ میں نے ان سے کچھ کہا، صرف ان کے پاس بیٹھنے سے میرا غصہ کیسے ختم ہو گیا؟ یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت کے پاس خط آیا تو اس کا جواب لکھا کہ جی! نہ انھوں نے کچھ کہا، نہ تم نے کچھ کہا، لیکن ان کے دل میں جو حلم کا مادہ ہے، صحبت کی تاثیر سے وہ منتقل ہو کر تمہارے دل میں آ گیا۔ اللہ اکبر! یہ ہے تاثیر صحبت اولیاء کی۔

نیک لوگوں کی مصاحبت و مجالست بہت ضروری ہے، مجالست ایک بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے اللہ کی معرفت کو پانے کا، اللہ کی محبت کو پانے کا۔

سالک میں سچی طلب کامیابی کی ضمانت

ایک ڈاکو تھا اس کا مشغلہ ہی ڈاکہ ڈالنا تھا اور ڈاکہ ڈالتے ڈالتے اس کو ایک

زمانہ کے بعد اس پر بڑھاپہ آ گیا۔ اس زمانے میں ڈاکہ نہیں ڈال سکتا تھا، اس لیے اس نے سوچا کہ چلو کسی اور طریقہ سے ڈاکہ ڈالیں، اس نے صوفیانہ طور طریقہ اختیار کرلیا، ایک بڑا کرتا پہن لیا، ٹوپی اوڑھ لی اور ہاتھ میں تسبیح لے لی، اور مسجد کے کونے میں ایک جگہ جا کر بیٹھ گیا اور عبادت وریاضت اور ذکر و وظائف شروع کر دیا۔ اور ہر وقت مسجد ہی میں رہتا تھا، یہاں تک کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہوگئی کہ یہاں ایک اللہ والے رہتے ہیں؛ اس لیے لوگ اس کے پاس آنے جانے لگے اور اس کو اللہ والا سمجھ کر تحائف وہدایا دینے لگے۔ اور اس طرح وہ روپیہ پیسہ کمانا شروع کر دیا، گویا کہ ایک دوسرے انداز کا ڈاکہ ڈالنا شروع کر دیا۔ الغرض جب اس کا چرچا دور دور تک پھیل گیا تو ایک مرتبہ اس ڈاکو کے پاس دو آدمی آئے جو اللہ کو اور اللہ کی محبت کو پانا چاہتے تھے، انھوں نے اس سے بیعت کی درخواست کی، اور بیعت ہو کر اس کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا، اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہے، وقتاً فوقتاً اصلاحی سوالات بھی کرتے۔ اس پیر کو تو کچھ آتا جاتا نہ تھا، لیکن وہ اللہ والوں کی کچھ کتابیں دیکھ کر اصلاحی نسخے ان کو بتا دیا کرتا، اور وہ دو آدمی اس کو بزرگ سمجھ کر اس کی باتوں پر عمل کرتے رہے، یہ سلسلہ برابر چلتا رہا یہاں تک کہ ماشاءاللہ وہ دونوں ولایت سے نوازے گئے اور بڑے اونچے مرتبے پر فائز ہو گئے حتی کہ صاحب کشف وکرامات بن گئے۔

ایک مرتبہ ان دونوں نے سوچا کہ اللہ نے ہمیں اس بزرگ کی برکت سے یہ مقام عطا کیا تو دیکھنا چاہیے کہ ہمارے شیخ کا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے؟ ان دونوں نے مراقبہ میں بیٹھ کر اپنے شیخ کا مرتبہ دیکھنا چاہا تو بہت دیکھنے کے بعد بھی ان کو دور دور تک اپنی اس شیخ کا کوئی مقام نظر نہ آیا۔...... جب کوئی مقام تھا ہی نہیں تو کہاں

سے نظر آتا....... بالآخر وہ دونوں شیخ سے بدظن ہونے کے بجائے آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے شیخ بہت ہی اونچے مقام کے ہیں، اور وہاں تک ہماری روحانی سیر کی رسائی نہیں ہوسکتی، اس لئے ہم کو نظر نہیں آرہا ہے۔ پھر فیصلہ کیا کہ چلو شیخ سے ہی پوچھ لیتے ہیں۔ شیخ کے پاس آکر عرض کیا کہ حضرت! ہم سے غلطی ہوگئی کہ ہم آپ کا مقام جاننے کے لیے مراقبہ میں بیٹھ گئے، لیکن بھلا ہماری کیا مجال کہ ہم جناب کا مقام معلوم کرلیں، ہم سے نہ ہوسکا، کیونکہ ہماری رسائی وہاں نہیں ہے، اس لیے آپ ہی بتا دیجئے کہ آپ کا مقام کیا ہے؟

یہ سن کر وہ ڈاکو رونے لگا اور روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور کہنے لگا کہ بھائی! میرا کوئی مقام درحقیقت ہے ہی نہیں، میں تو اصل میں ایک ڈاکو تھا اور بڑھاپے کی وجہ سے جب یہ کام نہ ہوسکا تو میں نے ڈاکہ ڈالنے کی ہی نیت سے یہ ڈھونگ رچایا ہے، اور تم میری وجہ سے کوئی بلند مقام نہیں پائے ہو بلکہ تمہاری نیت کے اخلاص اور سچی طلب کی وجہ سے تم کو یہ بلند مقام ملا ہے۔

ان مریدین نے جب یہ سنا تو انھوں نے اپنے شیخ کے لئے دعاء کی کہ اے اللہ! ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں یہ مقام ملا وہ خود محروم رہے، لہذا اسے بھی نواز دیجئے۔ تو اللہ نے ان کی دعاء سے اسے بھی قبول کرلیا۔

بتانا یہ ہے کہ وہ دونوں ایک ڈاکو کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح نیت کی وجہ سے بلندی پاسکتے ہیں تو کیا ہم لوگ دینی ماحول میں رہ کر اپنی اخلاص نیت سے بلندی نہیں پاسکتے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اگر ہم اخلاص کے ساتھ عمل کریں گے ضرور مرتبہ پاسکتے ہیں۔ دوسری بات اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ اخلاص کی وجہ سے سالک کو منزل ضرور ملتی ہے چاہے شیخ جیسا بھی ہو، لیکن اگر اخلاص نہ تو بہت بڑے

شیخ کے پاس جا کر بھی محرومی کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

میں آپ کے اور آپ میرے ہاتھ چاٹ رہے ہیں

دنیادار پیروں کا حال

ایک قصہ یاد آیا کہ ایک مرید نے ایک عجیب خواب دیکھا اور اپنے شیخ سے جا کر بتایا تا کہ اس کی تعبیر معلوم ہو جائے،اس نے کہا کہ حضرت! میں نے آج خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے دو برتن ہیں،اور ایک برتن میں شہد ہے،اور ایک برتن میں نجاست ہے،پھر دیکھا کہ آپ کے ہاتھ شہد والے برتن میں ڈوبے ہوئے ہیں،اور میرے ہاتھ نجاست والے برتن میں پڑے ہوئے ہیں،یہ سن کر وہ شیخ صاحب کہنے لگے کہ اس کی تعبیر تو واضح ہے کہ ہمارے ہاتھ شہد میں ہیں یعنی دین میں ڈوبے ہوئے ہیں اس میں ہمارے دیندار ہونے کی اشارہ ہے،اور تمہارے ہاتھ نجاست میں ڈوبے ہوئے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا دار ہو،دنیا کی مثال پاخانہ کی طرح ہے؛اسلئے تمہارے ہاتھ پاخانہ میں ڈوبے نظر آئے تھے،اور ہمارے ہاتھ شہد ڈوبے ہوئے نظر آئے تھے،اس مرید نے کہا حضرت! آپ کی تعبیر تو صحیح ہے مگر ابھی خواب پورا نہیں ہوا،پورا خواب سن لیجئے،کہ میں نے آگے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ آپ کی شہد میں ڈوبی ہوئی اُنگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری نجاست میں ڈوبی ہوئی انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں،یہ سن کر وہ شیخ غصہ میں آگیا اور اُس کو بھگا دیا۔حضرت تھانویؒ کہتے ہیں: خواب کے اس آخری حصہ کی تعبیر میں دیتا ہوں،وہ یہ کہ اُس مرید کے ہاتھ واقعی دنیا میں ڈوبے تھے،مگر وہ دین لینے کیلئے شیخ کے پاس آیا تھا،اس لئے شیخ کے ہاتھ سے شہد چاٹ رہا تھا مگر وہ پیر مرید کو دین

پہونچانے کے بجائے، اُس سے دنیا حاصل کرتا تھا، اس لئے وہ اس مرید کی نجاست سے آلودہ اُنگلیاں چاٹ رہا تھا۔

افسوس کہ یہ حال ہے آج مقتداؤں کا، اس لئے دنیا داروں سے بچنا چاہیئے، اس لئے کہ دنیادار کی اتباع سے دنیا ملتی ہے، دیندار کی اتباع سے اللہ ملتا ہے۔

اتباع سنت وشریعت-اہل اللہ کی پہچان

ایک بزرگؒ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے شہر میں ایک بزرگ کے آنے کی خبر پھیلی، لوگ ان سے ملنے جا رہے تھے تو وہ بزرگ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے کے لئے نکلے، جب وہاں پہنچے تو وہ صاحب وضو کر رہے تھے، جانے والے بزرگ دور ہی سے کھڑے ہو کر ان کو دیکھ رہے تھے، جب وہ وضو سے فارغ ہو گئے تو یہ بغیر ملاقات ہی واپس جانے لگے، ملاقات نہیں کی، شاگردوں نے پوچھا حضرت! آپ ملاقات کرنے آئے تھے اور بغیر ملاقات کے جا رہے ہیں، کیا بات ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں ان کے وضو کے طریقہ کو دیکھ رہا تھا جو خلاف سنت تھا، جسے وضو کی سنتیں معلوم نہ ہوں وہ اللہ کا ولی کیسے ہو سکتا ہے؟

دیکھئے صرف خلاف سنت وضو کرنے کی وجہ سے اللہ والا ماننے تیار نہیں، اور ہم ہیں کہ گناہگاروں کو بھی پیر سمجھتے ہیں۔

سنت پر استقامت سب سے بڑی کرامت

بزرگوں نے فرمایا کہ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ احکام خداوندی اور سنت نبوی کا اہتمام کیا جائے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جو میں نے مرشدی حضرت اقدس شاہ مسیح اللہ خان صاحبؒ سے بارہا سنا ہے کہ ایک شخص نے حضرت جنید

بغدادیؒ کی شہرت سنی تو ان کی خدمت میں پہنچا اور ان کی خانقاہ میں دس سال رہا، ایک دن آ کر حضرت سے کہا کہ حضرت میں واپس جانا چاہتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ تم دس سال تک جو یہاں رہے، اس کا کیا مقصد تھا اور کیا وہ مقصد تم کو حاصل ہو گیا؟ اس نے کہا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ میں نے لوگوں سے آپ کا ذکر سنا تھا کہ آپ ولی اللہ ہیں، تو میں نے یہ سوچا کہ آپ سے بڑی بڑی کرامتیں ہوتی ہوں گی، لہٰذا آپ کی خدمت میں رہنے آیا تا کہ آپ کی کرامت دیکھوں، مگر اب اس لئے جا رہا ہوں کہ میں نے آپ سے اس عرصہ میں ایک کرامت بھی نہیں دیکھی۔

یہ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ اچھا بتاؤ، تم نے دس سال کے عرصہ میں مجھے کبھی خلاف سنت کوئی کام کرتے دیکھا ہے؟ اس نے اب غور کیا اور کچھ دیر کے بعد کہا کہ نہیں، آپ سے کبھی بھی خلاف سنت کوئی کام ہوتے نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ جنید کی اس سے بڑی کرامت کیا دیکھنا چاہتے ہو کہ اس نے دس سال میں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے خدا کو ناراض نہیں کیا، کیوں کہ کوئی کام خلاف سنت نہیں کیا۔

اللہ اکبر! دیکھئے اللہ والے ایسے ہوتے ہیں، جن سے گناہ تو در کنار سنت بھی کبھی ترک نہیں ہوتی، اور یہی اصل کرامت ہے۔

فضول گفتگو سے بچنے کی تدبیر

ایک بزرگ تھے دیوبند میں جن کا نام ہے حضرت مولانا میاں صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے محدث تھے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بھی اساتذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ان کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کی مجلس ہوتی تھی اور اس میں علماء، صلحاء اور طلباء سب جمع ہوتے تھے اور کوئی مسئلہ

پوچھتا، کوئی مشورہ لیتا، حضرت کبھی کچھ بیان فرماتے اور کبھی مسائل کی تحقیق ہوتی، مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہتیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے فرمایا کہ بھائی کل سے ہماری مجلس میں گفتگو صرف عربی زبان میں ہوگی اردو میں نہیں، اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی اور لوگ چلے گئے، دوسرا دن ہوا تو لوگ آئے، آنے کے بعد سب خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی بولتا نہیں، کوئی کچھ پوچھتا ہی نہیں، اگر چہ وہ علماء تھے، طلباء تھے، لیکن عام طور پر عربی زبان میں گفتگو کی مشق چونکہ نہیں ہوتی ہے تو وہ جیسے اردو سرسر بول لیتے ہیں، اس طرح نہیں بول پاتے، اور سب کے سب خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، بہت دیر کے بعد کسی نے کہا کہ حضرت ایک مسئلہ ہے، عربی میں اس نے ایک جملہ بہت ہی جچا تلا استعمال کیا، اب حضرت نے اس کا جچا تلا عربی میں جواب دیا، پھر مجلس پر خاموشی طاری ہوگئی، پھر کچھ دیر کے بعد کسی نے سوال کیا، پھر اسی طرح جواب ہوگیا پھر خاموشی طاری ہوگئی، دو چار ہی باتیں ہوئیں تھیں کہ عصر سے مغرب تک کا وقت ختم ہوگیا اور لوگ چلے گئے۔

دوسرا دن ہوا وہی کیفیت، تیسرا دن ہوا وہی کیفیت، کوئی کچھ بولتا ہی نہیں، دو تین دن کے بعد کسی نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! آپ نے یہ عربی والی قید لگا کر ہم لوگوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا اور استفادہ کا دروازہ بند کر دیا، افادہ کا دروازہ بند ہوگیا ہے، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی میں دیکھ رہا تھا کہ لوگ ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے، لیکن اس چھوٹی سی بات کے لیے بہت سے فضول الفاظ استعمال کرتے ہیں، پانچ لفظوں میں جو بات پوری ہوسکتی ہے اس کے لیے دس لفظ استعمال کرتے ہیں، جو بات دس لفظوں میں پوری ہوسکتی ہے

اس کے لیے چالیس پچاس لفظ استعمال کرتے ہیں، وہ سب فضول ہوتے ہیں، اس لئے میں نے سوچا کہ ہماری اتنی عمریں ہوچکی ہیں، میری عمر پچاس برس کی ہوگئی ہے، کسی کی عمر چالیس برس ہوگئی، کسی کی عمر پینتالیس برس ہوگئی، کسی کی عمر بیس برس ہوگئی ہے۔ اور لوگ لمبی لمبی گفتگو کر کے اپنا وقت برباد کرتے ہیں، میں نے سوچا کہ یہ فضول گوئی میں جو وقت گزر رہا ہے، اس سے ان لوگوں کو بچاؤں، اس لیے میں نے یہ قید لگادی کہ عربی میں بولو، اب عربی میں بولے گا تو بچے تلے الفاظ میں بولے گا، بے کار کوئی لفظ استعمال نہیں کرے گا، جیسے اردو میں آدمی بکواس کرلیتا ہے، اس لیے وہاں بڑا سوچ سمجھ کر بولے گا، ضرورت ہی کا لفظ بولے گا، بلکہ جتنا ضروری ہے وہ بھی پورا نہیں بول سکے گا، اس میں بھی کچھ گھٹ ہی جائے گا۔ اس لئے میں نے یہ قید لگائی ہے۔

بھائیو! یہ تھی ہمارے بزرگوں کی نظر کہ ہمارا وقت خراب نہ ہو اور اس وقت کو بچا بچا کر رکھے، اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے سامان تیار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے عشق کو دل میں بسانے کے لیے تدبیریں کی جائیں، اور وہ سارا وقت اسی کے لیے صرف ہوجائے۔ اللہ والے مختلف طریقوں سے اصلاح کرتے ہیں۔

تاجر بھی ولی بن سکتا ہے

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ایک قصہ لکھا ہے کہ بغداد کے علاقہ میں ایک شخص رہتے تھے، جن کا نام تھا شیخ منکدر، اور ان کی ایک دکان تھی، تجارت پیشہ آدمی تھے، انہوں نے اپنے خادموں سے ایک دفعہ کہہ دیا کہ بھائی دیکھو! یہ کپڑا اتنے کا ہے، اور وہ کپڑا اتنے کا ہے، یہ لبادہ اتنے کا ہے، فلاں لبادہ اتنے کا ہے۔ اس سے

زیادہ قیمت میں فروخت نہ کرنا۔اور ایک کپڑے کے بارے میں بتایا کہ یہ دو دینار کا ہے،اور ایک کے بارے میں کہا کہ یہ تین دینار کا ہے،اس طرح تاکید کردی۔

ایک مرتبہ اپنے کسی کام سے جارہے تھے،راستہ میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو اعرابی و دیہاتی تھا،دیکھا تو اس کے پاس ایک لبادہ ہے،انہوں نے پوچھا کہ بھائی! یہ لبادہ کہاں سے خریدا؟ تو اس نے کہا کہ ادھر ایک دکان ہے وہاں سے خریدا ہے۔پھر پوچھا کہ کتنے میں خریدا؟ تو اس نے کہا کہ میں نے تین دینار میں خریدا ہے۔

تو انہوں نے اسے لے کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا اور اس کے بعد میں کہا کہ یہ تو دو دینار کا ہے،تم نے تین دے دیئے،ایک دینار تم نے زائد دیدیا ہے،اس لیے چلو اس کو واپس کردو،یا تو اپنی قیمت واپس لے لو یا نہیں تو اپنا ایک دینار واپس لے لو۔

تو اس نے کہا کہ آپ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اسی دکان کا مالک ہوں،تو شیخ منکدرؒ اس دیہاتی کو لے کر واپس پہنچے اور اپنے خادم سے کہا کہ تم نے یہ غلط حرکت کیوں کی؟ اس کا ایک دینار واپس کرو یا نہیں تو اسے تین دینار والا لبادہ دے دو۔خادم نے اس شخص سے پوچھا کہ کیا چاہتے ہیں؟ اس دیہاتی نے کہا کہ ایک دینار واپس کردو۔چنانچہ ایک دینار واپس کردیا گیا اور وہ دیہاتی واپس جانے لگا،چلتے چلتے کچھ آس پاس کے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ کون صاحب ہیں،بڑے امانت دار معلوم ہوتے ہیں کہ ایسا ایسا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا ہے۔تو لوگوں نے کہا کہ آپ نہیں جانتے ان کو؟ یہ شیخ منکدرؒ ہیں۔

تو اب اس دیہاتی نے کہا کہ اچھا یہ ہیں شیخ منکدرؒ،ہم لوگ اپنے علاقہ میں جب کبھی بارش بند ہو جاتی ہے تو شیخ منکدرؒ کا واسطہ دے کر دعائیں مانگا کرتے ہیں،

اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہم کو بارش دے دیتا ہے، اس نے کہا یہ تو وہ آدمی ہیں، مجھے پتہ نہیں تھا اور کہنے لگا کہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شیخ منکدر کوئی صاحب جبہ ودستار شخصیت ہوگی، جو کسی خانقاہ میں بیٹھ کر تسبیح گھماتے ہوں گے، لیکن یہاں آکر پتہ چلا کہ یہ تو تاجر آدمی ہیں، تجارت کر رہے ہیں، لیکن مقام ایسا ہے اللہ کے نزدیک کہ اللہ ان کے نام کی بدولت، ان کے واسطے کی وجہ سے بارشیں نازل کررہا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر راستے سے خدا کو پایا جا سکتا ہے۔

بادشاہ بھی ولی اللہ ہوسکتا ہے

حضرت شجاع کرمان کے بادشاہ تھے، یہ کرمان ایک بستی ہے، حضرت شجاع اس بستی کے بادشاہ تھے، اور ساتھ ہی بہت بڑے اللہ کے ولی تھے، ان کا ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ وہ مسجد تشریف لائے، نماز پڑھنے کے بعد دیکھا کہ ایک طالب علم نماز پڑھ رہے ہیں، بڑے خشوع کے ساتھ، بڑے اطمینان کے ساتھ، اور ایسی اچھی نماز کہ انہوں نے خال خال ہی کسی کو ایسا نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

تو ان کا دل اندر سے کہنے لگا کہ یہ طالب علم جو نماز پڑھ رہا ہے، اتنی شاندار نماز، یہ اس قابل ہے کہ میں اس کو اپنا داماد بنالوں، انہوں نے مال نہیں دیکھا، انہوں اس کی دنیوی حیثیت نہیں دیکھی، اس کا حسب ونسب نہیں دیکھا، اس لیے کہ ان چیزوں سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے، تو شیخ کرمانی کے دل میں آیا کہ کیوں نہ میں اسکو اپنا داماد بنالوں، وہ طالب علم نماز سے فارغ ہوا، تو انہوں نے اپنے وزیر سے کہا کہ اس طالب علم کو بلا کر لاؤ، وزیر نے جا کر اس کو بلایا، وزیر کے بلانے پر وہ بیچارہ کانپ گیا کہ بادشاہ بلا رہے ہیں، پتہ نہیں کیا بات ہے؟ اب وہ آیا ڈرتے ہوئے، کانپتے

ہوئے کہ معلوم نہیں میرے سے کیا خطا ہوگئی، لغزش ہوگئی ہوگی یا معلوم نہیں کہ کیا سوال کرلیا جائے اور میں جواب دے سکوں کہ نہ دے سکوں؟ جب وہ حاضر ہوا تو بادشاہ نے اسے بٹھایا اور بٹھانے کے بعد کہا کہ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ میرے دل میں یہ خواہش گزری کہ میں تم کو اپنا داماد بنالوں، تمہاری اگر شادی نہیں ہوئی ہے تو تم اگر شادی کرنا چاہو تو میری لڑکی سے شادی کرلو، بس جناب یہ سننا تھا کہ ان کا دماغ چکرانے لگا، اس لیے کہ باشادہ کی بیٹی کو یہ فقیر شادی کرکے کیا کرے گا؟ کہاں رکھے گا؟ کیا کھلائے گا؟ کیسے اس کی خواہشات پوری کرے گا؟ اسے ہوسکتا ہے کہ دن میں پچاس جوڑوں کی ضرورت ہو، اب بے چارہ چکر میں آگیا، ہاں کہوں تو مشکل، نہ کہوں تو بھی مشکل، ہاں کہنے میں یہ مصیبت، نہ کہنے میں یہ کہ بادشاہ کہیں ناراض ہوجائے کہ میری طرف سے یہ پیغام دیا جارہا ہے اور تو ٹھکرا رہا ہے۔

بالآخر اس نے قبول کرلیا، اس کے بعد شادی کا وقت آیا، شادی ہوگئی، شادی ہونے کے بعد رخصتی ہوئی، یہ اپنے جھونپڑے میں لے گیا شہزادی کو، اور کھانے پینے کا مختصر انتظام ایک دو وقت کے لیے اس نے بنا رکھا تھا، جب کھانے کا وقت آیا تو میاں بیوی کھانے کے لیے بیٹھے، شرما شرمی میں کچھ زیادہ نہیں کھایا گیا، اور کچھ کھانا بچ گیا، اس طالب علم نے اپنی بیوی سے جو کہ شہزادی تھی کہا کہ اس بچے ہوئے کھانے کو کو اُٹھا کر رکھ دینا، صبح ہمیں ناشتے میں کام آئے گا، اس نے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا اور رونے بیٹھ گئی، اب رو رہی ہے، رو رہی ہے، طالب علم بہت پریشان کہ آخر کیا ماجرا ہے؟ اس نے اس سے بار بار پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں روتی ہو مگر اس نے کوئی جواب ہی نہیں دیا، یہ کہنے لگا کہ میں نے تمہارے والد سے پہلے ہی کہا تھا

کہ میں آپ کی بیٹی کو کیسے سنبھالوں گا، میری جھونپڑی اسے کیسے پسند آئے گی، میری رہائش کا انداز اسے کیسے پسند آئے گا، میرا سوکھا موکھا کھانا اسے کیسے پسند آئے گا،لیکن آپ کے والد نے بڑی غلطی کی کہ میرے سے آپ کی شادی کردی اور آپ کے تمام جذبات اور تمام خواہشات کو انھوں نے بالکل پیس کر رکھ دیا، یہ آپ کے والد کی غلطی ہے، میری غلطی نہیں ہے،شاید تم کو میرا یہ جھونپڑا اور یہ سوکھا کھانا پسند نہیں آیا، اس لئے رو رہی ہو؟

شہزادی نے کہا کہ میں اس لیے نہیں رو رہی ہوں کہ مجھے جھونپڑے میں رکھا گیا یا سوکھا کھانا کھلایا گیا، بلکہ اس لیے رو رہی ہوں کہ میرے والد نے مجھے یہ کہا تھا کہ میں ایک متقی پرہیز گار اور اللہ والے سے تیرا رشتہ کر رہا ہوں، جو توکل علی اللہ کی دولت سے مالا مال ہے،لیکن میں نے یہاں پر آکر آپ میں توکل نہیں دیکھا،آپ کہہ رہے ہیں کہ کھانا اٹھا کر کل کے لیے رکھو،جس خدا نے آج آپ کو دیا وہ کیا کل نہیں دے سکتا؟ اس لیے مجھے رونا آرہا ہے۔

اللہ اکبر! آپ سوچیے کہ وہ بادشاہ کیسا ہوگا اور بادشاہ کی بیٹی پر اس کی تربیت کیسی ہوگی، اس کا اندازہ کچھ دیر کے لیے آپ کو کرنا چاہیں، میں سمجھتا ہوں کہ صحیح طور پر نہیں کر پائیں گے،بادشاہ کا جو انداز ہوتا ہے، اس کے پاس جو طاقتیں ہوتی ہیں، جو چیزیں ہوتی ہیں،اس کے اندر دینی غیرت ایسی،توکل ایسا،اللہ سے تعلق ایسا پیدا کرنے کی اس نے اگر کوشش کی ہے تو کیا کیا نہ کیا ہوگا؟

معلوم ہوا کہ ایک آدمی بادشاہ ہوتے ہوئے خدا کا ولی ہوسکتا ہے،شہزادی خدا کی ولی ہوسکتی ہے،شہزادہ خدا کا ولی ہوسکتا ہے۔معلوم ہوا کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے ہزاروں راستے ہیں،کروڑوں ہیں، جس راستے سے چاہے آدمی پہنچ سکتا ہے،کوئی

چیز اسے اللہ تک پہنچنے سے روک نہیں سکتی، جیسا کہ آپ کو یہ مثالیں بتا رہی ہیں۔

ایک دربان کا مقام ولایت

ایک واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی جنگل سے گزر کر شہر کی طرف آرہا تھا تو ایک بوڑھے سے ملاقات ہوئی، تو ان بوڑھے صاحب نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو کہا کہ میں شہر کی طرف جارہا ہوں، تو کہا کہ اچھا دیکھو اگر فلاں محلّہ میں آپ کا جانا ہوتو عبداللہ نام کے ایک صاحب فلاں جگہ پر رہتے ہیں، ان کو عبداللہ حاجب کہتے ہیں، وہ ایک رئیس کے دربان ہیں، ان سے میرا اسلام سنادینا۔

جب یہ صاحب اس محلّہ میں آئے تو ان کو یاد آیا تو انہوں نے تلاش کیا کہ یہاں عبداللہ حاجب کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں جگہ پر رہتے ہیں، اور ایک امیر کے دربان ہیں، دربان کیا؟ گیٹ کیپر، کوئی بڑا عہدہ نہیں ہے۔

اب وہاں پہنچے اور ان کو جا کر کہا کہ میں فلاں جگہ سے فلاں دن آرہا تھا، راستہ میں ایک بزرگ شخصیت سے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کو سلام بھیجا ہے، عبداللہ حاجب نے وعلیک وعلیہ السلام کہا۔ اس کے بعد اس آدمی نے پوچھا کہ وہ بزرگ کون تھے جو آپ کو سلام سنارہے تھے، تو عبداللہ حاجب نے کہا کہ آپ کو اس سے کیا غرض ہے؟، مگر وہ آدمی اصرار کرتا رہا کہ بتادیجئے! کیونکہ ان کا چہرہ بہت نورانی تھا، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی شخصیت ہے۔

تو انہوں نے کہا کہ وہ اصل میں حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس آدمی کے دل میں آیا کہ حضرت خضر علیہ السلام خصوصیت کے ساتھ اس آدمی کو سلام کیوں بھیج رہے

ہیں، جب کہ اس شہر میں اتنے لوگ ہیں، مسجدوں کے امام بھی ہوں گے، اور مدارس کے معلمین ومدرسین بھی ہوں گے، بڑی بڑی خانقاہوں کے شیوخ بھی ہوں گے، علماء ومفتیان بھی ہونگے؛ لیکن ان سب کو چھوڑ کر حضرت خضر علیہ السلام اس کو کیوں سلام پہنچا رہے ہیں، وہ بھی ایک دربان کو، کیا بات ہے؟ تو اس نے پوچھا کہ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آخر حضرت خضر علیہ السلام آپ کو خصوصیت کے ساتھ سلام کیوں سنائے ہیں؟ تو وہ صاحب کہنے لگے کہ بس ہمارا اور ان کا ایک تعلق ہے، اس لئے انہوں نے سلام کہا ہے۔

اس آدمی نے کہا کہ کیا آپ کوئی مخصوص عمل کرتے ہیں؟ تو عبداللہ حاجب نے کہا کہ کسی بھی کام میں لگتا ہوں تو میرا دل خدا سے غافل نہیں ہوتا، پھر انہوں نے اپنی تفصیل سنائی کہ صبح اٹھتا ہوں، اس کے بعد یہ کرتا ہوں، اس کے بعد یہ کرتا ہوں، اس کے بعد امیر کے پاس جاتا ہوں، اس کی یہ خدمت کرتا ہوں، اور یوں رہتا ہوں، لیکن جو کچھ بھی کرتا ہوں، لیکن خدا سے کبھی دل غافل نہیں ہوتا ہے۔

اللہ والے کہاں ملیں گے

بہت سے اللہ والے ہمارے بغل میں ہی رہتے ہیں، مگر ہم اُنکو نہیں پہچانتے، ہمارے ساتھ ہوتے ہیں، ہم نہیں جانتے، آپ نے سنا ہوگا کہ شاہ جہاں کا جب آخری وقت آیا تو اُن کی اولاد میں ایک دارہ شکوہ، دوسرے اورنگ زیب تھے، دونوں حکومت چاہتے تھے، اورنگ زیب نیک انسان تھے، وہ حکومت سے دین کو تقویت دینا چاہتے تھے۔

ایک مرتبہ دہلی میں ایک بزرگ آئے، جب معلوم ہوا تو دعاء کروانے پہلے دارہ

شکوہ گئے، بزرگ صاحب سے ملاقات کی، اُنہوں نے کہا: میری گدّی پر بیٹھ جاؤ، مگر دارہ شکوہ نے انکار کر دیا، پھر جاتے وقت دارہ شکوہ نے کہا: حضرت دعاء کیجئے کہ حکومت مل جائے، بزرگ کہنے لگے، ہم نے تو اپنی گدّی دینی چاہی، آپ نے انکار کر دیا، اب حکومت نہیں ملے گی، وہ افسوس کرتے ہوئے چلے گئے، کچھ دیر بعد اورنگ زیب آئے، بزرگ صاحب نے اُن کو بھی گدی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا پہلے تو انکار کیا، پھر حکم ہوا تو بیٹھ گئے، پھر اورنگ زیب نے بھی کہا: دعاء کیجئے کہ تخت و تاج مل جائے، انہوں نے کہا: تخت پر تو ہم نے اللہ کے حکم سے بٹھا دیا، مگر تاج میں نہیں دے سکتا، بلکہ تاج آپ کا غلام جو آپ کو روزانہ وضو کراتا ہے، وہ اگر آپ کے سر پر عمامہ رکھ دے، تو تاج بھی مل جائے گا، اورنگ زیب نے تعجب سے کہا: میرا غلام جو میری جوتیاں سیدھی کرتا ہے، کیا وہ اتنا بڑا اللہ والا ہے، گھر گئے اور وضو کے بعد غلام کو حکم دیا کہ عمامہ پہنا دو، غلام نے کہا: حضور میں آپ کے سر پر کیسے رکھ سکتا ہوں، گستاخی ہوگی، اورنگ زیب نے کہا: میرا حکم ہے رکھ دو، اُس نے رکھ تو دیا مگر سمجھ گیا کہ میرا راز فاش ہوگیا ہے، اُس کے بعد وہ وہاں سے غائب ہوگیا۔

دیکھئے! جسے غلام اور نوکر سمجھا جاتا رہا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا کتنا بڑا مقام تھا، لہذا آج بھی اللہ والے موجود ہیں، مگر پہچاننے والی آنکھ چاہئے۔

جذبۂ شکر پیدا کرنے کا طریقہ

ایک مرتبہ شیخ سعدی گھر سے نکلے تو پیر میں پہننے کے لئے جوتے نہیں تھے دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اللہ نے مجھے جوتے بھی نہیں دیئے ہیں، پھر پیدل تھوڑی دور گئے، تو دیکھا کہ ایک فقیر بھیک مانگ رہا ہے، جس کے دونوں پیر رانوں تک کٹے ہوئے ہیں، یہ منظر دیکھ کر شیخ سعدی نادم ہوئے، اور اللہ سے کہنے لگے کہ

اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ مجھے صرف جوتے نہیں دیئے، اس بیچارہ کو تو پیر ہی نہیں دیئے ہیں، اگر تو مجھے بھی اس جیسا بناتا تو میں کیا کر سکتا تھا؟

آدمی ہمیشہ ہر دنیوی چیز میں اپنے سے نیچے کے طبقہ والوں کو دیکھے تو شکر کرے گا، اگر اپنے سے اونچے طبقہ والوں کی طرف نظر کرے گا تو ناشکری میں مبتلاء ہوگا، یعنی اگر کوئی متوسط درجہ کا مالدار ہے تو وہ غریبوں کو دیکھے، اور شکر ادا کرے کہ اللہ نے مجھے اس سے اچھا رکھا ہے، اسی طرح کسی کو اللہ نے معمولی سا گھر دیا ہے، تو وہ جھونپڑی میں رہنے والے کی طرف نظر کر کے شکر ادا کرے کہ اللہ نے مجھے مکان تو دیا ہے، اس کے برخلاف اگر متوسط درجہ کا مالدار اپنے سے بڑے مالدار کی طرف نظر کرے گا، تو حرص میں، یا حسد میں مبتلا ہوگا، اور ناشکری کریگا کہ اللہ نے اسکو اتنا مال دیا ہے اور مجھے نہیں دیا۔

نیکیوں کی توفیق سب سے بڑی نعمت ہے

ایک بزرگ ایک بستی سے دوسری بستی کو جا رہے تھے، جب دوسرے شہر کے قریب ہوئے تو دیکھا کہ شہر پناہ کے دروازے بند ہیں، اور دن کا وقت ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا کہ دن میں شہر کا دروازہ کیوں بند ہے؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شہر کے بادشاہ کا ایک پالتو پرندہ باز اُڑ گیا ہے، جس کی تلاش جاری ہے، اور دروازے بند اس لئے ہیں، تا کہ باز شہر کے اندر ہی رہے، اور دروازہ سے کہیں باہر نہ چلا جائے۔ ان بزرگ نے سوچا کہ کتنا بڑا بے وقوف بادشاہ ہے کہ باز تو اُوپر جو کھلی فضاء ہے، وہاں سے بھی جا سکتا ہے، اسے اتنی بھی عقل نہیں اور اس نے شہر پناہ کا دروازہ بند کروا دیا ہے۔

پھر وہ بزرگ اللہ کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے حکومت

وسلطنت اور مال و دولت اس بے وقوف بادشاہ کو دے دی ہے، جو عقل سے بالکل عاری ہے، اور مجھ جیسے عاقل کو کچھ نہیں دیا، تو اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ کیا آپ اس پر راضی ہیں کہ اس کی بے وقوفی وحماقت کے ساتھ آپ کو یہ دولت وحشمت اور حکومت وسلطنت اور جاہ وجلال سب کچھ اس بادشاہ سے چھین کر آپ کو دے دی جائے اور آپ کی عقل مندی اور تقوی شعاری، نیکیاں اور طاعتیں سب اُس کو دے دی جائیں؟ تو ان بزرگ کو فوراً احساس ہوا اور اللہ سے معافی مانگی اور کہنے لگے کہ یا اللہ! مجھے تقوی والی دولت زیادہ پسند ہے، اگر چہ غریبی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، اور یہ حکومت وسلطنت اسکی بے قوفی و بے ایمانی سمیت لینے سے تو ایمان وعمل کے ساتھ فقر وفاقہ ہی بہتر ہے۔

لوگ عموماً نعمت، صرف مال و دولت کو سمجھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی کی طرف سے کسی کو طاعت وعبادت کی توفیق مل جائے، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوسکتی ہے؟ مگر لوگ اسکو نعمت سمجھتے ہی نہیں۔

لقمان حکیم کا شکر

لقمان حکیم کسی کے غلام تھے، ایک مرتبہ باغ میں ان کا آقا آیا، اور ایک پھل کاٹ کر حضرت لقمانؑ کو دیا، تو وہ مزہ لیکر کھانے لگے، جب ایک ٹکڑا وہ خود کھایا، تو معلوم ہوا کہ بڑا کڑوا پھل ہے، اس نے تھوک دیا اور کہنے لگا کہ لقمان! تم کو یہ پھل کڑوا نہیں لگ رہا ہے؟ تو حضرت لقمانؑ نے جواب دیا کہ آپ کے ہاتھ سے میں نے کتنی میٹھی میٹھی چیزیں کھائی ہیں، آج ایک مرتبہ آپ کڑوا پھل کھلا دیں، تو کیا میں شکوہ کروں؟

اللہ اکبر! کیسا عجیب جواب دیا، اگر ہم بھی اللہ کے بارے میں ایسا ہی خیال کریں، تو ہماری کیا حالت ہوگی؟ اللہ کو ناشکری پسند نہیں، اگر شکر کروگے تو نعمت میں اضافہ ہوگا، اگر اللہ مال دیدے تو بھی خوش رہو، اور نہ دے تو بھی خوش رہو اور صحت دے تو بھی راضی رہو، بیماری دے تو بھی خوش رہو۔

مگر آج لوگ اللہ کی ہزاروں نعمتوں کو تو بھول جاتے ہیں، اور کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو شکوہ شروع کر دیتے ہیں۔

ایک گلاس پانی اللہ کی کتنی بڑی نعمت؟

خلیفہ منصور نے حضرت سفیان ثوری سے نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو انہوں نے پوچھا کہ اگر تمہیں سخت پیاس لگے اور پانی میسر نہ آئے، جان جانے کا اندیشہ ہو، ایسے وقت میں اگر کوئی کہے کہ ایک گلاس پانی میں دیتا ہوں اور تمہاری آدھی سلطنت اسکے عوض میں دینا پڑے گا، تو تم کیا کروگے؟ بادشاہ نے کہا کہ آدھی سلطنت دے کر ایک گلاس پانی لے لوں گا، تا کہ جان بچے۔

سفیان ثوری نے پھر پوچھا کہ اگر خدانخواستہ اس پانی کے پینے کے بعد تمہارا پیشاب بند ہو جائے، اور اطباء کہیں کہ اس کا علاج ہو سکتا ہے، اگر آدھی سلطنت اس کے عوض میں ہمیں دیدوگے، تو علاج کر کے پیشاب جاری کریں گے، تم کیا کروگے؟ بادشاہ نے کہا کہ آدھی سلطنت دے دوں گا اور علاج کراؤں گا، تا کہ جان بچ جائے، تو اب اُن بزرگ صاحب نے عجیب بات فرمائی کہ اس سے معلوم ہوا کہ تمہاری کل سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی اور ایک کٹورا پیشاب کے برابر ہے، شکر کرو اُس اللہ کا، جو تمہیں روزانہ پچاسوں گلاس پانی مفت پلا رہا ہے، اور غور کرو اس کی قدرت پر جس سے کتنا پیشاب بغیر کسی معاوضہ کے بہ آسانی نکل

جاتا ہے، اگر اللہ بھی اپنی نعمتیں عوضاً دینے لگے، تو انسان کا جینا مشکل ہو جائے۔
ہر شخص روزانہ اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں کو سوچا کرے، اور اس کا شکر بجالائے، اس سے ایک طرف اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور دوسری طرف نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

آئینہ چینی شکست

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو بڑے اولیاء اللہ میں سے ہیں، ان کو کسی نے چین کا بنا ہوا ایک آئینہ دیا، حضرت نے اس کو لیکر کہا ''الحمدللہ''، پھر انہوں نے اپنے خادم کو دیا کہ اس کو رکھو، جب ضرورت ہوگی لیکر اس میں چہرہ دیکھوں گا، اتفاق سے وہ ان کے خادم کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا، تو اس نے خدمت میں حاضر ہوکر ڈرتے ڈرتے کہا: ''از قضا آئینہ چینی شکست'' (اللہ کی قضا و فیصلہ سے چین کا آئینہ ٹوٹ گیا اور اس کو یہ خیال تھا کہ اس پر مجھے ڈانٹ پڑے گی کہ تم نے اس کو کیوں توڑا؟ مگر حضرت نے اس کے جواب فرمایا کہ ''الحمدللہ کہ آلۂ خود بینی شکست (اللہ کا شکر ہے کہ خود بینی کا آلہ ٹوٹ گیا)۔ خادم نے کہا کہ حضرت! جب آئینہ آیا تھا تب بھی آپ نے الحمدللہ کہا، اور اب یہ ٹوٹا تو بھی الحمدللہ کہا، فرمایا کہ ہاں! یہ اللہ ہی کا ہے، جب وہ دے تو بھی الحمدللہ، اور اس کا شکر ہے اور اگر وہ لے لے تو بھی الحمدللہ۔

اولیاء اللہ کی نظر اشیاء پر نہیں ہوتی بلکہ خالق اشیاء پر ہوتی ہے، وہ ہر وقت اسی پر نظر جمائے ہوئے ہوتے ہیں۔

ذوق عبادت ومجاہدہ

کبھی طاعتوں کا سرور ہے کبھی اعترافِ قصور ہے
ہے ملک کو نہیں جس کی خبر وہ حضور میرا حضور ہے

(احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمہ اللہ)

جان سے زیادہ نماز پیاری

اللہ ورسول کی محبت جن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، ان کو نیکی وطاعت میں کیسا لطف وکیف محسوس ہوتا ہے اور وہ اس سے کیسے سرشار ہوتے ہیں، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک دفعہ غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ نکلے، راستے میں ایک جگہ آپ نے پڑاؤ ڈالا اور حضرات صحابہ سے پوچھا کہ کون آدمی ہمیں پہرہ دے گا؟ اس کے جواب میں دو حضرات نے اپنا نام پیش کیا، ایک انصاری صحابی تھے جن کا نام عباد بن بشر تھا اور دوسرے مہاجر صحابی تھے جن کا نام عمار بن یاسر تھا، سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم دونوں وادی کے اوپر والے حصے پر رہنا۔

چنانچہ یہ دونوں صحابہ وہاں پہنچے، پھر مہاجر صحابی تو لیٹ گئے اور انصاری صحابی عباد نے اللہ تعالیٰ کے سامنے راز ونیاز شروع کر دیا اور نماز میں مشغول ہو گئے، غالبًا ان حضرات نے یہ طے کرلیا ہوگا کہ آدھی رات ایک شخص پہرہ دے اور پھر آدھی رات دوسرا پہرہ داری کرے۔ جب حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نماز میں اللہ تعالی سے سرگوشی ومناجات میں مشغول ہو گئے تو ایک مشرک آدمی آیا اور چھپ کر ان پر تیر برسانے لگا، یہ صحابی برابر نماز میں مشغول رہے، اس مشرک نے تین تیران پر چلائے، ان صحابی نے تیر تو نکال کر پھینک دیا، مگر نماز نہیں توڑی، برابر نماز میں رہے اور رکوع وسجدہ کر کے جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان صحابی کو بیدار کیا جو بازو لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے اٹھ کر دیکھا تو یہ لہولہان ہیں، عرض کیا کہ سبحان اللہ! تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہ جگا دیا، فرمایا کہ میں ایک سورت پڑھ رہا تھا، میں نے نہیں چاہا کہ اس کو ادھورا چھوڑ دوں۔

بعض روایت میں ہے کہ ان صحابی نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے حفاظت ونگرانی کی ذمہ داری نہ دی ہوتی تو میں قتل ہوجاتا، مگر اس سورت شریفہ کو ادھورا نہ چھوڑتا۔

(ابوداود: ۱۹۸، مسند احمد: ۳۴۳/۳، صحیح ابن حبان: ۳۷۵/۳، صحیح ابن خزیمہ: ۲۴/۱، مستدرک: ۲۵۸/۱)

اللہ اکبر! کیا لذت ولطف تھا جوان صحابی کو تلاوت کلام اللہ اور نماز میں محسوس ہورہا تھا جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ہلاک کر لینے پر بھی راضی ہیں، مگر تلاوت ونماز کو قطع کرنے پر راضی نہیں۔ یہ حلاوت ایمانی ہے جو اللہ ورسول کی محبت کا صلہ وثمرہ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللهُ کی عبادت

امام اعظم ابوحنیفہ دن بھر درس وتدریس، مسائل کا استنباط اور استخراج، قرآن میں حدیث میں غور وفکر، تدبر وتفکر، فقہ کی ترتیب وغیرہ میں مصروف رہتے اور جب شام ہوتی، عشاء کا وقت ہوتا، لوگ عشاء پڑھ کر چلے جاتے تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے رکعت باندھ کر کھڑے ہوجاتے اور یہ رکعتوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا، یہاں تک کہ فجر کا وقت ہوجاتا تھا۔

شروع شروع میں سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن کہیں جارہے تھے، راستہ میں ایک شخص نے ایک اپنے ساتھی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کو دکھا کر آہستہ سے کہا کہ یہ جو بزرگ جارہے ہیں، یہ روزانہ پانچ سو رکعت پڑھا کرتے ہیں۔ وہ تو آہستہ سے کہہ رہا تھا لیکن امام صاحب کے کانوں میں اس کی آواز پہنچ گئی۔ امام صاحب نے کہا کہ اللہ اکبر! یہ میرے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ میں پانچ سو رکعت روزانہ پڑھتا ہوں جب کہ میں صرف سو ہی رکعت پڑھتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو

کہ میں قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جاؤں: ﴿وَيُحِبُّوْنَ أَنْ يُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ (اور وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسی بات پر جو انھوں نے نہیں کی)

اگر میں اس کا مصداق بن جاؤں تو کیا ہوگا؟ جہنم کی سزا ہوگی۔امام صاحب نے کہا کہ لوگ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ میں پانچ سو رکعت پڑھا کرتا ہوں تو میں آج سے پانچ سو رکعت پڑھا کروں گا۔اور اس کے بعد سے آپ کا یہی معمول ہوگیا۔

پھر اس کے بعد ایسا ہی واقعہ ہوا کہ ایک دفعہ جارہے تھے تو کسی آدمی نے امام ابوحنیفہ کو دکھا کر کہا کہ یہ بزرگ روزانہ ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے ہیں، حالانکہ اس وقت پانچ سو رکعت پڑھتے تھے۔امام صاحب نے اس کی یہ بات سن لی، اور کہا کہ اگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ہزار رکعات پڑھتا ہوں حالانکہ میں صرف پانچ سو پڑھتا ہوں تو مجھے اللہ کے سامنے جواب دینا ہوگا، اس لیے میں آج سے ہزار رکعت نماز پڑھوں گا۔اور زندگی بھر یہی معمول رہا، کتابوں کے اندر لکھا ہے کہ چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی، آپ کی پوری پوری رات عبادت کے اندر گزر جاتی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کا عجیب حال تھا۔دیکھئے کس طرح اللہ کو مقصود بنا کر زندگی گذاری جاتی ہے۔لہذا پڑھو، لکھو، تحقیق کرو، مطالعہ کرو، اور لوگوں کے لیے نیک کام کرو، ہمدردی اور غمخواری کے کام بھی کرو، دعوت وتبلیغ کے کام بھی کرو، لوگوں کو نصیحت کرو، عبرت کی باتیں بتاؤ، اللہ کی طرف ان کو متوجہ کرو، لیکن ان ساری چیزوں کے ساتھ کبھی اس کو نہ بھولو کہ میں پیدا ہی ہوا ہوں اپنے رب کے لیے۔وہی مقصود ہے، وہی مطلوب۔

امام اوزاعی رَحِمَہُ اللہُ کے آنسوں

حضرت امام اوزاعی رَحِمَہُ اللہُ بہت بڑے عالم تھے، مجتہد تھے اور ان کا بھی مسلک بہت زمانے تک دنیا میں چلتا رہا تھا، جیسے امام ابوحنیفہ کا، امام شافعی کا، امام مالک کا، امام احمد بن حنبل کا مسلک آج چل رہا ہے۔ اسی طرح امام اوزاعی رحمۃ اللہ کا بھی مسلک چلتا تھا، لیکن جب ائمہ اربعہ کا مسلک بہت آگے بڑھ گیا، لوگوں کے اندر اس کو مقبولیت ہوگئی تو پھر دوسرے ائمہ کے ماننے والے ختم ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی بہت بڑے مجتہد وامام تھے۔

ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ فجر کے بعد ان کے گھر پر پڑوس کی ایک عورت آئی، امام اوزاعی رَحِمَہُ اللہُ گھر میں موجود نہیں تھے، چھوٹا سا گھر تھا، ایک طرف مصلی بچھا ہوا تھا، ایک طرف حضرت کی اہلیہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ عورت آکر ان کے بازو بیٹھ گئی اور کچھ باتیں کرنے لگی، اتنے میں اس کی نظر مصلی پر پڑی تو وہ عورت حضرت کی اہلیہ سے کہنے لگی: اماں جان! یہ دیکھئے، مصلی بھیگا ہوا ہے، اس پر کسی بچے نے پیشاب کردیا ہوگا۔

حضرت کی اہلیہ نے کہا کہ ہمارے یہاں تو کوئی بچہ ہے نہیں، ہم بوڑھا بوڑھی دو ہی آدمی یہاں رہتے ہیں، ہمارے یہاں کوئی بچہ نہیں ہے۔ اس عورت نے کہا کہ: اگر بچہ نہیں ہے تو پھر پانی پڑ گیا ہوگا، یہ دیکھئے مصلی بھیگا ہوا ہے، تو حضرت کی اہلیہ نے مصلی پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کے اوپر نمی تھی، یہ دیکھ کر کہا کہ یہ نہ پیشاب کی نمی ہے نہ ہی پانی کی نمی ہے، بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے حضرت پوری رات اس مصلی پر روتے رہتے ہیں، وہ تری ان کے آنسوؤں کی وجہ سے ہے جو تم کو نظر آرہی ہے۔

حضرت مرة ہمدانی رحمہ اللہ کا عجیب سجدہ

اسی طرح حضرت مرہ بن شرحبیل ہمدانی بہت بڑے عالم گزرے ہیں، تابعی ہیں، قرآن کی تفسیر میں ان کا ذکر کثرت کے ساتھ آتا ہے، ان کی عبادت وریاضت کے بارے میں بہت سی عجیب باتیں منقول ہیں، حضرت حارث الغنوی کہتے ہیں کہ انھوں نے ایسا سجدہ کیا کہ زمین کی مٹی ان کی پیشانی کو کھا گئی۔

روزانہ چھ سو یا ایک ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے، حضرت علاء بن عبدالکریم کہتے ہیں کہ ہم ان کی خدمت میں آتے تو ان کے چہرے اور ہاتھ پیر پر سجدے کا اثر نظر آتا، وہ کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھتے پھر کھڑے ہوجاتے اور بس نماز پڑھتے رہتے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۷۵/۴، حلیۃ الاولیاء: ۱۶۵/۴)

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا خوف

ایک بزرگ محمد بن کعب القرظی کا ذکر بھی سنتے چلئے، وہ بھی بہت بڑے عالم تھے، تابعی تھے، بہت سے صحابہ سے علم حاصل کیا تھا، بہت متقی واللہ والے تھے، انکی عبادت وآہ وبکا کا حال یہ تھا کہ رات بھر عبادت وریاضت کے ساتھ روتے رہتے تھے، بڑے بے چین ومضطرب نظر آتے تھے، ان کی والدہ نے ایک بار ان سے کہا کہ بیٹا! اگر میں نے بچپن سے اب تک تجھے نیک وپرہیزگار نہ دیکھتی تو تیرا یہ رونا دھونا دیکھ کر کہتی کہ کوئی بڑا گناہ تجھ سے ہوگیا ہے، اس لئے کہ تو ایسا روتا ہے۔ اس پر حضرت محمد بن کعب نے کہا کہ اے ماں! ہوسکتا ہے کہ اللہ نے مجھے اس وقت دیکھ لیا ہو جبکہ میں کسی گناہ میں مبتلا تھا اور وہ مجھ سے یوں کہہ سکتا ہے کہ جا میں تیری مغفرت

نہیں کروں گا۔

(صفۃ الصفوۃ:۲/۱۳۲،سیر اعلام النبلاء:۵/۶۵)

بھائیو! یہ تھے ہمارے اسلاف، جو ایک طرف علم کا پہاڑ وسمندر تھے اور علم کی نشر واشاعت و دعوت و تبلیغ، درس و تدریس میں لگے ہوئے تھے تو دوسری جانب ان کی راتیں ایسی ہوتی تھیں، عبادت وریاضت کا یہ حال تھا۔ اسی لئے امام شافعی کا قول کئی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ میں علماء کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایک وقت اپنا محض اللہ کے لیے خاص کر کے رکھیں۔

تہجد کی دو رکعتیں ہی کام آئیں

ایک مرتبہ کسی بزرگ نے اپنے خواب میں حضرت جنید بغدادی کو دیکھا اور انہوں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ حضرت جنید بغدادی فرمایا کہ مجھے اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا اور اللہ تعالے نے فرمایا کہ: جاؤ ہم نے تمہاری مغفرت کردی، پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ آپ کی بخشش کس بنیاد پر ہوئی؟ جنید بغدادی نے فرمایا کہ: طَاحَتْ تِلْكَ الْاِشَارَاتُ، وَغَابَتْ تِلْكَ الْعِبَارَاتُ،وَفَنِيَتْ تِلْكَ الْعُلُوْمُ،وَنَفِدَتْ تِلْكَ الرُّسُوْمُ، وَ مَا نَفَعَنَا اِلَّا رُكَيْعَاتٌ كُنَّا نَرْكَعُهَا بِالْأَسْحَارِ) کہ ساری کی ساری عبارتیں ختم ہو گئیں، وہ رموز ونکات ضائع ہو گئے، وہ علوم فنا کے گھاٹ اتر گئے، بس ہمارے حق میں سود مند ثابت ہوئیں تو وہ الٹی پلٹی، ٹیڑھی میڑھی، غلط سلط، دو رکعتیں ثابت ہویں جو ہم راتوں میں اُٹھکر پڑھ لیتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ:۲/۴۲۴،حلیۃ الاولیاء:۱۰/۲۵۰)

دیکھو! جنید بغدادی جنہوں نے احادیث کو سمجھا اور اس پر عمل کیا، جنہوں نے

قرآن وحدیث کوسمجھا اوراس پر عمل کیا، نکات کوواضح کیا، جوسید الاولیاء کالقب پانے والے بزرگ ہیں، جنہوں نے اللہ کی خاطر ساری دنیا سے بغض وعداوت مول لی، جنہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، جنہوں نے اللہ کی محبت کی طلب میں رات دن عبادتوں پر عبادتیں کیں، وہ بزرگ کہتے ہیں کہ نہ وہ فرائض و واجبات کام آئے، نہ وہ رموز واسرار کام آئے، نہ وہ تصوف وسلوک کے حقائق ومعارف کام آئے، کام آئے تو وہ دو رکعت نفل جورات میں اٹھ کر پڑھے تھے وہ کام آئے، اس سے تہجد کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

نماز برائیوں سے کیسے روکتی ہے؟

میرے شیخ ومرشد حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ کسی زمانے میں ایک چور تھا، وہ ایک بادشاہ کے محل میں چوری کرنے کے ارادے سے گیا، رات کا وقت تھا اورمحل کے ایک کمرے سے بادشاہ اوراس کی بیوی کی گفتگو کی آواز آرہی تھی، وہ کھڑے ہوکر سننے لگا، اگر چہ ایسا سننا ناجائز ہے، حرام ہے، چوری ہے، لیکن چور چوری ہی کرنے آیا تھا تو اسے سننے میں کیا چیز مانع ہوتی؟ آخر کو وہ چور ہی تو تھا۔ تو اس نے سنا کہ بادشاہ اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے اوراس کی بیوی ہاں میں ہاں ملا رہی ہے کہ میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے آدمی سے کرونگا جونہایت متقی وپرہیزگار ہو، جوبہت بڑا اللہ والا ہو، میں میری بچی کی کسی اور سے شادی نہیں کرونگا۔

جب چور یہ بات سن رہا تھا کہ تو اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ میں ہی کچھ ایسا بن کر دکھاؤں کہ میرے ہی ساتھ شاہزادی کی شادی بادشاہ کردے۔ دل میں ایک حرص پیدا ہوگئی، اب وہ چوری کو تو بھول گیا، لیکن دھوکہ پر اتر آیا اورگھر میں جا کر

بہت دیر تک سوچنے لگا کہ کس طرح میں اس بات میں کامیاب ہوسکتا ہوں؟ تو ایک تدبیر اس کی سمجھ میں آئی کہ بادشاہ کے محل کے قریب ایک مسجد ہے، اس مسجد میں جا کر بزرگانہ لباس پہن کر اور ان کی وضع قطع اختیار کر کے وہاں دن رات عبادت میں مشغول ہو کر بیٹھ جاؤں، تو شدہ شدہ بادشاہ تک بات پہونچے گی کہ کوئی آدمی یہاں ایسا متقی پرہیزگار ہے جو دن رات اللہ کی عبادت میں مصروف ہے، تو ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کی نگاہِ انتخاب میرے اوپر پڑ جائے اور میں چن لیا جاؤں اور شاہزادی سے میری شادی ہو جائے۔

بھائیو! یہ اس کا ایک نہایت حقیر اور ذلیل دنیوی مقصد تھا، جس کے لئے اس نے یہ ارادہ کیا، اور اس نے اپنے پروگرام کے مطابق بزرگانہ لباس و پوشاک، وضع قطع اختیار کر کے اس مسجد میں جا کر نمازوں پر نمازیں، ذکر وتلاوت، مراقبہ سب شروع کر لیا۔ اب زمانہ چلتا رہا، لوگوں میں شہرت ہوتی گئی کہ کوئی اللہ کے بہت بڑے ولی یہاں آگئے ہیں، جو دن رات عبادت کرتے ہیں۔ اب اس کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تک خبر پہونچ گئی کہ یہاں کوئی اللہ والے آکر بیٹھے ہیں، ہیں تو جوان لیکن زہد و عبادت میں لاجواب وتقوی و طہارت میں بے نظیر، جب بادشاہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اپنے ارادے کے مطابق غور و فکر شروع کر دیا کہ شاہزادی کے متعلق جو سوچا تھا، اس کے لئے اسی کا انتخاب کر لیا جائے۔

بادشاہ نے اس سلسلہ میں گفتگو کے لئے اپنے وزیر کو بھیجا، وزیر اس شخص کے پاس مسجد میں پہنچا اور اس نے باادب اس سے کہا کہ میں آپ کی خدمت عالیہ میں بادشاہ جہاں پناہ کی طرف سے آیا ہوں ایک پیغام لیکر۔ اس نے کہا کہ کیا پیغام ہے؟ وزیر نے بتایا کہ بادشاہ نے کئی سال پہلے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی لڑکی کا نکاح ایک

ایسے شخص سے کریں گے جو بڑا ہی متقی و پرہیزگار ہو، اللہ والا ہو، اور وہ اس کی تلاش میں تھے، اب جو نظر گئی تو نظر انتخاب آپ پر آ کر رک گئی ہے، لہذا بادشاہ نے مجھے بھیجا ہے کہ اس سلسلے میں آپ سے گفتگو کروں، اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو فرمایئے، اگلی نشست کے اندر اس سلسلے کی کوئی کاروائی آگے بڑھائی جائے گی۔

یہ شخص جو دراصل اسی تمنا و آرزو میں یہاں آ کر بیٹھا تھا، وہ بہت دیر تک یہ وزیر کی گفتگو سنتا رہا، اس کے بعد اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، وزیر نے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی؟ تو کہنے لگا کہ آج جو پیغام لیکر آپ آئے ہیں، یہ پیغام مجھے منظور نہیں ہے۔ وزیر نے کہا کہ کیوں منظور نہیں؟ اس نے کہا کہ دیکھئے میں صاف صاف بات آپ کو بتاتا ہوں کہ میں اصل میں ایک چور تھا اور میں بادشاہ کے محل میں چوری کے ارادے سے ایک مرتبہ گیا تھا، پھر جو کچھ بھی ہوا اس کو سنایا اور اس کے بعد اس چور نے کہا کہ میں نے تو یہ وضع قطع اسی حرص کی وجہ سے اختیار کی تھی، لیکن جب میں یہاں آ کر بیٹھا تو خدا نے مجھے اپنا بنالیا، اب بس اس کے بعد مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ اکبر! جب عبادت عبادت ہو جائے، نماز نماز ہو جائے اور ذکر ذکر ہو جائے اور ہماری دیگر عبادتیں واقعی عبادتیں ہو جائیں تو بے شک یہ نمازیں اور عبادتیں انسان کو برائیوں سے روکتی ہیں۔

ادب مسجد اور سفیان ثوری رحمہ اللہ

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ ایک مرتبہ مسجد میں بے خیالی کے ساتھ چلے گئے، اور مسجد میں اپنا داہنا پیر پہلے داخل کرنے کے بجائے بائیں پیر سے داخل ہو گئے تو فوراً الہام ہوا اور اس الہام میں ان سے کہا گیا کہ اے ثور! یعنی (اے بیل)

کیا ہمارے دربار میں آنے کا یہی ادب وطریقہ ہے؟ اللہ نے ان کو بیل کہا، اس لئے کہ یہ جو بیل وگدھے ہوتے ہیں، ان کے لئے کوئی اصول نہیں ہوتا، جو چاہے پہلے رکھو اور جو چاہے بعد میں رکھو۔ لیکن انسان ہو کر بھی یہی بے اصولی کرے تو یہ بات قابل گرفت ہوتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری کو ثوری اسی واقعہ کی وجہ سے کہتے ہیں، مگر اس میں اشکال ہے؛ کیونکہ ثوری میں یائے نسبت لگی ہوئی ہے، اس لئے اس کا معنی تو یہ ہوگا کہ "بیل والا" حالانکہ اللہ نے ان کو خود بیل کہا ہے نہ کہ بیل والا، اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ ثوری ان کو ایک قبیلہ کی طرف نسبت کی وجہ سے کہتے ہیں، الغرض جب یہ الہام ہوا تو فوراً اللہ کے سامنے سجدے میں پڑ گئے، رونے اور گڑگڑانے لگے اور معافی مانگنے لگے۔ لہذا مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اس ادب کا لحاظ ودھیان ہونا چاہئے۔

دینار دھو رہی ہوں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک بات یاد آ گئی، میں نے حدیث کی کتابوں میں تو کہیں نہیں دیکھا، لیکن بعض بزرگوں کے ملفوظات میں پڑھا کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کچھ درہم ودینار دھو رہی تھیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو خلاف معمول درہم ودینار کو دھوتا ہوا دیکھا، تو پوچھا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ یہ درہم ودینار کو تم کیوں دھو رہی ہو؟ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے میں نے سنا تھا کہ جب ہم کسی غریب سائل کو اللہ کے لئے کچھ دیتے ہیں تو ہم سائل کو نہیں بلکہ اللہ کو دیتے ہیں، بظاہر تو سائل کو دیتے ہیں، لیکن وہ حقیقت میں خدا کو دیتے ہیں، تو میں نے سوچا کہ جو چیز خدا کو دی جا رہی ہے، اس میں میل ہو تو اچھا نہیں لگتا، اس لئے

میں اس کو ڈھو رہی ہوں۔

اس سے ہم کو اندازہ کرنا چاہئے کہ درہم و دینار ظاہراً تو سائل کو دیئے جاتے ہیں، باطناً اللہ کو دیئے جاتے ہیں، لیکن نماز تو ظاہراً و باطناً دونوں اللہ کو پہونچتی ہے، تو یہ کتنی پاک ہونی چاہئے؟

اللہ کی آواز سنائی نہیں دیتی؟

ایک دفعہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کا درس حدیث ہو رہا تھا، آپ مسند درس پر بیٹھے ہوئے ہیں، ایک طالب علم نے حدیث پڑھی، جس کے اندر آتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں حضرت عیسی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور فلاں فلاں کام کرینگے، کئی کام ان کے اس حدیث میں بتائے گئے ہیں، اس میں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ جس وقت وہ تشریف لائیں گے تو "یضع الجزیة" (جزیہ جس کو ٹیکس tax کہتے ہیں، اسے وہ ختم کردیں گے)۔

(بخاری: ۱/۲۹۶، مسلم: ۱/۸۷)

دیکھئے اس حدیث کے اندر آیا ہے کہ حضرت عیسی جزیہ کو ختم کردیں گے، جب یہ حدیث پڑھی گئی تو حضرت شیخ الاسلام نے اسے بیان فرمایا اور تشریح کی، تو ایک طالب علم کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! یہ حدیث میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے، اس لئے کہ حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جزیہ کو منسوخ کردیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے منسوخ کردیں گے؟

تو حضرت شیخ الاسلام کہنے لگے کون کہتا ہے؟ طالب علم کہنے لگے کہ حضرت

جو حدیث پڑھی گئی اسی میں تو آیا ہے، حضرت پھر کہنے لگے کہ ارے کون کہتا ہے وہ منسوخ کر دیں گے؟ وہ طالب علم پھر کہنے لگے، حضرت! حدیث میں تو ہے، پھر کہنے لگے ارے کون کہتا ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو کہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود منسوخ کرنے والے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کہاں منسوخ کرنے والے ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام کا جب وقت آئیگا، ان کا زمانہ آئیگا، تب ان کے زمانے میں منسوخ ہوگا، لیکن منسوخ کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

تو بھائی اسی طریقے پر جب بندہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں، ہر ہر آیت پر اللہ کی طرف سے بندے کو جواب دیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ اللہ کا یہ جواب ہمیں تو سنائی نہیں دیتا، پھر جواب دینے کا فائدہ کیا ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی آواز ڈائریکٹ ہم تک، آپ تک نہیں پہونچے گی، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں ہم تک اور آپ تک یہ پہونچے گی، اور پہنچ رہی ہے، اس لئے کہ اللہ کی آواز براہ راست سننے کے لئے ہمارے اور آپ کے پاس وہ کان ہی کہاں ہیں؟ اگر ہم کو براہِ راست خدا کی آواز آتی تو سینہ پھٹ جاتا۔

اس لئے اللہ نے ایسا کیا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے سینے میں اُتار کر اس آواز کو پھر ہم تک پہونچایا، اس پہونچانے میں جمال پیدا ہوگیا، تو خدا کے جلال کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال میں ڈھال کر ہم تک پہونچایا تو ہم کو سہارا مل گیا۔

کیا اللہ کو ہماری نماز کی حالت کا علم نہیں؟

اللہ ہماری نماز کو، نماز کے ہر رکن وعمل کو دیکھتے ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے

کہ ایک صحابیؓ آخری صف میں نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو بلا کر بڑے تیز وتند لہجے میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "ألاتتّقی اللّٰہ ؟ ألا تریٰ کیف تصلیِّ؟(کیا تجھے اللہ کا ڈر نہیں ہے؟ کیا دیکھتا نہیں کہ تو نماز کیسے پڑھ رہا تھا؟) پھر فرمایا کہ یہ نہ سمجھو کہ مجھے تم لوگوں کے حالات کا علم نہیں ہوتا، تمہاری ہر ہر چیز میرے سامنے آشکارا ہوتی ہے۔

(مسند احمد:۱۰۰۴۹)

اور یہ مضمون ایک نہیں کئی حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پیچھے جو نماز پڑھتے ہیں، ان کی ساری کیفیت میرے سامنے آشکارا ہوتی ہے، کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے والوں کو بھی سامنے والوں کی طرح دیکھ لیتے تھے۔

اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز کی کیفیات اور حالات کا علم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو رہا ہے، تو بھائیو! کیا اللہ کو علم نہیں ہوگا؟ جبکہ وہ خدا تو علام الغیوب ہے، دلوں میں چھپے اسرار کو جاننے والا ہے، کیا اسے ہماری نماز کی خبر نہیں ہوگی؟ ضرور ہوگی۔ اگر یہ ایک بات ہماری سمجھ میں آجائے تو ہماری نمازیں درست ہو جائیں۔

عبادت وریاضت اللہ کا فضل ہے

مولانا رومی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آقا اور اس کا ایک غلام بازار کچھ خریدنے گئے، راستہ میں نماز کا وقت آگیا، تو غلام نے کہا آقا! میں مسجد میں نماز پڑھنے جانا چاہتا ہوں، آقا نے اجازت دے دی اور خود باہر کھڑا ہو گیا، انتظار کرتا رہا نماز کے بعد سب نمازی چلے گئے، مگر یہ غلام نہیں آیا، آقا نے باہر ہی سے آواز دی کہ

اے فلاں سب چلے گئے تو کیوں نہیں آتا؟ تو غلام نے کہا کہ مجھے آنے نہیں دیتے، یہ کہکر پھر رکعت باندھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیا، پھر کچھ دیر بعد آقا نے آواز دی، غلام نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھے آنے نہیں دیتے، اور یہ کہکر پھر رکعت باندھ لی، پھر آقا نے انتظار کیا اور کچھ دیر بعد آواز دی اور کہا کہ کون آنے نہیں دیتا؟ غلام نے کہا کہ جو آپ کو اندر آنے نہیں دیتا، وہ مجھے باہر نکلنے نہیں دیتا۔اس جواب پر جی چاہتا ہے کہ قربان ہو جاؤں، معلوم ہوا مسجد میں جانا اللہ ہی کی توفیق سے ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں۔

جو بھی بندہ کچھ نیکیاں کرتا ہے، وہ محض اللہ کا فضل ہے، بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں، صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالے نے فرمایا﴿ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ﴾ (کہ ان کا ایمان وعمل نتیجہ ہے اللہ کے فضل وکرم کا) تو بدرجہ اولی ہماری عبادتیں اللہ کے فضل سے ہوں گی۔

ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو سال کی عبادت

حدیث میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد رہا کرتا تھا، جو بڑی بڑی عبادتیں کرتا تھا، بہت بڑا زاہد تھا، جو ہمیشہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا اور اسکو اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا، تو اللہ تعالے نے اس سے فرمایا کہ جاؤ ہم اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرتے ہیں، اس پر اس نے کہا کہ یا اللہ! وہ جو میں نے پانچ سو برس عبادت کی تھی، وہ کیا ہوئی؟ اللہ نے دو فرشتوں سے کہا: اس کو دوزخ کے قریب لے جاؤ اور وہاں کی تھوڑی سیر کرا کے لے آؤ، اور اس سے کہو پہلے یہاں جا کر آجاؤ، اس کے بعد یہ سوال کرنا، فرشتے اس کو دوزخ کے قریب لے گئے، ابھی اسکے اور دوزخ کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت باقی تھی کہ گرمی کی تپش

سے اسے شدید پیاس لگی، اور جب اور تھوڑا آگے بڑھا تو اور زیادہ پیاس بڑھنے لگی، اس نے پانی تلاش کیا، مگر اِدھر اُدھر اسکو پانی نظر نہیں آیا، اتنے میں اس نے دیکھا کہ سامنے ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں ایک کٹورا پانی لئے ہوئے کھڑا ہے، اس نے اس فرشتہ سے کہا، مجھے بڑی شدت کی پیاس لگی ہے، تھوڑا پانی پلادو، اس نے کہا: ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو برس کی عبادت ہے، اس عابد نے کہا: میرے پاس تو پانچ سو برس کی عبادت ہے، مجھے پانی دے دو اور یہ پانچ سو برس کی عبادتیں لے لو، اس فرشتے نے پانی دیدیا، وہ پانی پیکر اور آگے بڑھا، تو پھر پیاس کی وجہ سے اس کو بے قراری ہونے لگی، وہ پریشان ہو رہا تھا، دیکھا کہ ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں ایک کٹورا پانی لئے ہوئے کھڑا ہے، اس نے اس فرشتہ سے کہا: مجھے بڑی شدت کی پیاس لگی ہے، پانی دیدو، اس نے کہا کہ ایک گلاس پانی کی قیمت پانچ سو برس کی عبادت ہے، اگر تمہارے پاس ہو تو دے کر لیلو۔

اب کہاں سے دیتا، جو تھی وہ پہلے دے چکا تھا، اس کے بعد فرشتے اسکو لیکر اللہ کے دربار میں آئے، اب اللہ تعالی اسکو پوچھتے ہیں کہ اپنی پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے جنت میں جاؤ گے یا ہماری رحمت سے؟ وہ دیکھتا ہے تو خالی ہے، کیونکہ اس نے تو سب کچھ پانی کے بدلہ اس فرشتہ کو دیدیا تھا، اب وہ پریشان ہو جاتا ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے تو نے دنیا میں کتنے ہزار لوٹے پانی پیئے ہوں گے، انکا بدلہ کون دیگا؟ کیا اب بھی تم اپنے اعمال کے بدلے جنت میں جانا چاہتے ہو، وہ فوراً سجدہ میں گر جاتا ہے اور روتا ہوا کہتا ہے کہ اے اللہ! میں نادان تھا، اپنی نادانی کی وجہ سے غلطی کر بیٹھا، مجھے معاف فرمادیجئے، اللہ اسکو معاف کر دیتے ہیں اور جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔

اب بتاؤ بھائی کہ جنت میں اللہ کے فضل کے بغیر کون جا سکتا ہے۔

دین میں ایسی استقامت آجائے

ہمارے حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ نے ایک قصہ سنایا تھا کہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک چور کو سولی پر چڑھایا جا رہا ہے، حضرت جنید نے لوگوں سے پوچھا کہ کس جرم کی پاداش میں اسکو سولی پر لٹکایا جا رہا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ منع کرنے کے باوجود چوری کرنے سے باز نہیں آتا، برابر چوری کرتا رہتا تھا، اس نے ایک دفعہ چوری کی تو اس کا ایک ہاتھ کاٹا گیا، دوسری دفعہ چوری کیا تو دوسرا ہاتھ کاٹا گیا، مگر یہ پھر بھی باز نہیں آیا، اس لئے یہ سزا دی جا رہی ہے، یہ سن کر حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے پیروں کو بوسہ دوں، پوچھا گیا کہ حضرت! آپ اس چور کے پیروں کو بوسہ دیں گے؟ کیوں؟ تو فرمایا: میں اس چور کو نہیں، بلکہ اس کے اندر کی استقامت کے پیروں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں، اگر ایسی استقامت ہم دینی کاموں میں پیدا کرلیں تو معلوم نہیں کتنی ترقی کریں گے۔

دین پر استقامت بڑی چیز ہے اور یہی آجکل مفقود ہے، نوجوان لوگ دین پر آنا چاہتے ہیں، اور آتے بھی ہیں، مگر یہی استقامت نہ ہونیکی وجہ سے پلٹیاں کھاتے رہتے ہیں، نماز شروع کرتے ہیں، پھر چھوڑ دیتے ہیں، علم دین حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر استقامت میں کمی سے وہ بجھ جاتا ہے۔

کوشش کر کے تو دیکھو

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ جو

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے استاذ ہیں اور دار العلوم دیو بند کے سب سے پہلے ناظم تعلیمات تھے، صدر المدرس بھی تھے۔ وہ درس دے رہے تھے، دوران درس جب یہ حدیث آئی کہ رسول اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا بِشَيْءٍ إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ'' (جو آدمی میرے وضو کی طرح وضو کرے پھر ایسی دو رکعتیں پڑھے جس کے اندر کوئی وسوسہ، کوئی خیال نہ آئے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں)

(بخاری: ۱۹۳۴، مشکاۃ: ۲۸۷)

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے اس کی تشریح فرماتے ہوئے کہا کہ ایسی نماز پڑھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ تو ایک طالب علم نے اٹھ کر پوچھا کہ حضرت! ایسا ہو بھی سکتا ہے کہ ہم بغیر وسوسے کے نماز پڑھیں؟ تو اس پر حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ پوچھتے ہی رہو گے یا کبھی کرو گے بھی۔

اس کے بعد کہا کہ کر کے دیکھو کیوں نہیں ہوتا، اگر نہ ہونے والی بات ہوتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہتے، کیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کی جانے والی بات بتانے کے لیے آئے تھے؟ معلوم ہوا کہ انسان میں اسکی طاقت ہے، اسی لیے اللہ کے نبی نے فرمایا۔

لہذا کوشش کرنا ہمارے ذمہ ہے، محنت کرنا ہمارے ذمہ ہے، جب مجاہدہ کریں گے تو اللہ تعالی راہیں کھولیں گے۔ آج ہمارا حال یہ ہو گیا کہ ہم دنیا کے لئے تو بہت مجاہدہ کرتے ہیں، لیکن اللہ کو مقصود زندگی بنانے کے لئے مجاہدہ نہیں کرتے۔

عبادت میں نیت کی اہمیت

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پڑوس میں ایک آدمی تھا جو کھاتا تھا

اور گھر کو چلا آیا کرتا تھا پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا بھی انتقال ہو گیا، پھر ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا حال ہے؟ حضرت نے کہا اللہ نے بخش دی لیکن میری پڑوسی کے پیچھے ہی رہا۔ لوگوں نے کہا اس طرح کیوں؟ ہم نے تو آپ کو پوری دنیا میں افضل سمجھتے تھے۔ کیا وہ آدمی۔ حضرت نے کہا کہ وہ آدمی ذکر اور قرآن وغیرہ پڑھتا تھا اور نیت کرتا تھا کہ اگر مجھے فرصت مل جائے تو میں بھی جنید بغدادی جیسا بن جاؤں اور اسی طرح کی عبادت کروں گا صرف اس نیت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے درجہ کو بلند کر دیا۔

فکر آخرت
اور
دنیا کی حقارت

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دوروزہ کا کیا عیش و غم
مسافر رہے جیسے تیسے رہے

(علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کا فکر آخرت

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ پر فکر آخرت کا بڑا غلبہ رہتا تھا، ایک مرتبہ آپ کی ایک باندی آئی اور اس نے سلام کیا، پھر ایک جانب کھڑے ہو کر اس نے نماز پڑھی اور بیٹھ گئی، تو اس پر نیند کا غلبہ ہوا اور آنکھ لگ گئی اور نیند ہی میں وہ رونے لگی۔

پھر وہ بیدار ہوئی اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! میں نے خواب میں ایک عجیب منظر دیکھا ہے۔ پوچھا کہ کیا دیکھا؟ تو کہنی لگی کہ میں نے دیکھا کہ دوزخ ہے اور وہ اہل دوزخ پر زور زور سے آوازیں نکال رہی ہے۔ پھر پل صراط لایا گیا اور دوزخ پر اس کو بچھا دیا گیا۔

حضرت امیر المؤمنین نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر امیر المؤمنین عبد الملک بن مروان کو لایا گیا اور پل صراط پر ڈالا گیا، اور وہ کچھ ہی دور اس پر چلے تھے کہ پل صراط جھک گیا اور وہ جہنم میں گر گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر امیر المؤمنین ولید بن عبد الملک کو لایا گیا اور پل صراط پر ڈالا گیا، اور وہ بھی کچھ ہی دور اس پر چلے تھے کہ پل صراط جھکا اور وہ جہنم میں گر گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک کو لایا گیا اور پل صراط پر ڈالا گیا، اور وہ بھی کچھ ہی دور اس پر چلے تھے کہ پل صراط جھکا اور وہ جہنم میں گر گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ نے کہا کہ پھر کیا ہوا؟ کہنے لگی کہ پھر اے امیر المؤمنین! آپ کو لایا گیا۔

اتنا سنتے ہی انہوں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ وہ باندی

ان کے کان میں کہتی جارہی تھی کہ اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم، میں نے دیکھا کہ آپ نجات پا گئے، خدا کی قسم، آپ نجات پا گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ باندی تو یہ کہتی جارہی تھی اور عمر بن عبدالعزیز کی چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ اپنے پیروں کو زمین پر رگڑتے جارہے تھے۔ (احیاء العلوم: ۱۸۷/۴)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور خوف آخرت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خوف آخرت بھی بے مثال تھا، آپ کے شاگرد رشید امام یزید بن الکمیت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ علی بن الحسین المؤذن نے عشاء کی نماز میں سورہ ''اذا زلزلت'' پڑھی، امام ابوحنیفہ بھی پیچھے تھے، جب لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے تو میں نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ آپ کسی بات میں متفکر ہیں اور سانس پھول رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ مجھے یہاں سے چلنا چاہئے تا کہ آپ کو میری وجہ سے پریشانی نہ ہو، کہتے ہیں کہ میں وہاں سے قندیل کو یوں ہی چھوڑ کر چلا آیا، اور قندیل میں تھوڑا سا تیل تھا۔ جب میں صبح صادق کے بعد مسجد کو آیا تو دیکھا کہ امام ابوحنیفہ کھڑے ہوئے اپنی ڈاڑھی کو پکڑ کر کہہ رہے ہیں کہ:

> ''اے وہ ذات جو ہر خیر کا بدلہ خیر سے اور ہر شر کا بدلہ شر سے دیتی ہے، نعمان (یہ امام ابوحنیفہ کا نام ہے) کو دوزخ کی آگ سے بچالے، اور اپنی رحمت میں داخل کرلے''

یزید بن الکمیت کہتے ہیں کہ میں نے اذان دی اور اندر داخل ہوا تو امام صاحب نے پوچھا کہ کیا قندیل بجھانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ صبح کی اذان ہو چکی ہے۔ فرمایا کہ میری جو کیفیت تم نے دیکھی ہے اس کو لوگوں سے چھپائے رکھنا۔

کہتے ہیں کہ پھر آپ نے سنت فجر دو رکعتیں پڑھیں اور اسی عشاء کے وضو سے ہمارے ساتھ فجر کی نماز ادا فرمائی۔

(وفیات الاعیان: ۴۱۲/۵، الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیہ: ۳۲/۱)

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کا حال

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود رکھی تھی، اور جب بھی وہ اپنے دل میں قساوت پاتے تو اس قبر میں داخل ہوتے اور لیٹ جاتے اور جب تک اللہ چاہتے اس میں رہتے، پھر (وہ بات جو قیامت میں کفار اللہ سے کہیں گے وہ) کہتے کہ: ﴿رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ﴾ [المومنون: ۹۹-۱۰۰] (اے میرے رب! مجھ کو پھر بھیج دیجئے، شاید میں کچھ بھلا کام کرلوں، اس میں جو میں نے چھوڑا ہے)

اور یہ بار بار کہتے جاتے، پھر اپنے نفس کو جواب دیتے کہ اے ربیع! میں نے تجھے واپس کیا ہے لہذا اب نیک عمل کرنا۔

(احیاء العلوم: ۴۸۶/۴)

سلیمان بن عبدالملک کا گریہ

ابوزکریا التیمی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک مسجد حرام میں تھے، ان کے پاس ایک پتھر لایا گیا جس پر تراش کر کچھ لکھا گیا تھا، پس انہوں نے اسے پڑھنے والے کو طلب کیا، تو حضرت وھب بن منبہ کو لایا گیا، انہوں نے اس کو پڑھا، جس میں لکھا تھا:

"ابنَ آدمَ! إنَّكَ لوْرَأيتَ قُرْبَ مابَقِيَ مِن أجلِكَ لَزَهَدتَ فِيُ

طُولِ أمَلِكَ وَ لَرَغِبتَ فِي الزيادَةِ مِن عَمَلِكَ ، وَ لَقَصَرتَ مِن حِرصِكَ وَ حِيَلِكَ ، و إِنَّما يَلقَاكَ غَداً نَدَمُكَ لَو قَدُ زَلَّتُ بِكَ قَدَمُك، و أَسلَمَكَ أَهْلُكَ و حَشَمُك ، و فَارَقَكَ الوَالدُ و القَرِيبُ، و رَفَضَكَ الولَدُ و النَّسِيبُ فَلاَ أَنتَ إِلىٰ دُنيَاكَ عَائِدٌ و لاَ فِي حَسَناتِكَ زَائِدٌ ، فَاعمَلُ لِيَومِ القِيَامَةِ قَبلَ الحَسرَةِ و النَّدَامَةِ"

(اے ابن آدم! اگر تجھے تیری بقیہ عمر کا قریب ہونا معلوم ہو جائے تو تو لمبی آرزؤں میں کمی کر دے اور اپنے عمل میں زیادتی کی جانب راغب ہو جائے اور اپنی حرص و ہوس کو مختصر کر دے۔ اور تجھے بڑی شرمندگی لاحق ہو گی اگر تیرے قدم پھسل جائیں اور تیرے اہل و عیال اور دوست احباب تجھے قبر کے حوالے کر کے واپس ہو جائیں اور تجھ سے تیرا باپ اور رشتہ دار جدا ہو جائیں اور بیٹا اور احباب تجھے چھوڑ کر چلے جائیں۔ پس پھر تو نہ تو تیری دنیا میں واپس آ سکے گا اور نہ اپنے اعمال میں کوئی زیادتی کر سکے گا۔ لہذا قیامت کے دن کے لئے حسرت و شرمندگی سے پہلے ہی تیاری کر لے)

یہ سن کر امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک پر شدت کا گریہ طاری ہو گیا اور وہ روتے رہے۔

(احیاء العلوم:۴/۴۵۵)

ہارون الرشید رحمہ اللہ کا خوف آخرت سے گریہ

ایک مرتبہ حضرت ابن السماکؒ جو بڑے بزرگ اور خلفاء کے یہاں ایک خاص مقام کے حامل گزرے ہیں، انہوں نے امیر المومنین ہارون الرشید کو نصیحت کی

اور فرمایا کہ:

''آپ کو اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور کسی ایک ٹھکانے کی طرف جانا ہے۔لہذا دیکھ لینا کہ آپ کا ٹھکانا کیا ہے، جنت ہے یا دوزخ؟''

یہ سن کر بادشاہ کو بہت رونا آیا اور وہ بے تحاشا رونے لگے۔ یہ دیکھ کر ان کے بعض خواص حضرات نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! ذرا اپنے اوپر رحم کیجئے۔تو حضرت ابن السماک نے کہا کہ امیر المومنین کو چھوڑو کہ وہ روتے روتے مر جائیں تا کہ کہا جائے کہ امیر المؤمنین اللہ کے خوف سے مر گئے۔

(النجوم الزاہرہ:۱/۱۷۸)

عبداللہ بن مرزوق رحمہ اللہ کی فکر آخرت

عبداللہ بن مرزوق پہلے بڑے آزاد منش اور لہولعب میں وشراب و کباب میں مشغول رہتے تھے، ایک بار وہ امیر المومنین مہدی کے ساتھ تھے، اور گانے بجانے کے ساتھ خوب شراب پی لی اور نشہ میں مست پڑے رہے، یہاں تک کہ ظہر وعصر و مغرب کی نمازیں فوت ہو گئیں، اور ان کی باندی ان کو ہر نماز پر بیدار کرتی تھی مگر وہ اٹھتے نہیں تھے۔

جب عشاء کا وقت ہوا تو باندی نے آگ کی ایک چنگاری لی اور ان کے پیر پر لگا دیا، اس کے اثر سے وہ اٹھے اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ باندی نے کہا کہ یہ دنیا کی آگ ہے، آپ آخرت کی آگ کو کیسے برداشت کریں گے؟

یہ سن وہ خوب روتے رہے، اور اٹھ کر نماز پڑھی، باندی کی بات ان کے دل میں اثر کر گئی تھی، پس وہ سمجھ گئے کہ نجات تو صرف اسی میں ہے کہ میں یہ سارے کام چھوڑ دوں جس میں مبتلا ہوں۔

لہذا انہوں نے اپنی ساری باندیوں کو آزاد کردیا اور جن جن سے معاملات تھے ان سے معاملات صاف کئے اور جو مال باقی بچا اس کو صدقہ دیدیا، اور ترکاری و سبزی بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔

آخرت پر کیسا یقین تھا؟

مؤمن کو اللہ سے ملاقات کا ایسا پکا یقین ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے مناظر کا دنیا ہی میں مشاہدہ کرتا ہے، جیسے ایک صحابی حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں مشرکین کو قریب ہوتا دیکھا تو فرمایا کہ اس جنت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے، حضرت عمیر نے کہا کہ "بخ بخ" یعنی واہ واہ، آپ نے پوچھا کہ تم نے واہ واہ کیوں کہا؟ تو عرض کرنے لگے کہ میں بھی ان لوگوں میں داخل ہونے کی امید و آرزو رکھتا ہوں جو اس میں جانے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم بھی ان لوگوں میں ہو، پھر وہ اپنی تھیلی سے کھجوریں نکال کر کھانے لگے، پھر کہا کہ: لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتّٰى آكُلَ تَمَرَاتِي هٰذِهِ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ "(اگر میں ان میرے کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہوں تو یہ بڑی لمبی زندگی ہے) یہ کہہ کر گئے اور لڑ کر شہید ہوگئے۔

(مسلم: ۱۹۰۱، سنن بیہقی: ۴۳/۹، مسند احمد: ۱۳۶/۳، طبقات ابن سعد :۴۲۵/۳، الاصابہ: ۵۹۴/۴)

مطلب یہ کہ آخرت کا ایسا یقین تھا کہ کھجوروں کے کھانے تک کا وقت بھی ان کو اس دنیا میں زیادہ اور طویل لگ رہا تھا، اور اس کے مقابلے میں ان کو جنت بالکل سامنے نظر آرہی تھی، گویا کہ وہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہے ہوں۔

موت کس قدر قریب ہے؟

حضرت سلیمان التیمی ایک بڑے درجے کے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، ان کے صاحبزادے حضرت معتمر بن سلیمان کہتے ہیں کہ ہمارے والد کا ایک مکان تھا، جس میں وہ رہا کرتے تھے، وہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے گر گیا تو انہوں نے ایک خیمہ گاڑ لیا اور مرتے دم تک اسی میں رہے، لوگوں نے ان سے کہا کہ حضرت! آپ اس مکان کو کیوں نہیں بنا لیتے! تو فرمایا کہ معاملہ تو اس سے بھی زیادہ قریب ہے کہ موت آجائے۔

(حلیۃ الاولیاء: ۳/۳۰)

بھائیو! ادھر آنکھ بند ہوتے ہی نظر آجائے گا کہ جنت ہے، جہنم ہے، عذابات کا سلسلہ ہے، فرشتے ہیں وغیرہ، تو آنکھ بند ہونے میں کتنی دیر ہے بھائی! ایک سکینڈ لگے گا، تو سمجھ لو کہ آخرت بھی اتنی ہی قریب ہے۔

قبر میں صرف اعمال جائیں گے

حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا" کہ ایک آدمی کے تین بھائی تھے، ایک بڑا بھائی، ایک درمیانی اور ایک اس سے چھوٹا۔ جب اس شخص کا انتقال ہونے لگا تو اس نے اپنے بڑے بھائی کو بلایا اور کہا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں اور میری موت کا وقت آگیا ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ ساتھ رہیں، میری قبر میں بھی آپ تشریف لائیں، اور مجھ سے کبھی جدا نہ ہوں۔ وہ بڑا بھائی کہہ دے گا کہ میں تو یہ کام نہیں کر سکتا، البتہ اتنا کر سکتا ہوں کہ جب تک تیری جان میں جان ہے، تیرے پاس بیٹھا رہوں گا، لیکن جوں ہی تیری جان

نکل جائے گی، پھر میرا اور تیرا کوئی رشتہ نہیں۔

وہ مرنے والا مایوس ہوکر اپنے دوسرے بھائی کو بلائے گا اور کہے گا کہ بھائی دیکھو! آپ بھی میرے بھائی ہیں، آپ کا ہمارا دوستانہ رہا، ہم میں پیار محبت رہی اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرتے رہے، اب میری موت کا وقت آ گیا ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ میری قبر میں بھی آ جائیں تا کہ وہاں بھی ساتھ ساتھ رہیں جیسے یہاں ساتھ ساتھ رہے۔

وہ کہے گا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ میں تیرے ساتھ آ جاؤں، ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ جب تک تیری جان میں جان ہے، تیرے پاس رہوں گا، جان نکل جائے تو تجھے نہلاؤں گا، دھلاؤں گا اور پھر اس کے بعد تجھ کو اٹھا کر لے جاؤں گا، قبر میں تجھ کو پہنچا کر اس کے بعد واپس آ جاؤں گا۔

وہ مایوس ہوکر تیسرے چھوٹے بھائی کو بلا کر کہے گا کہ میں نے تجھے مارا ہے، پیٹا ہے، تجھ پر چھوٹا ہونے کی وجہ سے ظلم بھی کیا ہے، لیکن اب میرا بڑا خراب وقت آ گیا ہے، میں مرنے جا رہا ہوں، میرا کوئی سہارا نہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو میرے ساتھ ساتھ رہے اور تو میری قبر میں بھی میرے ساتھ آ جائے۔

تو یہ تیسرا بھائی کہے گا کہ ہاں جب تک کہ روح تیری موجود ہے، دم میں دم موجود ہے تب تک بھی میں تیرے ساتھ ہوں، اور جب تو مر جائے گا تو نہلانے دھلانے میں، سب میں شریک رہوں گا، اور جب قبر میں تجھے دفن کیا جائے گا تو وہاں بھی تیرے ساتھ ساتھ آ جاؤں گا۔

حضرت نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے یہ سنا کر صحابہؓ سے پوچھا کیا تم کو سمجھ میں آیا کہ یہ تین بھائی کون تھے؟ صحابہ نے کہا: "اللّٰه ورسوله اعلم" (اللہ اور اس

کا رسول بہتر جانتے ہیں)۔آپ نے فرمایا کہ آدمی کا پہلا بھائی اس سے مال و دولت مراد ہے، جب آدمی اس سے کہے گا کہ میرے ساتھ قبر میں چل، تو مال دولت یہ کہے گی کہ نہیں ،نہیں، میں تو تیرے ساتھ نہیں آسکتی، ہاں جب تک تیری جان میں جان ہے، میں تیری ہوں اور جب جان نکل گئی تو تیرا ہمارا کوئی رشتہ نہیں، روح نکلتے ہی مال تو کسی اور کا ہو جاتا ہے، دوسرے لوگ ہڑپ کرنے کو تیار بیٹھے رہتے ہیں، بلکہ ایسے واقعات بھی آج کل پیش آرہے ہیں کہ ادھر روح قبض ہوئی اور ادھر مال کے بارے میں جھگڑا شروع ہو گیا کہ مجھے ملے، تجھے ملے، تو یہ بڑا بھائی مال ہے۔

اور فرمایا کہ دوسرے بھائی سے مراد دراصل رشتہ دار ہیں، دوست احباب ہیں، یہ آدمی کے ساتھ اس وقت تک رہتے ہیں، جب تک کہ قبر میں اس کو دفن کیا جاتا ہے، لیکن قبر میں دفن ہوتے ہی سب کے سب واپس آجاتے ہیں۔

اور تیسرا چھوٹا بھائی کون ہے؟ فرمایا کہ تیسرے بھائی سے مراد اس کے اچھے یا برے اعمال ہیں۔

(کتاب الامثال للمحدث رامہرمزی)

ایک حدیث میں اسی مضمون کو اس طرح مختصر کر کے بیان فرمایا کہ: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو واپس لوٹ جاتی ہیں اور ایک اسی کے ساتھ باقی رہ جاتی ہے، اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کا عمل تین جاتے ہیں، اہل وعیال اور مال واپس چلے آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

(ترمذی: ۲۳۷۹)

الغرض قبر میں صرف اعمال ہی ہمارے ساتھ جائیں گے، اور کوئی چیز ساتھ نہیں جائے گی، اس لیے قبر کے حالات ہمیشہ ہمارے سامنے ہونا چاہیئے۔

قبر کی آگ کا علاج

بعض علماء سے یہ واقعہ جو بڑا عجیب وحیرت انگیز ہے سنا گیا کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دور میں ایک شخص مسافر کہیں جارہا تھا، راستہ میں کسی شخص کو نزع کے عالم میں دیکھا اور مرنے کے بعد اس کی تجہیز وتکفین میں شریک رہا اور خود قبر میں اُتر کر اسکو قبر میں رکھا، اس کے بعد اس کو اندازہ ہوا کہ اس کے جیب سے روپیوں کی تھیلی غائب ومفقود ہے۔ خیال ہوا کہ شاید تدفین کے وقت قبر میں گرگئی ہوگی، اس لئے قبر کو کھودنے کا ارادہ کیا اور کھودنا شروع کیا، تو دیکھتا کیا ہے کہ قبر آگ کے شعلے بھڑکا رہی ہے اور اس آگ کا اس کے ہاتھ پر بھی اثر ہوا، جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں بے انتہاء سوزش وجلن پیدا ہوگئی جو ناقابل برداشت وتحمل تھی، اس نے اس کا علاج بھی کرایا، مگر تمام اطباء وحکماء اور ڈاکٹر عاجز آگئے، کسی کا علاج کارگر نہ ہوا، ایک زمانہ اسی بے قراری و بے چینی واضطراب وپریشانی میں گذر گیا، کسی نے اسکو مشورہ دیا کہ تم دہلی جاؤ وہاں اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم و بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ ہیں، ان سے دعاء کراؤ، وہ شخص اس مشورہ پر دہلی حضرت کی خدمت میں گیا اور سارا واقعہ سنایا، اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ قبر میں جس آگ سے تیرا ہاتھ جلا ہے وہ دنیا کی آگ نہیں، بلکہ آخرت کی اور جہنم کی آگ ہے، جہنم کی آگ کا علاج دنیا کی دوائیاں اور دنیا کے حکیم وڈاکٹر نہیں کرسکتے، اس آگ کا علاج صرف ایک ہے، وہ یہ کہ اللہ سے اپنے گناہوں پر استغفار کرو اور اس کے سامنے خوب گڑگڑا کر روؤ اور آنکھوں سے جو آنسوں نکلیں وہ اپنے اس جلے ہوئے ہاتھ پر لگا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ خدا کے خوف سے رونے سے بجھ سکتی ہے۔

چنانچہ اس آدمی نے ایسا ہی کیا تو دیکھا کہ وہ سوزش اور جلن ختم ہوگئی، معلوم ہوا کہ یہ آنسو کے قطرے بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔

ایک جھوٹے پیر کی قبر کی حالت

ایک صاحب مجاور تھے اوران کے بہت سارے مرید تھے، اور جو اس قسم کے ڈھکوسلے لوگ ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہیں کرتے، بلکہ گمراہ کرتے رہتے ہیں، تو ان صاحب نے اپنے مریدین کو یوں گمراہ کر رکھا تھا کہ میں کبھی نہیں مروں گا، ہاں تھوڑی دیر کے لیے مجھے موت آئے گی، ظاہری موت، لیکن جب مجھے قبر میں آپ لوگ دفنا دیں گے تو پھر میری وہاں زندگی شروع ہو جائے گی اور اس پیر نے کہا کہ جب میں مر جاؤں گا تو چالیس دن کے بعد پھر واپس آؤں گا، تو ان کے مریدین نے کہا کہ حضرت! آپ کے لیے جو قبر شریف بنے گی وہ قبر شریف کیسی بنی چاہیے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس میں ایسے ٹائلس لگاؤ اور یوں اس میں پینٹ لگاؤ، یوں زیب و زینت کرو اور اسی کے ساتھ اس میں ''اے سی'' بھی فٹ کرو۔ مریدین نے کہا کہ ہاں! ہم اسی طرح تیار کریں گے، چنانچہ وہ صاحب ابھی موجود ہی تھے، زندہ ہی تھے، اسی وقت ان کے لیے قبر تیار کی گئی، سارے انتظامات کر دیے گئے، اور عالی شان قبر تیار ہو گئی، ٹائلس اور پھول و بوٹے سب لگائے و بنائے گئے، باہر سے تار کھینچ کر اس میں ''اے سی'' فٹ کی گئی۔

دیکھئے! اس کے مریدین کس قدر پکے تھے، اگرچہ شیخ کچا تھا، عام طور پر ایسا دیکھنے میں آیا کہ سچے پیروں کے مرید بڑے کچے ہوتے ہیں، اور کچے پیروں کے مرید بڑے پکے ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا راز ہے،

لیکن عام طور پر آجکل دیکھا ایسے ہی گیا ہے۔

اس کے بعد بہرحال وہ وقت جو سب کو آنا ہے، اس کو بھی وہ وقت آ گیا، یعنی موت کا وقت، جب وہ مر گیا تو اس کے مریدین نے اس کو نہلایا، دُھلایا، اور لے جا کر دفن کر دیا، دفن کرنے کے بعد ''اے سی'' بھی چالو کر دیا؛ تا کہ اندر حضرت کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگے۔ اس کے بعد انتظار شروع کر دیا کہ حضرت تشریف لائیں گے، لیکن وہ تشریف کب لاتے؟

بہت دن ہو گئے تو اس کے بعد ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ بھائی! پیر صاحب نے چالیس دن میں واپس آنے کا وعدہ کیا تھا، مگر چالیس دن ہو چکے ہیں، ابھی تک نہیں آئے، کیا بات ہے، ذرا خبر تو لے لیں۔ مشورہ کیا گیا اور قبر کو کھولنے کی بات تجویز کی گئی۔ پیر صاحب کی وہ قبر ایسی بنائی گئی تھی کہ قبر کے اوپر ایک دروازہ بنایا گیا تھا تا کہ آسانی سے کھولا جا سکے، گویا کہ گھر ہی بنا دیا تھا۔ اب جب اس کو کھولا تو عجیب وغریب تماشا نظر آیا، عذاب کی کیفیت نظر آئی، اور جو ''اے، سی'' انہوں نے فٹ کی تھی، جو کچھ ٹیلس وغیرہ لگائے تھے، اس کا تو اس میں نام ونشان نہیں تھا، وہاں تو کچھ اور ہی کیفیت اور حالت تھی، بس جناب عبرت ہوتی ہے۔

رابعہ بصریہؒ کا قبر میں فرشتوں سے مناظرہ

حضرت رابعہ بصریہؒ کا جب انتقال ہو گیا، کسی کے خواب میں وہ آئیں، خواب دیکھنے والے نے پوچھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا تھا، اللہ کے پاس کیسے گزری، تو کہا کہ جب مجھے دفن کیا گیا، تو فرشتے آئے پوچھنے اور سوال کرنے کے لیے، انہوں نے مجھ سے پوچھا ''مَنْ رَّبُّكَ'' تو میں نے کہا کہ تم کون ہو؟ کہا کہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ کہا کہ آسمان سے آئے ہیں، میں نے

پوچھا کہ آسمان یہاں سے کتنی دوری اور فاصلہ پر ہے؟ تو کہا کہ پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، آدمی کی رفتار سے یہاں کوئی چلے تو پانچ سو برس میں آسمان اول پر پہنچے گا........ ہاں فرشتہ کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے، اس لئے وہ وہاں سے ایک لمحہ میں آجاتا ہے، وہ تو اس کو اللہ نے قدرت دی ہے........ تو انہوں نے کہا کہ یہاں سے پانچ سو برس کا فاصلہ ہے، تو میں نے کہا کہ اچھا تم کو معلوم ہے کہ تمہارا رب کون ہے؟ کہا کہ ہاں ہم کو معلوم ہے، میں نے کہا کہ جب پانچ سو برس کے فاصلہ کو طے کر کے تم خدا کو نہیں بھولے تو میں دو گز زمین سے نیچے آکر اپنے رب کو کیسے بھول جاؤں گی۔

دیکھئے! اللہ کے نیک بندوں کا کچھ مقام بھی ہوتا ہے، وہ اللہ کے فرشتوں کو بھی ایسا جواب دے دیتے ہیں جو ''لاجواب'' ہوتا ہے۔

موت کے وقت اہل اللہ کا قابل رشک حال

ایک واقعہ یاد آگیا کہ بھوپال میں ایک بزرگ حضرت مولانا یعقوب صاحب مجددی رحمہ اللہ گذرے ہیں، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب علیہ الرحمہ ان کی مجلس میں جا کر بیٹھا کرتے تھے، اور ان کے ملفوظات بھی جمع فرمائے ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال کا وقت آیا تو جمعہ کا دن تھا، صبح کے وقت اٹھ کر جلدی سے انہوں نے غسل کیا، اور عمدہ کپڑے پہنے، بڑے حشاش بشاش نظر آرہے تھے، اور چہرے پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ تھی، لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کا کوئی سفر ہے کیا؟ بہت جلد تیار ہو گئے ہیں، کہا کہ ہاں سفر ہے، لوگ سمجھے کہ کہیں قریب کا سفر ہوگا، لیکن حضرت گئے ہی نہیں، نماز جمعہ کا وقت قریب آنے لگا، تو خادموں سے کہا کہ تکیہ لاؤ، تکیہ لایا گیا، پھر حضرت لیٹ گئے، اور کلمہ پڑھا اور روح

قبض ہوگئی، تب لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ یہ پوری تیاری دراصل آخرت کے سفر کے لئے تھی، دیکھئے اللہ سے ملاقات کی کیسی خوشی تھی ان کو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کو موت کے وقت کس قدر خوشی وفرحت ہوتی ہے کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں، اور وہ بزبان حال یوں کہتے ہیں کہ

خرم آں روز کہ زیں منزل ویراں بروم

(میں اس دن بڑا خوش ہوں گا جب اس ویران منزل سے کوچ کروں گا)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو موت کی تمنا

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ آپ بیٹھے ہوئے تھے، ایک صاحب سامنے سے دوڑتے ہوئے جا رہے تھے، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ٹھیرا کر پوچھا کہ بھاگ بھاگ کر کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حضرت بازار جا رہا ہوں۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:
"اِنْ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَشْتَرِيَ لِيَ الْمَوْتَ قَبْلَ اَنْ تَرْجِعَ فَافْعَلْ" ارے بھائی! بازار میں کہیں موت بکتی ہو تو ایک عدد میرے لئے خرید کر لانا۔ اللہ اکبر! دیکھئے موت کا کس قدر انتظار لگا ہوا ہے۔

(شرح الصدور: ۱۸)

قبر کی یاد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گریہ

حدیث کی روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو بہت رویا کرتے تھے حتی کہ آپ کی ڈاڑھی تر ہو جاتی تھی۔ آپ سے اس سلسلہ میں معلوم کیا گیا کہ آپ جنت یا دوزخ کے ذکر پر اس قدر نہیں روتے

اور قبر پر اس قدر روتے ہیں؟

تو فرمایا کہ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

”القَبرُ أَوَّلُ مَنَازِلِ الآخِرَةِ ، فَإِنْ يَنجُ مِنهُ فَمَا بَعدَهُ أَيسَرُ مِنهُ ، وَ إِنْ لَمْ يَنجُ مِنهُ فَمَا بَعدَهُ أَشَدُّ مِنهُ“

(قبر آخرت کی منزلوں میں سے اول ہے، پس اگر اس سے نجات پا گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے آسان ہوں گی اور اگر اس سے نجات نہیں پایا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی)

اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ:

”وَاللّٰهِ مَا رَأَيتُ مَنظَراً قَطُّ وَالقَبرُ أَفظَعُ مِنهُ“ (میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ خوف ناک نہیں دیکھا)

(ترمذی: ۲۳۰۸، ابن ماجہ: ۴۲۶۷، مسند احمد: ۴۵۴، مستدرک: ۱/۳۷۱)

گناہوں کی وجہ سے قبر کا عذاب

ابراہیم الخواص کہتے ہیں کہ میں قبروں کے پاس بہت زیادہ جایا کرتا تھا، ایک دن ایک قبر کے پاس بیٹھا تو نیند لگ گئی، میں نے ایک کہنے والے کو سنا کہ کہتا ہے کہ زنجیر لو اور اس کو اس میں داخل کرو اور نچلے حصہ سے اس کو باہر نکالو، اور میت کہتی ہے کہ اے رب! کیا میں قرآن نہیں پڑھتا تھا، کیا میں نماز نہیں پڑھتا تھا؟ کیا میں نے حج نہیں کیا تھا؟ اس کے جواب میں ایک کہنے والا کہتا ہے کہ ہاں! لیکن جب تو خلوت وتنہائی میں ہوتا تو گناہ کرتے ہوئے میرا خیال ومراقبہ نہیں کرتا تھا۔

(الزہر الفاتح لابن الجوزی: ۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے بے نیازی

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کافروں کے بہت سارے گرو گھنٹالوں نے ایک آدمی کو بھیجا، وہ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے فلاں اور فلاں نے آپ کے پاس بھیجا ہے، میں مکہ کے سرداروں کی طرف سے آیا ہوں اور مجھے ایک بات آپ کے سامنے رکھنی ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ پیغام لیکر آیا ہوں کہ اگر آپ دین اسلام چھوڑ دیں تو ہم آپ کو حکومت و سرداری دینے تیار ہیں، ہم آپ کو اپنا سردار بنالیں گے، اور آپ چاہیں تو ساری دولتیں آپ کے قدموں میں لا کر ڈالدیں گے، اور اگر آپکا مقصد عیش و راحت ہے تو ہم عرب کی خوبصورت لڑکیاں آپ پر نچھاور کردیں گے۔ بس یہ شرط ہے کہ آپ یہ دین کا کام کرنا چھوڑ دیں، توحید و سنت کا کام بند کردیں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سننے کے بعد پوچھتے ہیں، آپ کی بات ختم ہوگئی؟ وہ کہتا ہے، ہاں! میں نے اپنی بات پوری کرلی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''اب میری بات سنو''، اس کے بعد آپ قرآن مجید کی تلاوت شروع کردیتے ہیں، سورہ حم سجدہ کی آیتیں پڑھنی شروع کردیتے ہیں، آپ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وہ آیتیں آگئیں جس میں قوم عاد کا اور مختلف قوموں اور لوگوں کا ذکر ہے، ان کی ہلاکت وتباہی کا ذکر ہے تو اس آدمی سے برداشت نہ ہوا اور وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہونچ کر آپ کے منھ پر ہاتھ رکھکر کہتا ہے: ''اللہ کے لئے اس کو بند کرو میرے سینے میں اس کو سننے کی

طاقت موجود نہیں ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بند کر دیتے ہیں تو وہ اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

کافر لوگ مکہ کے سردار وہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے ہیں کہ آپ کے پاس سے کیا جواب لاتا ہے؟ لیکن اس آدمی میں ان سے بات کرنے کی طاقت نہیں تھی، تو اپنے گھر چلا گیا اور تین دن تک لوگوں کو نظر بھی نہیں آیا، تین دن کے بعد وہ لوگوں کے سامنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا کلام پیش کرتے ہیں کہ میں نے کبھی ایسا کلام نہیں سنا ہے۔

(تفسیر قرطبی: ۳۳۸/۱۵، حیاۃ الصحابہ: ۳۷/۱)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا دی جارہی تھی، دولت و مال آپ کے قدموں میں ڈالنے کے وعدے کیئے جارہے تھے، لیکن آپ نے یہ فرمایا کہ امارت، عیش وعشرت اور مال و دولت تو میرے پیروں میں ہے، اس میں سے کسی کو بھی لینا نہیں چاہتا، دنیا کی دولت اور دنیا کی چیزوں کی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے اندر ایک پائی کے برابر بھی نہیں تھی۔

بحرین کا جزیہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز

حدیث میں آتا ہے کہ مدینہ ہجرت کے بعد بہت سارے ممالک فتح ہوتے چلے گئے، بحرین کا ملک بھی فتح ہوگیا، اس وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بحرین بھیجا کہ جاؤ (tax) ٹیکس وصول کر کے لاؤ۔ چنانچہ حضرات صحابہ گئے، اور بحرین سے دولت کا انبار لے کر آئے، اس میں سونا، چاندی، اناج و غلہ اور کپڑا اور دیگر مختلف قیمتی چیزیں تھیں۔

یہ سب چیزیں مسجد نبوی کے صحن میں جمع کردی گئیں، اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی گئی۔ ذرا سوچئے کہ اگر میں یا آپ اس جگہ ہوتے تو جا کر کم از کم دیکھتے کہ کتنی دولت آئی ہے؟ اور کیا کیا مال آیا ہے؟ لیکن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، مسجد میں ڈال دو اور آرام کرو، صحابہؓ اپنی اپنی جگہ چلے گئے، لوگوں میں شہرت ہوگئی کہ بحرین سے بہت کچھ مال آگیا ہے، یہ دور فقر و فاقہ کا دور تھا، ایسے دور میں بحرین سے اس قدر مال جمع ہوگیا تھا، فجر کی نماز کا وقت ہوگیا تو مدینہ کی مختلف مساجد کے نمازی بھی مسجد نبوی کے اندر آکر جمع ہوگئے، ایک جم غفیر دوسرے دنوں کے لحاظ سے کچھ زیادہ ہی تھا، اب لوگ انتظار میں ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر پڑھانے کے لئے آئیں گے۔

چنانچہ وقت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساتھ میں موجود تھے لوگوں کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آکر مال کا جائزہ لیں گے اور ایک ایک چیز کو اچھی طرح غور و فکر سے دیکھیں گے، لیکن دیکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ایک نگاہ بھی اٹھا کر مال کی طرف نہیں دیکھا، بلکہ سیدھا محراب کے اندر تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی، اس کے بعد مصلیوں کی طرف چہرہ کرکے بیٹھ گئے اور پوچھا کہ تم لوگ مختلف محلوں کے یہاں جمع ہوگئے، شاید تم لوگوں کو یہ خبر ملی ہوگی کہ بحرین سے مال آیا ہے، اس لئے تم لوگ یہاں جمع ہوگئے ہو، صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں! یارسول اللہ! ہم اسی لئے جمع ہوئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

پچھلی امتیں جو تباہ و ہلاک ہوئیں، وہ مال و دولت میں غرق ہونے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، مجھے کوئی خوف تمہارے فقر و فاقہ کا نہیں ہے، اگر مجھے کسی بات کا خوف

تمہارے بارے میں ہے تو یہی کہ دنیا تمہارے اوپر وسیع کردی جائے اور تم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مسابقت (race) کروگے اور ہلاک کردیئے جاؤگے، پھر اس کے بعد مال کے پاس تشریف لائے اور حضرت بلال سے فرمایا کہ تقسیم کرنا شروع کرو، جس کو جس چیز کی ضرورت ہو دیتے چلے جاؤ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تقسیم کرتے رہے یہاں تک کہ جو کچھ آیا تھا سب تقسیم ہوگیا، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھے ہیں تو یوں اپنا دامن جھاڑ کر اٹھ گئے کہ ایک پائی بھی اپنے لئے نہیں رکھی۔

(بخاری: ۱؍۴۴۷، مسلم: ۲؍۴۰۷)

یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے کہ اتنے مال کی فراوانی کے باوجود ایک نگاہ بھی اٹھا کر آپ نے نہیں دیکھی اور حضرات صحابہؓ کے دلوں میں جو تھوڑی سی محبت جمع ہوگئی تھی، اس کو بھی کھینچ کر نکال دیا۔

مال و دولت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوری

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھائی، نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پھلانگتے ہوئے بڑی تیزی کے ساتھ گھر گئے، حضرات صحابہؓ پریشان ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت پیش آگئی کہ آپ دوڑتے ہوئے اور لوگوں کو پھلانگتے ہوئے گھر تشریف لے گئے؟...... کچھ دیر بعد واپس آئے، اور دیکھا کہ ان حضرات کو تعجب ہو رہا ہے تو صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ نماز میں مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں ایک سونے کا ٹکڑا رہ گیا ہے، میں نے یہ مکروہ سمجھا کہ وہ مجھے مشغول کرلے، ایک روایت میں یوں فرمایا کہ کہیں وہ میرے پاس رات میں رہ نہ جائے، لہٰذا میں

نے اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیدیا ہے۔

(بخاری:۸۵۱،نسائی:۱۳۶۴)

یہ تھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، کہ آپ کے دل میں دنیا کی کوئی محبت نہیں تھی ،اب اللہ کے نبی کا دل دیکھو کہ کیسا تھا، میں یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لئے نمونہ موجود ہے، آپ کے دل کو دیکھ کر اپنا دل بھی ویسا ہی بنالو۔

دنیا ایک بدصورت مگر مزین بڑھیا

حدیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج تشریف لے گئے تو اس موقعہ پر ایک واقعہ پیش آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت آئی اور مزین تھی ،اپنے آپ کو اس نے آراستہ پیراستہ کیا تھا، زیورات کے ساتھ اور مختلف زیب وزینت کی چیزوں کے ساتھ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتی ہوئی آئی ،اللہ کے نبی علیہ السلام نے چہرہ پھیرلیا، پھر دوبارہ بھی آئی ،اللہ کے نبی علیہ السلام نے پھر چہرہ پھیرلیا، تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے آگے بڑھنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ،یارسول اللہ! آپ نے پہچانا کہ یہ عورت کون تھی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں میں نے نہیں پہچانا، کون تھی یہ عورت؟ جبرئیل امین علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ عورت نہیں بلکہ دراصل دنیا تھی ،اور یہ بوڑھی ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ، مزین کرکے آپ کو بہکانے کے لیے آئی تھی۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اس کی طرف نظر بھی نہیں فرمائی، اگر آپ خدانخواستہ اس عورت کو دیکھ لیتے تو آپ کی پوری امت ہلاک ہوجاتی

(تفسیر ابن کثیر:۵/۲۳)

اس ناپاک دنیا کو اللہ کے نبی ﷺ نے دیکھا نہیں اور امت کا یہ حال ہے کہ وہ اس میں ملوث ہے۔ اور اگر اللہ کے نبی دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ اس سے اندازہ کیجئے کہ آج ہم لوگوں کے اندر کتنا قصور اور فتور پیدا ہو گیا ہے اور ایمانی اعتبار سے کس قدر کمزوری آ گئی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے جس کو دیکھا تک نہیں، آج ہم اسی کے اندر پوری طرح ملوث ہو گئے ہیں۔

دنیا کی حقیقت۔ افلاطون کی نظر میں

ایک مرتبہ افلاطون کے زمانے کا بادشاہ اپنے کچھ لوگوں کے ساتھ اس سے ملنے جنگل گیا، ملاقات ہو گئی اور بادشاہ نے سوال کیا کہ آپ یہاں جنگل میں رہتے ہیں مگر یہاں آپ کے پاس کھانے اور پینے کی کوئی چیز بھی بظاہر نظر نہیں آتی، یہ کہتے ہوئے بادشاہ نے کچھ جملے ایسے استعمال کیے جس سے ایسا لگتا تھا کہ وہ اس کی حقارت کر رہا ہے۔ افلاطون کو یہ بات ناگوار گزری کہ دنیا کو یہ بہت کچھ سمجھتا ہے اور ہماری یہ حالت دیکھ کر ہم کو حقیر سمجھ رہا ہے، اس لئے افلاطون نے بادشاہ کو کچھ سبق پڑھانا چاہا، اس لئے افلاطون نے بادشاہ کے رخصت ہونے کے موقعہ پر اس سے کہا کہ جناب! میری ایک گزارش ہے، وہ یہ کہ فلاں وقت آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں، میں آپ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، اور صرف آپ کی نہیں، آپ کے تمام وزراء کی، ارکان دولت کی اور آپ کے مشیروں کی، اور آپ کے فوجیوں کی، سب کی دعوت ہے۔

اس کی بات کا بادشاہ انکار بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے اس نے افلاطون کی دعوت قبول کر لیا۔ اب جب وہ دعوت کا وقت آیا تو اپنے پورے لشکریوں کے ساتھ،

اپنے وزراء کے ساتھ، ارکان دولت کے ساتھ بادشاہ اس جنگل کی طرف چلنے لگا، جنگل کے قریب پہنچے تو دور ہی سے سب کو نظر آ رہا تھا کہ یہاں سے وہاں تک عظیم الشان قسم کی بلڈنگیں ہیں، راستے بنے نظر آ رہے ہیں، بہترین انتظامات نظر آ رہے ہیں، جنگل میں منگل ہو گیا ہے، یہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے کہ چند دنوں کے اندر اتنی بلڈنگیں یہاں کس نے بنا دی ہیں، یہ راستے کس نے بنا دیے ہیں، اتنا بہترین انتظام کس نے یہاں کر دیا ہے۔ خیر! اب جو وہاں پہنچے، تو افلاطون کے لوگ وہاں استقبال کے لیے موجود تھے، لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور لے جا کر ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیا، دیکھا تو بادشاہ کے لیے مخصوص عمارت تھی، وزیروں اور مشیروں کے لئے الگ انتظام تھا، جب کھانے کا وقت آیا تو بہترین قسم کے کھانے پیش کئے گئے، سب نے کھانا کھایا، اور خوب سیراب ہوئے، اور جب رات کا وقت آیا تو سب لوگ آرام کرنے اپنی اپنی بلڈنگوں میں پہنچ گئے اور سو گئے، لیکن صبح اٹھے تو دیکھتے ہیں کہ جنگل میں نہ کوئی بلڈنگ ہے، نہ کوئی راستہ ہے، اور نہ کوئی بچھونا ہے نہ اوڑھنا، کچھ بھی نہیں ہے، بالکل صاف جنگل ہے، سب کے سب جنگل میں نیچے پڑے ہوئے ہیں، اُدھر بادشاہ بھی نیچے پڑا ہوا ہے، اور اس کے وزیر بھی نیچے پڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر سب پریشان بھی ہوئے اور غصہ بھی ہوئے۔

افلاطون نے کہا کہ جو کچھ تم نے دیکھا تھا وہ دراصل میرے خیال کا نتیجہ تھا، قوت خیالیہ کا کرشمہ تھا، قوت خیالیہ سے آپ کے ذہنوں میں میں نے یہ بلڈنگیں ڈال دیں، یہ عجیب و غریب تماشہ آپ کو دکھا دیا، حقیقت میں کچھ نہیں تھا، میں نے تم کو یہ بتانا چاہا کہ جب تم آخرت میں جاؤ گے تو یہ دنیا کی زیب و زینت، بلڈنگیں و عمارتیں جسے تم سب کچھ سمجھتے ہو، اسی طرح محض ایک خیالی صورتیں نظر آئیں گی۔

دنیا مسافر خانہ ہے

حضرت ابراھیم بن ادھم رحمہ اللہ جو اپنے زمانے میں ایک بڑے بادشاہ تھے، ایک باران کا دربار لگا ہوا تھا، سارے ارکان دولت و وزیر لوگ موجود ہیں، اور بہت سارے دوسرے لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں، اسی دوران ایک آدمی ان کے محل کے اندر آیا اور دربار میں گھسنے کی کوشش کررہا تھا، اس کو دربانوں نے روکنا چاہا تو اس نے کہا کہ میں یہاں اپنا سامان رکھ کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ دربانوں نے اس سے کہا کہ تو بے وقوف ہے، پاگل ہے، تجھے معلوم نہیں کہ یہ بادشاہ کا دربار ہے، محل ہے۔ اس نے کہا کہ دربار ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ تو سرائے ہے، مسافر خانہ ہے، اس لئے میں کچھ دیر یہاں رکنا اور آرام کرنا چاہتا ہوں۔ یہ حجت و بحث ہورہی تھی کہ بادشاہ کی نظر اس پر پڑگئی، ابراھیم بن ادھم نے حکم دیا کہ کیا بحث ہورہی ہے، اس کو بلا کر لاؤ۔ اب اس آدمی کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ آدمی محل میں آرام کرنا چاہتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ سرائے ومسافر خانہ ہے۔ بادشاہ نے اس سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ تو اس آدمی نے کہا کہ یہ سرائے ہے، اس میں میرا بھی حق ہے، جیسا کہ آپ کا حق ہے، آپ یہاں رہ سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں رہ سکتا؟ میں مسافر ہوں، آرام کرنا چاہتا ہوں۔

بادشاہ نے کہا کہ یہ سرائے نہیں ہے، مسافر خانہ نہیں ہے، میرا محل ہے، اس آدمی نے بادشاہ سے پوچھا کہ آپ سے پہلے یہاں کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا باپ تھا، اس آدمی نے پھر پوچھا کہ ان سے پہلے کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا دادا تھا، اس نے پوچھا کہ اس سے پہلے کون تھا؟ بادشاہ نے کہا کہ میرا پر دادا تھا، یہ تو پیڑی در پیڑی ہمارے خاندان میں حکومت چلی آرہی ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ میں

یہی تو کہنا چاہتا ہوں کہ کبھی تو یہاں آپ کا پردادا تھا، کبھی آپ کا دادا تھا، کبھی آپ کا باپ تھا، اب آپ ہیں، کل آپ بھی نہیں رہیں گے، کوئی اور اس جگہ آجائے گا، کوئی آتا ہے تو کوئی جاتا ہے، اسی کا نام تو سرائے ہے، مسافر خانہ ہے۔ یہ کہکر وہ آدمی غائب ہوگیا، یہ دراصل اللہ کا فرشتہ تھا، جو بادشاہ کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اب بادشاہ پریشان ہوگیا، اس کی باتوں پر غور کرنے لگا کہ واقعی یہ دنیا ہے، مجھ سے بھی چھوٹ جائے گی، جیسے میرے باپ سے چھوٹ گئی، جیسے میرے دادا سے چھوٹ گئی، سب چھوڑ کر چلے گئے، کیسے کیسے بادشاہ آئے مگر سب چھوڑ کر چلے گئے، ایسے ہی ایک دن میں بھی چھوڑ کر چلا جاوں گا۔ اب جورات ہوئی تو یہ باتیں سوچ سوچ کر بادشاہ کو نیند نہیں آئی، بالآخر یہ فیصلہ کرلیا کہ اس سے پہلے کہ دنیا مجھے چھوڑ دے، مجھے دنیا کو چھوڑ دینا چاہیے، انہوں نے حکومت چھوڑ دی اور حضرت فضیل بن عیاض کی خدمت میں چلے گئے۔

دنیا پر مرنے والے آخرت میں شرمندہ ہوں گے

اکبرالہ آبادی کا ایک واقعہ یاد آگیا کہ وہ ہندوستانی عدالت کے جسٹس تھے، ایک دفعہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ جو بہت پڑھے لکھے لوگ تھے، کسی خاص مسئلہ پر ایک کمرے میں بیٹھے گفتگو کرر ہے تھے، اتنے میں ان کے والد جو بوڑھے تھے وہ کمرے میں داخل ہوئے اور ان کے ہاتھ میں ایک بیلون تھا، جسے غبارہ کہتے ہیں، بچے ان میں پھونک مارتے اور ان سے کھیلتے اور ان کو پھوڑتے ہیں، وہ اندر آئے اور کہنے لگے بیٹا اکبر! یہ دیکھو تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟ تم بچپن میں اسے بہت پسند کرتے تھے، اور رُو رُو کر اسے مانگا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ غبارہ رتمہارے لئے لایا ہوں۔

بس جناب یہ سننا تھا کہ اکبرالہ آبادی کے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا، نہایت شرمندہ ہوگئے کہ ایک چیف جسٹس اوران کے ساتھ بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، ان کے سامنے والد صاحب غبارہ لا کر دے رہے ہیں کھیلنے کے لیے، کتنی شرم کی بات ہے، وہ بہت ہی شرمندہ ہوگئے۔ اکبرالہ آبادی کے چہرہ پر شرمندگی کے آثار جو نمایاں تھے، اسے دیکھ کر ان کے والد نے کہا کہ بیٹا! مجھے احساس ہے کہ غبارہ کے دیکھنے سے اس وقت تمہیں شرمندگی محسوس ہو رہی ہے، لیکن میں تم کو اور تمہارے ان ساتھیوں کو ایک بات سمجھانے کے لیے آیا ہوں۔ وہ یہ کہ تم جو آج ان عہدوں اور دولت کی چیزوں پر فخر کر رہے ہو، اور ان کو حاصل کرنے کی فکر کرتے ہو، کل قیامت کے دن وہی چیز تم کو دی جائے گی تو وہاں بھی تم کو اسی طرح شرم آئے گی، جیسے آج تمہارے بچپن کی خواہشات ومطالبات پر شرم آرہی ہے۔

اللہ اکبر! کتنا بڑا سبق پڑھا دیا اس معمولی سے واقعہ سے! یہ بلڈنگ آج ہمیں اچھی لگتی ہیں، دنیا کا پیسہ بہت اچھا لگتا ہے، بلکہ آدمی اسے دوسروں سے چھیننا چاہتا ہے، اس کو جمع کرنا چاہتا ہے، اس کو بڑھانا چاہتا ہے، بڑی فکریں اس کے لیے کرتا ہے، اپنی نیند قربان کرتا ہے، اپنی جان قربان کرتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب انسان کو یہ دولت دیں گے تو اسے وہاں شرم آئے گی، اس لئے کہ وہاں اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوگی۔

اللہ بس- باقی ہوس

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک دفعہ ایسا کیا کہ آپ باہر تشریف لائے اور اس وقت آسمان پر ستارے نکلے ہوئے تھے، اوپر دیکھا ستاروں کی طرف کہ ماشاء اللہ ٹمٹمارہے ہیں — دیکھنے میں تو ٹمٹمارہے

ہیں، لیکن حقیقت میں یہ بہت بڑے بڑے ہیں، بہت دوری پر ہونے کی وجہ سے وہ ہمیں ایسے نظر آتے ہیں گویا ٹمٹمار ہے ہیں ــــ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر کہا " ھٰذا رَبِّیْ " کہ یہ میرا رب ہے، یہ حضرت ابراہیم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہا تھا، ایسا نہیں کہ وہ نعوذ باللہ ان کو رب مان رہے تھے، نبی تو کوئی گناہ بھی نہیں کرسکتا، شرک کیسے کرسکتا ہے، کیونکہ جمہور علماء کا مذہب ہے کہ انبیاء قبل از نبوت اور بعد از نبوت معصوم ہوتے ہیں۔

خیر کچھ دیر کے بعد جب ستارے چھپنے لگے، غائب ہونے لگے، تو ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کی عقلوں کے مطابق ان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ " اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ " کہ یہ ختم ہوجانے والوں، غروب ہوجانے والوں، غائب ہوجانے والوں کو میں پسند نہیں کرتا، ان کو خدا کیسے بنالوں، خدا تو وہ ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا دنیا کو اور دنیا کی ان چیزوں کو ثبات کہاں ہے؟ ثبات تو صرف اللہ کو ہے۔

پھر کسی موقعہ پر حضرت ابراہیم باہر نکلے تو دیکھا کہ چاند نکلا ہوا ہے، بہت خوب اس کی روشنی پھیلی ہوئی ہے، کہنے لگے "ھٰذا رَبِّیْ" کہ یہ میرا رب ہے، ارے وہ ستارے تو خدا نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ وہ غروب ہو گئے، مگر یہ تو ہے خدا، یہ تو بہت چمک دار ہے، بڑا حسین ہے، بڑا جمیل ہے، دنیا بھر کو روشنی دے رہا ہے۔ اس کے بعد وہ بھی غروب ہو گیا، تو کہنے لگے، یہ بھی میرا خدا نہیں ہوسکتا۔

پھر سورج کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ میرا خدا ہے، اور سب سے بڑا بھی ہے، دیکھو وہ سارے عالم کو اس طرح منور کیے ہوئے ہے کہ ذرہ ذرہ اس سے روشن ہے۔ کہنے لگے " ھٰذا رَبِّیْ ھٰذَا اَکْبَرُ " کہ یہ میرا رب ہے، یہ بہت بڑا ہے، لیکن ظاہر بات

ہے کہ صبح میں نکلا ہوا سورج شام میں غروب تو ہوتا ہی ہے، جب وہ بھی شام میں غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ دیکھو یہ بھی خدا نہیں ہے جو ختم ہونے والا ہے، دنیا کی چیزوں پر حالات طاری ہوتے ہیں، حوادث پیش آتے ہیں، اس لیے یہ خدا نہیں ہو سکتے، خدا تو باقی رہنے والا ہے۔ تو یہ حضرت ابراہیم کی ایک تدبیر تھی مشرکین کو سمجھانے کے لیے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اسی سے دل لگاؤ۔

فنا دنیا کا سب سے بڑا عیب

سلیمان بن عبدالملک کا نام آپ نے سنا ہوگا، بہت بڑا بادشاہ تھا، امیر المؤمنین تھا، جوانی میں اللہ نے اس کو بادشاہت دیدی تھی، بڑا ذی وجاہت بھی تھا اور حسین وجمیل بھی تھا، ایک دن اس نے اپنے آپ کو خوب اچھی طرح سنورا، بنایا، بہترین کپڑے پہنے، عمامہ زیب تن کیا، خوشبوئیں لگایا، بہت ساری چیزوں سے اپنے آپ کو آراستہ پیراستہ کیا، اور خدا کی نوازش سے حسین وخوبصورت بھی تھا۔

اس کے بعد اپنے دربار میں رونق افروز ہوا، اور اپنے آپ پر وہ پھولے نہیں سما رہا تھا، سب لوگ دیکھ کر اس کی تعریف کرنے لگے، اتنے میں اس کی ایک باندی آئی جب باندی آئی تو اس نے باندی کو دیکھکر مسکرایا اور پھر اس کے بعد کہا کہ میں کیسا لگ رہا ہوں، تو باندی نے اس کے جواب میں فی البدیہہ عربی کے دو شعر کہے ؎

أَنْتَ نِعْمَ الْمَتَاعُ لَوْ كُنْتَ تَبْقٰى
غَيْرَ أَنْ لَّا بَقَاءَ لِلْإِنْسَانِ

أَنْتَ خِلْوٌ مِّنَ الْعُيُوْبِ وَ مِمَّا
يَكْرَهُ النَّاسُ غَيْرَ أَنَّكَ فَانٍ

عجیب اشعار کہے اس نے، ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اے کاش کہ اگر آپ باقی رہنے والے ہوتے تو آپ بہت ہی بہترین چیز تھے، لیکن کیا کروں کہ کسی بھی انسان کو بقاو دوام ہے ہی نہیں، سب فنا ہونے والے ہیں، آپ کے اندر کوئی عیب نہیں ہے، سارے ان عیبوں سے آپ پاک ہیں، خالی ہیں، اور ان سب باتوں سے بھی پاک ہیں جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں اور برا سمجھتے ہیں، لیکن ایک عیب ہے آپ کے اندر، وہ یہ کہ آپ فانی ہیں)

دیکھئے! اس باندی نے حقیقت کو سمجھا اور حقیقت کو اس کے سامنے بیان کر دیا کہ آپ میں بڑے کمالات وخوبیاں ہیں مگر یہ کیا کم عیب ہے کہ آپ مرجانے والے ہیں، اگر باقی رہتے تو واقعی عشق کے قابل تھے، دل لگانے کے قابل تھے، محبت کرنے کے قابل تھے، تعلق کرنے کے قابل تھے، لیکن آپ کے اندر فنا کا ایک عیب ایسا ہے جس نے ساری خوبیوں پر پانی پھیر دیا، بس یہ کہنا تھا کہ اس کے اوپر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اسکے بعد اس نے مجلس برخواست کر دی، اور باندی کو اپنے کمرہ میں بلایا، اور بلا کر کہا کہ تو نے میرے بارے میں یہ کیوں کہا؟ تو اس نے معذرت کی اور کہا کہ مجھے جو حقیقت سمجھ میں آئی اس کو میں نے بیان کر دیا، اس کے بعد اس نے اس کو انعام بھی دیا اور کہا کہ میری آنکھیں تو نے کھول دیں۔ اسی کے چند دن کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، جوان ہی تھا جوانی ہی میں اس کی وفات ہوگئی۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ یہ دنیا کیسی ہی خوبیوں کی مالک کیوں نہ ہو، لیکن اس کے اندر یہ عیب تو ہے ہی کہ یہ تو فنا ہونے والی ہے۔ سورج سے کیا دل لگانا، چاند سے

کیا دل لگانا، آسمان سے کیا دل لگانا، زمین سے کیا دل لگانا، عورت سے کیا دل لگانا۔ یہ تو دل لگانے کے قابل نہیں، بلکہ دل سے نکالنے کے قابل ہیں، دل لگانے کے قابل اور محبت کرنے کے قابل تو صرف اللہ کی ذات ہے، جس کو کبھی فنا نہیں ہے، جس میں کوئی عیب نہیں ہے، جو ''اَلْمُسْتَجْمِعُ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ'' (ساری خوبیوں کا جامع) ہے۔

دین سے دنیا طلبی کا عبرت ناک انجام

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک شخص خدمت کیا کرتا تھا، وہ لوگوں سے بیان کرتا تھا کہ مجھے موسیٰ صفی اللہ نے یہ بات بتائی، کبھی کہتا کہ مجھے موسیٰ کلیم اللہ نے، موسیٰ نجی اللہ نے یہ خبر دی، اس طرح لوگوں کو سنا سنا کر اس نے خوب مال و دولت جمع کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اس کو مفقود پایا، اور لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھنا شروع کیا مگر اس کی کچھ خبر نہ ملی، پھر اچانک ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے ہاتھ میں خنزیر (سور) تھا اور سور کے گلے میں کالی رسی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس آنے والے سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو بہت دنوں سے نظر نہیں آرہا تھا کہ فلاں کو تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اے حضرت! یہ سور وہی شخص ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے سوال کیا کہ اے اللہ اس کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دے تاکہ میں اس سے اس کے مسخ ہو جانے کی وجہ دریافت کرلوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اگر تم مجھے ان تمام ناموں سے پکارتے جن سے آدم اور ان کے بعد کے انبیاء نے مجھ کو پکارا تب بھی میں یہ دعا قبول نہ کرتا، لیکن

میں اس کی وجہ بتا دیتا ہوں کہ میں نے اس کو مسخ کیوں کیا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص دین کے ذریعہ دنیا طلب کرتا تھا۔

(احیاء العلوم ۱/۶۲)

متاع کی تفسیر اور صاحب بن عباد کی تحقیق

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا کہ: "ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا" (یہ سب دینوی زندگی کا سامان ہے) یہاں سامان کے لئے "متاع" کا لفظ آیا ہے، اور متاع حقیر قسم کی چیز و سامان کو کہتے ہیں۔ صاحب بن عباد ایک بہت بڑے عالم و ادیب گزرے ہیں اپنے وقت میں مؤید الدولہ بن رکن الدولہ کے وزیر بھی تھے، بڑے لغوی اور عربی زبان کے ادیب تھے، ان کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کو اس لفظ کی تحقیق کی ضرورت پڑ گئی۔ انھوں نے سوچا کہ عربی زبان کی اصل کو معلوم کرنے دیہاتوں میں جانا چاہئے، کیونکہ وہاں زبان اپنی اصلیت پر باقی رہتی ہے، برخلاف شہروں کے کہ وہاں مختلف علاقوں کے لوگوں سے میل جول کی وجہ سے عربی زبان اپنی اصلیت پر باقی نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں مختلف گاؤں دیہاتوں میں اس لفظ کے معنے جاننے کے لئے گھومتا رہا، ایک جگہ دیکھا کہ ایک دیہاتی عربی لڑکا بیٹھا ہے، میں اس کے پاس چلا گیا، اور اس کے بازو بیٹھ گیا، اور اس کے قریب ایک کپڑا پڑا ہوا تھا جو زمین وغیرہ پوچھنے اور صاف کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنے میں ایک کتا آیا اور وہ پوچھنے کا کپڑا اٹھا کر لے گیا۔ کچھ دیر بعد اس لڑکے کی ماں آئی تو اس لڑکے نے ماں سے کہا کہ: "جَاءَ الرَّقِیْمُ وَ أَخَذَ الْمَتَاعَ وَ تَبَارَكَ الْجَبَلَ" (کہ کتا آیا اور متاع اٹھایا اور پہاڑ پر چڑھ گیا) علامہ صاحب بن عباد کہتے ہیں کہ اس سے مجھے

سمجھ میں آیا کہ متاع کی کیا حقیقت ہے؟ اس لڑکے نے پوچھنے کے کپڑے کے لئے جو ایک معمولی وحقیر چیز ہوتی ہے اور سجانے کے نہیں بلکہ چھپانے کے قابل ہوتی ہے اس کو متاع کہا۔ لہٰذا متاع کے معنے یہ ہوئے کہ جو چیز ضرورت کی ہو، مگر حقیر ہو، معمولی درجہ کی ہو، جیسے پوچھنے کا کپڑا، اس کو عربی میں متاع کہتے ہیں۔

اللہ اکبر! قرآن کریم میں دنیا کے ساز وسامان کے لئے یہ لفظ لا کر یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کا یہ مال ودولت اگرچہ کہ ایک ضرورت کے لئے ہے مگر وہ دل لگانے اور شوکیس میں سجانے اور لوگوں کو دکھانے کے قابل نہیں ہے۔ کیا کوئی پوچھنے کے کپڑے کو شوکیس میں سجاتا ہے؟ کیا کوئی اس کو دل سے لگاتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے؟ نہیں، اسی طرح دنیا کو بھی سمجھنا چاہئے۔

تقویٰ وطہارت

اور

خوف وخشیت

بنو تقویٰ کے خوگر عادتِ پرہیز ڈالو تم

نظر اس پر رہے کہ ’’اکرم‘‘ ہے ’’عند اللہ اتقاکم‘‘

(اکبر الٰہ آبادی)

تقوی کسے کہتے ہیں؟ حضرت عمر کا سوال

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بتاؤ، تقوی کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! کیا آپ کا گذر کبھی ایسے راستہ سے ہوا ہے؟ جو تنگ ہو، ادھر اُدھر کانٹے دار جھاڑیاں ہوں، چلنا دشوار ہو؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ایسی جگہ سے گزر ہوا ہے، تو انہوں نے پوچھا کہ آپ جب اس راستہ پر سے گزرے تھے تو کیسے گزرے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس طرح گزرا تھا کہ اپنا دامن سمیٹ لیا تھا، اپنے آپ کو بچا کر بہت ہی احتیاط سے گزرا تھا، تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: بس اسی کا نام تقوی ہے، کیونکہ دنیا بھی کانٹوں بھرا راستہ ہے، کہیں بدنظری کے مواقع ہیں، تو کہیں کانوں سے گانوں کی آواز ٹکرا رہی ہے، کہیں کفر کے کانٹے ہیں، کہیں شرک و نفاق کے کانٹے ہیں، یہ سب روحانی کانٹے ہیں، ان سب سے بچ کر چلنے کا نام تقوی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حرام سے احتیاط

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی کبھی اپنی بیوی کو بیت المال کا عطر (مشک و عنبر) دیتے، وہ اس کو فروخت کرتی تھیں، ضرورت پر اس کو اپنے دانتوں سے توڑتی تھیں، اور اس میں سے کچھ ہاتھوں پر لگ جاتا، ایک دفعہ ایسا ہی ہوا تو انھوں نے اپنے دو پٹہ سے پوچھ لیا، حضرت عمر گھر آئے تو فرمایا کہ یہ کیا خوشبو ہے؟ ان کی زوجہ نے واقعہ بتایا، تو فرمایا کہ مسلمانوں کا عطر اور تم نے اس کو استعمال کر لیا؟ پھر ان کا دوپٹہ اتارا اور پانی سے دھوتے جاتے اور سونگتے جاتے تھے، جب تک وہ خوشبو رہی، برابر

اس کو دھوتے رہے۔

ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی؟

بعض بلکہ اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہم بڑی دعائیں کرتے ہیں، مگر برسہا برس ہوگئے، قبول نہیں ہوتیں، آخر ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ حدیث نے اس کا جواب دے دیا کہ حرام غذا اور حرام لباس اختیار کرنے والوں کی دعا قبول نہیں کی جاتی، آج بہت سے مسلمان بلکہ نمازی، حاجی اور بڑی بڑی دینی خدمات میں لگے ہوئے لوگ حرام سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے، پھر کیوں کر دعا قبول ہوگی؟

ایک بزرگ کہیں جارہے تھے، راستہ میں ایک شخص نے نہایت اصرار سے ان سے عرض کیا کہ میرے ساتھ بیٹھ کر آپ کھانا کھائیں، بزرگ نے اس کی درخواست پر اس کے ساتھ کھانا کھالیا پھر آگے چل پڑے، کچھ دور جانے کے بعد وہ اپنے راستہ سے بھٹک گئے اور باوجود کوشش کے ان کو راستہ کا علم نہ ہوسکا۔ بار بار اللہ سے دعا کی مگر دعا قبول نہ ہوئی، بڑے پریشان ہوئے جنگل کا بیابان راستہ، رات کا تاریک ماحول، وحشت ناک سناٹا، مگر راہیں بند ہیں، آخر کار ایک اور بزرگ کا ادھر سے گذر ہوا اور انہوں نے بتایا کہ تم نے جو کھانا فلاں آدمی کے ساتھ کھایا تھا وہ حرام تھا، اس لیے تمہاری دعا قبول نہیں ہورہی ہے، پہلے اس کی تلافی استغفار کے ذریعہ کرو، تو پھر راستہ کھول دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الغرض دعا کی قبولیت کے لیے حرام سے بچنا لازم ہے۔ ورنہ دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حرام سے احتیاط

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت کا ایک غلام تھا، وہ ایک دن کچھ کھانا لایا، حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ

کھالیا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ کھانا حرام ہے، کیونکہ غلام نے بتایا کہ وہ جاہلیت میں لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتا تھا، یہ کھانا اسی کے عوض میں ملا ناہے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ تجھ پر تف ہے؛ تو نے مجھے ہلاک کر دیا۔ پھر آپ نے منہ میں ہاتھ ڈال کر قے کرنا چاہا، مگر قے نہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا پانی پینے سے قے ہوگی۔ آپ نے پانی منگوایا اور آپ پانی پیتے جاتے اور قے کرتے جاتے، یہاں تک کہ پورا کھانا نکل آیا۔

لوگوں نے کہا کہ اس ایک لقمہ کے لیے آپ نے اتنی مشکل اٹھائی؟ فرمایا کہ اگر اس کے لیے میری جان بھی چلی جاتی تو بھی میں ضرور اس کو نکالتا، کیونکہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو جسم حرام سے پلا ہو وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے۔

(صفوۃ الصفوۃ: ۲۵۲/۱، حلیۃ الاولیاء: ۳۱/۱، ریاض النضرۃ: ۱۴۱/۲)

زکوۃ کے مال سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتناب

ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کتب حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ دودھ پیا، اور اس کا مزہ کچھ عجیب معلوم ہوا، آپ نے دودھ لانے والے سے پوچھا کہ یہ دودھ کیسا اور کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں جنگل میں گیا تھا، وہاں زکوٰۃ کے اونٹ چر رہے تھے، یہ دودھ انہی اونٹوں کا ہے، آپ نے یہ سن کر فوراً قے کر دیا، کیونکہ یہ دودھ زکوٰۃ کے اونٹوں کا آپ کے لیے حلال نہ تھا۔

(مؤطا مالک: ۲۶۹/۱، سنن بیہقی: ۱۴/۷، شعب الایمان: ۶۰/۵)

اسماعیل بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بحرین سے مشک وعنبر آیا، آپ نے کہا کہ واللہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی اچھی طرح

تولنے والی عورت ہو جو اس مشک وعنبر کو تولے، تاکہ میں اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کروں، یہ سن کر آپ کی زوجہ حضرت عاتکہ بنت زید نے عرض کیا کہ مجھے اچھی طرح تولنا آتا ہے، دیجئے میں تول دوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں، انہوں نے پوچھا کہ کیوں؟ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس سے تم کچھ لے لو، اس طرح کہ تم اپنی گردن پوچھو اور اس کو یہ لگ جائے۔

(کتاب الورع للامام احمد: ۳۷، کتاب الزھد لابن ابی عاصم: ۱۱۹/۱)

حضرت عطارہ کہتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو بیت المال کا عطر (مشک وعنبر) دیتے، وہ اس کو فروخت کرتی تھیں، ضرورت پر اس کو اپنے دانتوں سے توڑتی تھیں، اور اس میں سے کچھ ہاتوں پر لگ جاتا، ایک دفعہ ایسا ہی ہوا تو انہوں نے اپنے دوپٹہ سے پوچھ لیا، حضرت عمر گھر آئے تو فرمایا کہ یہ کیا خوشبو ہے؟ ان کی زوجہ نے واقعہ بتایا، تو فرمایا کہ مسلمانوں کا عطر اور تم نے اس کو استعمال کر لیا؟ پھر ان کا دوپٹہ اتارا اور پانی سے دھوتے جاتے اور سونگتے جاتے تھے، جب تک وہ خوشبو رہی، برابر اس کو دھوتے رہے۔

(الورع: ۳۷-۳۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حرام سے پرہیز

بنو ثقیف کے ایک شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے ایک گاؤں ''عکبری'' کا گورنر بنایا، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھے حکم دیا کہ ظہر کی نماز میرے پاس پڑھو، میں حاضر ہوا، اور کسی نے مجھے آپ تک جانے سے نہیں روکا، آپ کے پاس پانی کا ایک کوزہ اور ایک پیالہ رکھا تھا، آپ نے شیشہ کے برتن

سے ستو نکال کر پیا، وہ شخص کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! کیا عراق میں اس طرح کیا جاتا ہے؟ جبکہ عراق میں کھانے کی بڑی فراوانی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کنجوسی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے، بلکہ میں پیٹ میں حلال چیز کے علاوہ کسی چیز کو داخل کرنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

(الورع: ۷۵)

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام نہ صرف حرام سے بلکہ مشتبہ چیزوں سے بھی کس قدر احتیاط برتتے تھے اور اس کا ان حضرات کو کتنا اہتمام تھا۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی احتیاط

حضرت عمر بن عبد العزیز کی جانب سے بیت المال کے عطر پر مقرر کردہ نگراں عبد اللہ بن راشد کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں بیت المال کا وہ عطر لایا جو ان سے قبل خلفاء کے لیے تیار کیا جاتا تھا، تو آپ نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا، اور فرمایا کہ عطر سے خوشبو ہی تو لی جاتی ہے۔ عبد اللہ بن راشد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ بات میں آپ کی طرف سے روایت کر سکتا ہوں؟ تو آپ نے اجازت دی۔

(الورع: ۳۷)

دس اہل علم کی حرام سے احتیاط

بشر بن حارث رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ معافی بن عمران فرماتے تھے کہ گزشتہ زمانے میں اہل علم میں سے دس آدمی ایسے تھے جو حلال کے سلسلہ میں بہت سخت نظر رکھتے تھے، ان کے پیٹ میں کوئی ایسی چیز داخل نہ ہوتی تھی جس کے بارے میں وہ

یہ نہ جانتے ہوں کہ یہ حلال ہے، اگر یہ بات معلوم نہ ہوتی تو پانی پر کفایت کر لیتے تھے، پھر حضرت بشر نے ان حضرات کے نام شمار کئے، وہ یہ تھے: ابراہیم بن ادہم، سلیمان الخواص، علی بن الفضیل، ابو معاویہ الاسود، یوسف بن اسباط، وھیب بن الورد، حذیفہ اہل حران میں سے، اور داود طائی وغیرہ۔

(الورع: ۱/۱۰)

چراغ میں وارثین کا حق ہے

امام غزالی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ ایک صاحب کے پاس حالت نزع میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی اثناء میں ان صاحب کا انتقال ہو گیا، اور وہاں ایک چراغ جل رہا تھا، ان بزرگ نے کہا کہ یہ چراغ بجھا دو، کیونکہ اس چراغ کے تیل میں اب اس میت کے وارثین کا حق ہو گیا ہے۔ یعنی اب ان کی اجازت کے بغیر اس کا جلانا اور اس سے استفادہ کرنا جائز نہیں۔

(احیاء العلوم: ۲/۹۶)

سوئی کی وجہ سے مواخذہ

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کتاب الکبائر میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ ان کے انتقال کے بعد وہ کسی کے خواب میں آئے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ انہوں نے کہا کہ اچھا ہوا مگر مجھے جنت سے روک دیا گیا ہے کیونکہ میں نے ایک سوئی کسی سے عاریۃً لیا تھا، مگر اس کو واپس نہیں کیا تھا۔

(الکبائر: ۱۲۱)

مال حرام کی سواری سے اجتناب

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ وہ دہلی سے اپنے وطن کاندھلہ آنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک بہلی (گاڑی) کرایہ پر لی اور چل پڑے، راستہ میں بہلی والے سے گفتگو فرمانے لگے، گفتگو کے درمیان گاڑی بان نے بتایا کہ یہ گاڑی ایک رنڈی کی ہے، میں کرایہ پر اس کو چلاتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت پیشاب کے بہانہ گاڑی سے اُتر گئے، پیشاب کیا اور بہلی والے سے کہا کہ بیٹھ کر ٹانگیں شل ہوگئی ہیں، ذرا چلنا چاہتا ہوں، تم گاڑی لے کر چلو، میں پیدل چلتا ہوں۔ کافی دور جانے کے بعد گاڑی بان نے عرض کیا کہ حضرت اب بیٹھ جایئے۔ حضرت نے پھر ٹال دیا۔ آخر کار وہ گاڑی بان سمجھ گیا اور کہا کہ آپ رنڈی کی گاڑی پر بیٹھنا نہیں چاہتے ہیں۔ حضرت نے اسکو کاندھلہ لا کر اس کی مزدوری دیدی، مگر پورا راستہ پیدل ہی تشریف لائے۔

(ارواح ثلاثہ: ۲۱۴)

یہ تمام واقعات نہایت عبرت انگیز اور ہماری آنکھیں کھولنے والے ہیں، جن میں اکابرین کا حلال وحرام کے سلسلہ میں غایت تقوی اور انتہائی احتیاط ظاہر ہوتا ہے۔

ایک طالب علم کا تقوی

ایک طالب علم کا قصہ سناتا ہوں، ایک جگہ پر ایک مسجد میں ایک طالب علم رہتا تھا، اس علاقہ میں کوئی حادثہ ہوگیا، رات کا وقت تھا، تو ایک عورت اس مسجد میں گھس آئی، وہاں اس عورت نے دیکھا کہ ایک نوجوان مولوی صاحب ایک کونے

میں مطالعہ میں مصروف ہیں ، اس عورت نے آکر ان سے کہا کہ حالات باہر بہت خراب ہیں ، امن وامان نہیں ہے ، اب میں اپنے مقام پر جانہیں سکتی ، اس لئے اب میں یہاں رات گذارنے آئی ہوں ، اس لئے رات یہاں گزارنے کی اجازت دیجئے ۔ اب وہ کیسے انکار کرسکتے تھے ، اجازت دے دی ، اب وہ عورت ادھر کو بیٹھ گئی ، دوسری طرف یہ مولانا مطالعہ میں مصروف ہوگئے اور ان کے سامنے ایک چراغ جل رہا تھا ، وہ طالب علم درمیانِ مطالعہ اپنی انگلی کو چراغ میں داخل کرتے اور نکالتے ، پھر کچھ دیر مطالعہ کرتے ، اور پھر اپنی انگلی کو چراغ میں داخل کرتے اور نکالتے ، دوسری طرف یہ عورت اس منظر کو دیکھ رہی تھی ، کہ کہیں پاگل تو نہیں ہوگیا کہ اپنے آپ کو جلا رہا ہے ، آخر کیا قصہ ہے ؟ یہاں تک کہ رات ختم ہوکر جب صبح ہوئی ، تو وہ طالب علم مسجد کے باہر گئے ، حالات کا مشاہدہ کرکے آئے ، اور اس عورت سے کہا کہ اب نماز کا وقت ہونے والا ہے ، نمازی آنے والے ہیں ، اس طرح اب تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں کہ لوگوں میں بدگمانی ہوگی ، اب باہر کا راستہ صاف ہوگیا ، آؤ تم کو باہر تک چھوڑ آؤں ، اس نے کہا جب راستہ صاف ہے تو جانے میں کوئی حرج نہیں ، لیکن جانے سے پہلے ایک سوال کا جواب چاہتی ہوں ۔

سوال یہ کہ رات بھر آپ اپنی انگلی کو جلانے کی کوشش کیوں کرتے رہے ، اس راز کو جب آپ بتائیں گے ، تب میں یہاں سے جاؤں گی ، انھوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے ، اس نے کہا جب تک آپ اس راز کو نہیں بتائیں گے ، میں یہاں سے جانے کی نہیں ، انھوں نے کہا کہ بات دراصل یہ کہ تم جب یہاں آئیں تو میرے دل میں نفسانی خواہشات ابھرنے لگے ، اور مجھے بے چین کرنے لگے ، میں نے فوراً اپنے دل کو کہا کہ اگر تو برا کام کرے گا ، تو تجھے جہنم میں جلنا پڑے گا ، اس سے پہلے دنیا کی آگ کا مزہ چکھ لے ، میں اسے دنیا کی آگ کا مزہ چکھا رہا تھا ، اور اپنے

نفس کو کہہ رہا تھا کہ اگر تجھ میں اس کو برداشت کرنے کی طاقت ہو، تو پھر آگے دیکھا جائے گا، غرض جب بھی میرا نفس گناہ کا تقاضا کرتا، تو میں اپنے نفس کو آگ کا مزہ چکھاتا تھا، اس طرح پوری رات گذری۔

غور کریں کہ یہ ہے تقوی کی زندگی، اس طرح اپنے آپ کو لذات اور خواہشات سے بچانا چاہئے۔

خوف الٰہی کتنی قیمتی چیز ہے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ بادشاہ ہارون رشید کا دربار تھا، اس کی مجلس میں مذاکرہ ہو رہا تھا، اور بڑے بڑے علماء وہاں موجود تھے، امام شافعی اس وقت چھوٹی عمر کے تھے، لیکن بڑے شوق کے ساتھ اس مجلس میں جا کر بیٹھ گئے، ہارون رشید نے لوگوں سے سوال کیا کہ تم لوگ جو بڑے علماء ہو، بڑے بڑے مشائخ ہو، قران وحدیث کا علم رکھتے ہو، میرے بارے میں بتاؤ کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں جاؤں گا؟ لوگوں نے کہا: اس کا جواب ہم کیسے دے سکتے ہیں؟ قرآن سے مسئلہ تو بتا سکتے ہیں، لیکن کسی کی قسمت کا فیصلہ نہیں بتا سکتے، ہاں احکام بتائے جاسکتے ہیں، زندگی میں انسان کو کس رنگ سے کس ڈھنگ سے رہنا چاہئے، اللہ تعالےٰ کس چیز سے راضی ہوتا ہے اور کس سے ناراض ہوتا ہے، یہ تو بتا سکتے ہیں، لیکن یہ سوال کہ ایک آدمی جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جائے گا؟ یہ تو غیب کی بات ہے، کسی انسان کے بارے میں قرآن وحدیث کا جاننے والا غیب کی بات کیسے بیان کرسکتا ہے؟

امام شافعی جو ابھی نو عمر تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضور! اگر اجازت ہو تو میں اس کا جواب دے سکتا ہوں، بادشاہ نے کہا کہ ضرور دیجئے، اللہ تعالےٰ نے امام

شافعی کو بڑی بصیرت اور فراست سے نوازا تھا، امام شافعی نے کہا کہ حضور! آپ تو سوال کرنے والے ہیں اور میں جواب دینے والا ہوں، آپ اوپر بیٹھے ہیں اور میں نیچے بیٹھا ہوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے آپ نیچے اتر آیئے اور مجھے اوپر بٹھا دیجئے۔ (یہ اولیاء اللہ جو ہوتے ہیں کسی سے ڈرتے نہیں ہیں، بادشاہ ہو تو کیا ہوا؟ اس لئے کہ جو اللہ اکبر کی رٹ دن رات لگاتا ہو، ہر وقت اس کی زبان پر اللہ اکبر کا نعرہ ہو اور دل میں اس حقیقت کو جمالیا ہو کہ اللہ سے بڑا کوئی نہیں ہے، وہ کسی کو بڑا سمجھ ہی نہیں سکتا) امام شافعی کہنے لگے کہ آپ سائل ہیں اور میں مجیب ہوں، جواب دینے والے کا مقام اونچا ہوتا ہے، سوال کرنے والے کا مقام چھوٹا ہوتا ہے، اس لئے آپ کو نیچے ہونا چاہئے، بادشاہ نے اس چھوٹے سے بچے کی یہ گفتگو سنی اور کہا کہ اس بچے کو اوپر بٹھا دو اور ہمارے لئے نیچے انتظام کردو، امام شافعی کو اوپر تخت پر بٹھا دیا گیا اور بادشاہ نیچے اتر گیا، امام شافعی نے کہا کہ اب آپ اپنا سوال پیش کریں؟

جب سوال پیش کیا تو امام شافعی نے کہا کہ میں ایک سوال آپ سے کرتا ہوں، آپ بتائیں کہ کیا زندگی میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ اللہ کے خوف سے آپ گناہوں سے بچ گئے ہوں، اور وہاں گناہ کرنے سے کوئی چیز مانع بھی نہیں رہی ہو، جو جی چاہے آپ کر سکتے ہوں، لیکن محض اللہ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے آپ نے گناہ کو چھوڑ دیا ہو، کبھی ایسی نوبت آپ کو آئی ہے؟ بادشاہ نے کہا کہ ہاں بسا اوقات ہوا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں تھی، کوئی دیکھنے والا تک نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود میں نے گناہوں سے اپنے آپ کو بچایا ہے کہ کوئی تو مجھکو نہیں دیکھ رہا ہے، لیکن اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس پر امام شافعی نے فرمایا کہ اب میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ آپ ان شاء اللہ جنتی ہیں، لوگوں نے کہا کہ آپ یہ بات کس بنیاد پر فرمارہے

ہیں اور اس کی کیا دلیل ہے؟ امام شافعی نے یہی آیت تلاوت کی: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ جو آدمی اللہ کے خوف سے ڈر گیا اور اللہ کے خوف کی وجہ سے گناہوں سے بچ گیا تو جنت میں اس کا ٹھکانہ بنا دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان شاء اللہ جنتی ہیں۔

معلوم ہوا بھائیو! اللہ کا خوف اتنی قیمتی چیز ہے، اتنی بھاری چیز اور عظیم الشان چیز ہے کہ جس آدمی کے دل میں اللہ کا خوف آجاتا ہے، اللہ تعالی اس کے لئے جنت کا فیصلہ لکھ دیتے ہیں۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف آخرت

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بھوک لگی، اور کھانے کے لئے کچھ بھی موجود نہیں تھا، آپ گھر کے باہر تشریف لائے، دیکھا تو ایک طرف صدیق اکبر نظر آئے، دوپہر کی شدید گرمی کا وقت تھا، آپ نے ان سے پوچھا: ''اے ابوبکر! ایسے وقت کیوں باہر آگئے؟'' تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! بھوک کی شدت نے باہر نکلنے پر مجبور کیا، اس لئے باہر نکل آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھی بھوک نے ہی مجبور کیا؛ اس لئے میں بھی باہر نکل آیا ہوں، دونوں حضرات کچھ آگے بڑھے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نظر آئے، ان سے پوچھا کہ اس وقت باہر کیوں؟ تو انکا بھی وہی عذر کہ بھوک کی شدت نے مجبور کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو ابوالہیثم کے باغ میں چلیں گے، یہ ایک صحابی تھے، ان کا مدینہ کے اندر بڑا باغ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں

تشریف لے گئے ،اس وقت ابوالہیثم وہاں موجود نہیں تھے ،ان کی بیوی موجود تھیں،انھوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ خوش ہوگئیں، چادر بچھائیں،اس کے بعد کھانے کے لئے انگور وغیرہ لاکر رکھدیا ،حضور اور صحابہ نوش فرمارہے تھے،اتنے میں حضرت ابوالہیثم بھی آگئے،آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ان کی تو عید ہوگئی،ان کے پاس ایک بکری موجود تھی،اس کو جلدی سے ذبح کیا،اور اس کو بھونا، بیوی کو حکم دیا کہ روٹی پکاؤ،گرم گرم روٹیاں پکادی گئیں،سالن بھی تیار ہوگیا ، لاکر حضور کے سامنے رکھ دیا،حضور نے بھی کھایا اور دیگر اصحاب نے بھی کھایا،فراغت کے بعد حضور نے رونا شروع کردیا،حضور ﷺ کو دیکھ کر سب کو رونا آگیا اور ایک کہرام سا مچ گیا،لیکن کسی کو کچھ نہیں پتہ کہ کیوں رویا جارہا ہے؟ اللہ کے نبی کے رونے کو دیکھ کر سب کو رونا آگیا ، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ: یا نبی اللہ! آپ کیوں رورہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ: ابوبکر! جو ابھی ہم نے کھانا کھایا ہے،قیامت کے میدان میں ان میں سے ایک ایک چیز کا ہمیں جواب دینا ہے؛اس لئے رورہا ہوں۔

(ترمذی:۶۲/۲)

ہمارا حال تو یہ ہے کہ صبح کھارہے ہیں،شام کھارہے ہیں،تین تین وقت کھارہے ہیں،اس کے علاوہ بھی کبھی لسی، کبھی چائے ،اس کے باوجود ہمارے دلوں میں اللہ کا کوئی خوف نہیں ہے،جب اللہ کے نبی رورو کر یہ آخری جملہ ادا کررہے تھے تو سب کے دل میں عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

تقوی کی عمدہ تعریف

حضرت مرشدی مولانا ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ بنگلور تشریف

لائے اور جامعہ مسیح العلوم، بیدواڑی میں حضرت والا کی مجالس بعد عصر ہوا کرتی تھیں ایک دن بیان کے بعد کار میں بیٹھ کر قیام گاہ روانہ ہوئے اور میں بھی کار میں حضرت کی پشت پر بیٹھا تھا، اور راستوں پر خوب ٹرافک تھی، اور حضرت کے ڈرائیور کار کو کبھی ادھر کبھی اُدھر گھماتے تاکہ اور گاڑیوں سے ٹکر نہ جائے، اس کو دیکھکر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ: دیکھو تقوی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہر خطرہ سے بچاتے ہوئے چلے، جیسے ڈرائیور صاحب کار کو خطرات سے بچاتے ہوئے چلا رہے ہیں، پھر فرمایا کہ وہی ڈرائیور کامیاب ہے جو کسی کو ٹکر نہ لگائے اور خود بھی کسی کی ٹکر نہ کھائے، اسی طرح جو نگاہ اس دنیا میں شریعت کے راستہ پر اس طرح چلے کہ کسی ناجائز چیز سے ٹکر نہ لے اور گناہ کا ارتکاب نہ کرے وہ کامیاب مومن ہے۔

بھائیو! یہ بڑی عمدہ مثال ہے اس کو ذہن نشین کرلو، اور سمجھو کہ جس نے اپنی نگاہوں کی حفاظت کرلی، وہ کامیاب ہے، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: (اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ) (نظر شیطان کا زہریلا تیر ہے) جو نظر کی حفاظت کرتا ہے، تو عبادت میں حلاوت آتی ہے، الادب المفرد میں امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ فضول نظر سے بھی بچنا چاہئے، میں کہتا ہوں جب فضول نظر سے بھی بچنا چاہئے تو نظر بد سے بچنا بدرجہ اولی ضروری ہے۔

سید احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جو عبرت انگیز ہے، اور یہ واقعہ میں نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک وعظ میں سنا ہے، اور یہ واقعہ ہے حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کا، حضرت سید احمد شہید بریلویؒ ہندوستان کے ایک مشہور بزرگ اور بڑے اللہ والے تھے، اور انھوں نے ہندوستان کے اندر حضرت

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے فتوی پر جہاد کی مہم کا آغاز کیا تھا، انہی جہادی مہموں کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر یہ ملک آزاد ہوا، اور اگر چہ بظاہر یہ تحریکات ناکام ہوئیں، مگر درحقیقت بعد کی تمام تحریکات کے لئے یہی تحریکات پیش خیمہ تھیں، انگریزوں کے یہاں سے بھاگنے کا ذریعہ ان ہی علماء کرام کا طفیل ہے، بعض جاہل کہتے ہیں کہ صوفیاء نے جہاد نہیں کیا، حضرت سید احمد بریلوی رحمہ اللہ مایۂ ناز صوفی ہونے کے ساتھ مایۂ ناز مجاہد بھی تھے، انھوں نے سب سے پہلے آزادی کی جنگ لڑی ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے فرمان پر وہ کئی جہاد کی مہموں پر گئے، بلکہ وہ سپہ سالار بھی تھے اور اسی کے اندر ان کی شہادت واقع ہوئی، بعض جاہلوں نے صوفیاء کرام کے بارے میں یہ بات پھیلا رکھی ہے کہ صوفیاء صرف تسبیح گھونٹتے رہتے ہیں، دیکھو اگر تمہاری آنکھ ہو اور اگر تمہارے پاس دل و دماغ صحیح موجود ہو تو صوفیاء کرام کے کارناموں کو دیکھو، اور یہ کتنا بڑا صوفی ہے، جن کا نام سید احمد شہید بریلوی ہے، جو سب سے پہلے جہاد کی مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔

الغرض سید احمد شہید رحمہ اللہ ایک جہاد کی مہم پر گئے، پنجاب کا علاقہ تھا، وہاں پر پنجابی عورتیں باہر آتی اور جاتی تھیں، گھومنے اور پھرنے آتی تھیں، بازاروں میں بھی آتی جاتی تھیں، ایسے علاقہ میں حضرت کا اور تمام مجاہدین کا قیام تھا، ایک دن ایک پنجابی آدمی حضرت کی خدمت میں آیا اور کہا کہ مولانا! میں ایک بات پوچھنے آیا ہوں کہ آپ ان اندھوں کو لیکر یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا بستی کے لوگوں میں آپ کو کوئی صحت مند لوگ نہیں ملے کہ آپ اندھوں کو لے کر آ گئے؟ آپ تو کچھ دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر اتنے سارے یہ اندھے جو کچھ دیکھتے ہی نہیں، ان کا کیا کام ہے؟ حضرت نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی اندھا نہیں ہے، سب آنکھ والے ہیں،

اچھی طرح دیکھتے ہیں، پھر پوچھا کہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ سب اندھے ہیں؟ اس نے کہا: میں ان سب کو اندھا اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ ہماری عورتیں یہاں آتی اور جاتی ہیں، بازاروں میں بھی گھومتی پھرتی ہیں، حسین وجمیل ہیں، لیکن آپ کے ساتھیوں میں کا کوئی ایک آدمی بھی کسی عورت پر نگاہ نہیں ڈالتا، ان کو آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا، اس سے میں نے سمجھا کہ یہ سب اندھے ہوں گے، حسن وجمال کا کیا نظارہ کریں گے، حضرت سید احمد شہیدؒ نے فرمایا کہ بھائی! تم نے صحیح دیکھا، اس لئے کہ ہمارا کوئی آدمی کسی عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اس لئے کہ ہمارے قرآن کا حکم ہے: ﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ ﴾ (ترجمہ: اے نبی! آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں) یہ عفت اور پاکدامنی کا تقاضا ہے، ہمارے یہ مجاہدین کسی عورت پر نگاہ نہیں ڈالتے، وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے تو ان کو اندھا سمجھ لیا تھا، دراصل میں ہی اندھا تھا اور آج آپ نے مجھے بینا بنا دیا۔

حضرات! جو قرآن نہ پڑھتا ہو وہ سب سے بڑا اندھا ہے، جو حدیث نہ پڑھتا ہو وہ سب سے بڑا اندھا ہے، یہ اندھے نہیں ہیں، جو نیچے دیکھ رہے ہیں، وہ تو اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہیں۔

ایک عاشق کا خوفِ خدا سے رونا

ایک بار خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص کو دیکھا جس نے بہت لمبا سجدہ کیا، جب اس نے سر اُٹھایا تو اس کے سجدے کی جگہ آنسوؤں کی وجہ سے بھیگی ہوئی تھی، خلیفہ نے ایک آدمی کو وہاں نگرانی کرنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ جب یہ فارغ ہو جائے تو میرے پاس لانا، تاکہ اس کی عقل کا امتحان کروں۔ الغرض جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو بادشاہ کے سامنے لایا گیا، بادشاہ نے کہا کہ میں نے تجھ سے ایک

ایسی بات دیکھی ہے کہ جنت تو اس کے بغیر بھی مل سکتی ہے (یعنی اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے جب کہ اس کے بغیر بھی جنت مل سکتی ہے)۔اس شخص نے ایک زور کی چیخ ماری جس سے بادشاہ بھی خوف زدہ ہوگیا، پھر وہ شخص بے ہوش ہوگیا، پھر بہت دیر بعد اس کو ہوش آیا تو وہ اپنے چہرے سے پسینہ پوچھ رہا تھا، اور اللہ سے خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! تیری نافرمانی کرنے والا ہلاک ہو جب تک کہ وہ آپ کے پاس گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے، اس کا یہ خوف دیکھ کر بادشاہ بھی رونے لگا، مگر وہ شخص پیٹھ پھیرے ہوئے کھڑا رہا، یہاں تک کہ نکل گیا۔(الرقۃ والبکاء:۱۹۰)

قیامت تک نہیں ہنسوں گا – وراد عجلی

ابن ابی الدنیا نے یہ بھی حیرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ ابو عمر کہتے ہیں کہ میں وراد عجلی کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ مسجد میں سر کو رومال سے ڈھک کر آتے اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر مسلسل نماز پڑھتے، دعاء کرتے اور روتے رہتے، پھر مسجد سے نکلتے اور ظہر میں آتے اور اسی طرح نماز و دعاء اور بکاء میں لگے رہتے، یہاں تک کہ عشاء ہو جاتی، پھر مسجد سے نکلتے، نہ کسی سے بات چیت کرتے اور نہ کسی کے پاس بیٹھتے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ میں نے ان کے محلّہ کے ایک آدمی سے ان کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ یہ وراد عجلی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک اللہ کو قیامت میں دیکھ نہیں لیں گے اس وقت تک نہیں ہنسوں گا۔

(الرقۃ والبکاء:۱۹۲)

ابو مالک رحمہ اللہ پوری رات روتے رہے

حضرت مالک بن ضیغم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت حکم بن نوح نے میرے والد ابو مالک کے بارے میں کہا کہ ایک رات آپ کے والد اول سے آخر تک روتے ہی رہے جس میں نہ کوئی سجدہ کیا نہ رکوع کیا، جب صبح ہوئی تو ہم نے کہا کہ اے ابو مالک! پوری رات میں آپ نے نہ نماز پڑھی نہ دعاء کی۔ تو وہ رونے لگے اور کہا کہ: اگر مخلوقات یہ جان لیں کہ کل وہ کس چیز کا سامنا کرنے والے ہیں تو کسی عیش کی چیز میں ان کو لذت نہ ملے، خدا کی قسم! میں نے جب رات کو، اس کی ہولنا کی اور اس کی تاریکی کی شدت دیکھی تو قیامت اور اس کی شدت و ہولنا کی یاد آ گئی، جہاں ہر نفس اپنے آپ میں مشغول ہوگا، نہ کوئی باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آئیگا۔ یہ کہکر وہ بے ہوش ہو گئے اور مسلسل کانپتے رہے، پھر جب کچھ سکون ہوا تو ان کو اٹھا کر لے گئے۔ (الرقۃ والبکاء:۲۰۳)

اللہ والوں کے یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ ان حضرات کو اللہ کا کس قدر خوف تھا اور آخرت کی کس قدر فکر تھی جس کی وجہ سے رات رات بھر وہ بے چین رہتے اور روتے اور گڑ گڑایا کرتے تھے۔

اللہ کے خوف سے ایک پتھر کا رونا

ایک مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام اللہ سے ملاقات کے لئے جا رہے تھے، ایک جگہ ان کو پتھر سے رونے کی آواز آئی، تو اس سے پوچھا کہ تو کیوں رو رہا ہے؟ پتھر کہنے لگا کہ مجھے اللہ کا ڈر ہے کہ کہیں قیامت میں اللہ تعالے مجھے بھی جہنم میں نہ ڈال دیں، میں کہتا ہوں کہ اس پتھر کو یہ خدشہ اس لئے ہوا ہوگا کہ قرآن میں ہے:

﴿ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ (تحریم) (کہ جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہے) لہذا اس نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالے مجھکو بھی جہنم میں ڈالدیں، اگر میں بھی ان جہنمی پتھروں میں رہا، تو میرا حشر بھی برا ہوگا، اس بات کو یاد کرکے میں رو رہا ہوں، اور کہنے لگا کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور کوہ طور پر اللہ سے ملاقات ومناجات کے لئے جارہے ہیں، آپ میرے حق میں سفارش کردیجئے۔

حضرت موسی علیہ السلام نے اسے تسلی دی اور کہا کہ میں اسوقت اللہ کے دربار میں جارہا ہوں، اللہ سے دعاء کرکے تیری بخشش کرادوں گا، حضرت موسی علیہ السلام کوہِ طور پر پہنچے، اللہ سے باتیں کرنے لگے، ان باتوں کے درمیان حضرت موسی علیہ السلام اس پتھر کو بھول گئے، اب دیکھئے اللہ کی رحمت اور اس پر قربان جایئے کہ جب واپس ہونے لگے تو اللہ نے کہا کہ موسی! تم اس پتھر کو بھول گئے؟ کیا تم نے اس سے سفارش کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! واقعی میں بھول گیا، آپ سب کچھ جانتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے کہا کہ جاؤ، اس سے کہدو کہ ہم نے اس کی مغفرت کردی اور اس کو بخش دیا، اور دیگر پتھروں کے ساتھ اس کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا، حضرت موسی علیہ السلام خوشی خوشی واپس آئے، اس کو خوشخبری سنادی اور چلے گئے، پھر کچھ دنوں کے بعد حضرت موسی علیہ السلام کو کوہِ طور پر جانا تھا، اسی راستہ سے جارہے تھے، دیکھا کہ وہ پتھر پھر بھی رو رہا ہے، کہنے لگے کہ میں نے تو تجھکو خوشخبری سنادی تھی اور اللہ کا پیغام بتایا تھا کہ اللہ تجھکو جہنم میں داخل نہیں کریگا، پھر اب رونے کی کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ اے موسی! اُس وقت اللہ کے خوف وڈر کی وجہ سے رو رہا تھا اور اب اللہ کی محبت میں رو رہا ہوں، کہ جس خدا نے مجھے ایسی نعمت عطاء کی کیا اس کی محبت میں مجھے کیوں رونا نہیں چاہئے؟

اللہ اکبر! ہم کتنی نعمتیں کھاتے ہیں، لیکن کیا اللہ کی محبت دلوں میں سمائی ہے؟ اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے کا کوئی جذبہ پیدا ہوا؟ جانور اللہ سے ڈریں اور پتھر میں اللہ کا خوف ہو، لیکن انسان بے خوف ہوکر زندگی گذاریں؟ کس قدر تعجب کی بات ہے۔

بھائیو! آج ہماری نمازوں کی کیا حالت ہے؟ کتنے لوگ ہیں جو پنج وقتہ نماز تک نہیں پڑھتے، کتنے لوگ ہیں جو جمعہ تک نہیں پڑھتے، ایک جانور کو خدا کے ڈر کی وجہ سے پریشانی لاحق ہورہی ہے، اور وہ چلاتا ہے، جس کا اثر یہ کہ آدمی سونہیں پارہا ہے، ہم جانوروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ یوں ہی چلاتے ہونگے، نہیں بلکہ کبھی یہ اللہ کے ڈر سے روتے ہیں، کبھی یہ ہم کو احساس دلانے اور ہمارے شعور کو بیدار کرنے کے لئے روتے ہیں، چونکہ ان کی بات ہم کو سمجھ میں نہیں آتی، اس لئے ہم سنی کو ان سنی کردیتے ہیں۔

جہنم کے خوف سے ایک صحابی کے آنسو!

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ایک دفعہ اپنی بیوی کے گود میں سر رکھے ہوئے لیٹے تھے اچانک رو پڑے یہ دیکھ کر ان کی بیوی بھی رونے لگی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے پوچھا کہ تم کیوں رورہی ہو بیوی نے کہا کہ آپ کا رونا دیکھ کر میں بھی رو پڑی حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا مجھے یہ آیت یاد آ گئی ''وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا'' جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا گذر جہنم کی طرف سے نہ ہو۔ اب میں نہیں جانتا کہ میں جہنم سے نجات پاؤں گا یا نہیں اس لیے میں رورہا ہوں۔

(تفسیر ابن کثیر ۱۳۶/۳)

اللہ کو رونا بہت پسند ہے

مولانا رومی رحمۃ اللہ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ حاجت مندوں کو کبھی مایوس نہ کرتے اور ہر سائل کی ضرورت پوری کرتے اور اپنے پاس ہوتا تو دیدیتے اور اگر نہ ہوتا تو کسی سے قرض لیکر دیدیتے، اس طرح ان بزرگ کے ذمہ بہت سے لوگوں کا قرض ہو گیا اور ایک دن سارے قرض خواہ آپس میں مشورہ کر کے آپ کے پاس جمع ہو گئے اور عرض کیا کہ آج ہم آپ سے اپنا اپنا قرض وصول کرنے آئے ہیں، اور جب تک آپ دیں گے نہیں، ہم یہاں سے واپس نہ ہوں گے، ان بزرگ نے فرمایا کہ آپ حضرات تشریف رکھیں، اللہ تعالیٰ دیں گے، تو میں دیدوں گا سارے قرض خواہ بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے، اسی درمیان باہر سڑک کی طرف سے آواز محسوس ہوئی، بزرگ نے خادم سے معلوم کیا کہ کیا آواز ہے؟ خادم نے بتایا کہ ایک بچہ ہے جو حلوا بیچ رہا ہے، فرمایا کہ بھائی اس کو بلاؤ اور ان مہمانوں کی خاطر داری کرو۔ خادم نے اس بچہ کو بلایا اور معلوم کیا کہ حلوا کتنا ہے اور کتنے کا ہے؟ اور پھر ان بزرگ کو اس کی اطلاع کی، انہوں نے اس بچہ سے فرمایا کہ سارا حلوا تول دو، اور ان سب کو کھلا دو، اور تم بھی کھاؤ، چنانچہ اس بچہ نے حلوا تولا اور سب کو کھلا دیا، جب سب کھا چکے تو اس بچہ نے حلوے کی قیمت مانگی، ان بزرگ نے فرمایا کہ اگر پیسے ہوتے تو یہ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہوتے؟ یہ لوگ اسی لیے یہاں بیٹھے ہیں کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو بھی ان کے ساتھ بیٹھ جا، اگر اللہ نے دیا تو تجھے بھی دیدیں گے، یہ سن کر وہ بچہ زور زور سے رونے لگا اور کہا کہ میری ماں مجھے مارے گی اگر میں پیسے لیکر نہ جاؤں۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی نے ان بزرگ کے دروازے پر دستک دی، خادم نے دیکھا تو ایک صاحب ہیں، جو اپنے ہاتھ میں ایک تھیلی لیے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت کے لیے یہ تحفہ لایا ہوں، اس کو آپ تک پہنچا دو، خادم اس کو لے آیا، اور حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا کہ اس کو کھولو اور دیکھو کہ کیا ہے؟ جب دیکھا تو اس میں اشرفیاں تھیں، فرمایا کہ اللہ نے ان قرض خواہوں کے لیے بھیج دی ہیں، ان کو گن گن کر سب کا قرضہ ادا کر دو، خادم نے ان کو گنا اور قرض خواہوں کو دیدیا، اس تھیلی میں اتنی رقم تھی کہ سارے قرض خواہوں کا قرض ادا ہوگیا اور ساتھ ہی اس بچہ کے حلوے کی رقم بھی ادا ہوگئی اور سب لوگ چلے گئے، اس کے بعد ان بزرگ نے اللہ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور دیں گے، مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ نے اتنا رُسوا کر کے کیوں دیا؟ اس پر ان کو اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ ہم تو دینا ہی چاہتے تھے اور یہاں مانگنے والے تو سب تھے، مگر کوئی رونے والا ہی نہیں تھا، اس لیے ہم نے تاخیر کر دی اور جب یہ بچہ رونے لگا تو ہم نے اسی کی برکت سے دیدیا۔

یہ قصہ اس بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ اللہ کو رونا بہت پسند ہے اور رونے پر اللہ کی عنایت متوجہ ہوتی ہے، اس لیے دعاء میں خوب رونا اور گڑگڑانا چاہئے۔

ایک نوجوان کا خوف الٰہی سے ترک گناہ اور موت

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانے میں ایک نوجوان بڑا عبادت گزار تھا، جو زیادہ تر مسجد میں رہا کرتا تھا۔ حضرت عمر اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ اس نوجوان کا بوڑھا باپ تھا جس سے ملنے وہ عشاء کے بعد جایا کرتا تھا اور اس کے اس راستے پر ایک عورت کا گھر تھا، اس نے اس نوجوان

کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہوگئی اور اس کو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے راستے میں بن سنور کر کھڑی ہوتی تھی۔

ایک رات وہ نوجوان اس عورت کے پاس سے گزرا تو وہ عورت اس کو بہکانے لگی حتیٰ کہ وہ اس کے فریب میں مبتلا ہوگیا اور اس کے پیچھے اس کے گھر کی طرف چلنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے دروازے پر پہنچ گیا اور جب وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اس نوجوان کو اللہ یاد آ گیا، اور اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ [الاعراف: ۲۰۱] (بلا شبہ جو لوگ تقوی رکھتے ہیں، جب ان کو شیطان وسوسہ سے پکڑتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس وہ دیکھنے لگتے ہیں)

پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو کر گر پڑا، اس عورت نے اپنی باندی کو بلایا اور وہ دونوں اس کو اٹھا کر اس نوجوان کے باپ کے گھر تک لے گئے اور اس کے باپ نے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہے تو لوگوں کو تعاون کے لئے بلایا اور لوگوں نے اس کو اٹھا کر گھر کے اندر پہنچایا۔

جب رات کا ایک بڑا حصہ گزر گیا تو اس کو ہوش آیا، باپ نے پوچھا کہ کیا ہوا تو کہا کہ خیر ہے۔ باپ نے معاملہ پوچھا، اس نے قصہ سنایا۔ باپ نے دوبارہ وہ آیت اس سے سنی، وہ نوجوان اس کو پڑھ کر پھر بے ہوش ہوگیا، جب اس کو ہلایا گیا تو مر چکا تھا۔ الغرض غسل و کفن دے کر رات میں ہی اس کو دفن کر دیا گیا۔ اور صبح حضرت عمر کو اس کی اطلاع ہوئی تو تعزیت کے لئے تشریف لائے، اور اس کے باپ سے فرمایا کہ ہمیں کیوں نہیں جنازے کی اطلاع کی؟ اس نے کہا کہ رات کا وقت تھا۔ حضرت عمر نے کہا کہ چلو اس کی قبر پر جائیں گے۔

پس آپ اور آپ کے ساتھی قبر پر آئے ، حضرت عمر نے اس نوجوان کو خطاب کر کے کہا کہ اے فلاں! قرآن میں ہے: ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ﴾[الرحمٰن:۴۶] (اور جو رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کھائے اس کو دو جنتیں ہیں) تو قبر سے اس نے جواب دیا کہ ہاں! مجھے اللہ نے دونوں جنتیں عطا کر دی ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق:۶/۱۰۷)

لبیک پر بے ہوشی

حضرت سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ نے حج کے ارادہ سے احرام باندھا اور سواری پر سوار ہوئے تو آپ کا رنگ فق ہو گیا، سانس پھولنے لگی اور بدن پر کپکپی طاری ہو گئی اور لبیک نہیں کہی جا سکی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں لبیک نہیں کہتے؟ تو کہا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ''لا لبیك و لا سعدیك'' نہ کہہ دیا جائے، پھر جب لبیک کہا تو بے ہوش ہو گئے، اور سواری سے گر پڑے، اور حج پورا ہونے تک یہ بات برابر پیش آتی رہی۔

(تاریخ ابن عساکر:۴۱/۳۷۸، تاریخ الاسلام للذھبی: ۲/۲۶۷، تہذیب التہذیب:۷/۲۶۹، تہذیب الکمال:۲۰/۳۹۰)

ایک اور اللہ والے کے احرام اور تلبیہ کی کیفیت سنو۔ حضرت عبد اللہ بن الجلاء کہتے ہیں کہ حج کے ارادے سے میں ذوالحلیفہ (مدینہ کی جانب سے میقات) میں تھا، لوگ احرام باندھ رہے تھے، میں نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اس نے اپنے اوپر احرام کے لئے غسل کرنے پانی ڈالا پھر کہنے لگا کہ اے میرے رب! میں '' لبیك

اللھم لبیك" کہنا چاہتا ہوں، لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ مجھ کو" لا لبیك و لا سعدیك" سے جواب نہ دیدیں۔ وہ برابر یہ کہتا جا رہا تھا، اور میں سن رہا تھا، جب اس نے حد کردی تو میں نے اس سے کہا کہ احرام تو ضروری ہے، کہنے لگا کہ اے شیخ! ڈر ہے کہ میں" لبیك" کہوں اور مجھے اللہ جواب میں" لا لبیك" نہ فرمادیں۔

حضرت ابن الجلاء کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ اللہ سے اچھا گمان رکھنا چاہئے لہذا میرے ساتھ تم بھی "لبیك اللھم لبیك" کہو۔ پس اس نے "لبیك اللھم" کہا اور اس کو کھینچ کر کہا، اور اسی کے ساتھ اس کی روح نکل گئی۔

(تاریخ ابن عساکر: ۴۳۶/۵۲، تاریخ بغداد: ۲۶۶/۵)

عمر نہیں تو عمر کا خدا جانتا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حکم لگا دیا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے، اس کے بعد ایک رات مدینہ میں گشت کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک عورت کو سنا کہ وہ اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے کہ صبح ہونے جارہی ہے، کیا تو دودھ میں پانی نہیں ملاتی؟

لڑکی نے ماں کو جواب دیا کہ میں کیسے دودھ میں پانی ملاؤں جبکہ امیر المومنین نے منع کر دیا ہے۔ ماں کہنے لگی کہ لوگ تو ملاتے ہیں تو بھی ملا دے۔ عمر کو کیا پتہ چلے گا؟

لڑکی نے کہا کہ: إِنْ كَانَ عُمَرُ لَا يَعْلَمُ فَإِلٰهُ عُمَرَ يَعْلَمُ ، مَا كُنْتُ أَفْعَلُهُ وَقَدْ نَهٰى عَنْهُ" (اگر عمر نہیں جانتے تو (کیا ہوا) عمر کا خدا تو جانتا ہے، لہذا میں یہ کام نہیں کروں گی جبکہ عمر نے اس سے منع کر دیا ہے)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اس لڑکی کی عقل پر تعجب کرنے لگے اور صبح اپنے بیٹے عاصم کو بلا کر تحقیق کے لئے بھیجا کہ وہ کون لڑکی ہے؟ معلوم ہوا کہ نبو ہلال کی ایک لڑکی ہے۔ پھر حضرت عمر نے اس لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے عاصم سے کردیا۔ اور اس لڑکی سے حضرت عاصم کو ایک لڑکی ام عاصم پیدا ہوئی اور اس سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز کا نکاح ہوا۔ اس طرح یہ لڑکی حضرت عمر بن الخطاب کی بہو اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نانی ہوتی ہے۔

(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابو محمد ابن عبدالحکم: ۲۳، شذرات الذھب: ۱/۱۱۹)

ایک دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے

ایک شخص نے ایک عورت سے برائی کا ارادہ کیا اور خلوت میں لے گیا، اور اس سے کہا کہ دروازے بند کردے، اور پردہ ڈال دے۔ اس نے دروازے بند کردیئے اور پردے ڈالدئے۔ جب وہ اس عورت کے قریب ہوا تو اس نے کہا کہ ایک دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ کونسا؟ تو کہا کہ وہ دروازہ جو تیرے اور رب کے درمیان ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ خوف خدا سے ایک چیخ مارا اور روح پرواز کرگئی۔

(الزھر الفاتح: ۱۳)

عتبہ غلام کا خوف

مالک بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ غلام کو ایک دن سخت سردی میں کھڑے دیکھا اور اس کو پسینہ آرہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں یہاں کھڑے ہو؟ تو کہا کہ اے سردار! اس جگہ میں نے اپنے رب کی معصیت کی تھی۔ پھر یہ اشعار

پڑھے:

أَتَفْرَحُ بِالذُّنُوبِ وَ بِالمَعَاصِيْ
وَ تَنْسٰى يَوْمَ يُؤخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
وَ تَأْتِي الذَّنْبَ عَمَداً لَا تُبَالِيْ
وَ رَبُّ العَالَمِيْنَ عَلَيْكَ حَاصِيْ

(تو گناہ و معاصی پر خوش ہوتا ہے اور اس دن کو بھول جاتا ہے جس دن کہ پیشانیوں کو پکڑا جائے گا، اور تو جانتے بوجھتے گناہ کرتا ہے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ تیرے اوپر رب العالمین نگراں ہے)

(الزھر الفاتح: ۵۵)

ایک مرد صالح کا خوف خداوندی

کوفہ کے زاہدین میں سے ایک حضرت سعید زاہد گزرے ہیں انہوں نے نقل کیا ہے کہ کوفہ میں ایک نوجوان نہایت عابد و زاہد تھا جو ہمیشہ مسجد میں رہتا تھا، اور حسین و جمیل تھا۔

ایک عورت نے اس کو دیکھا تو اس کے عشق میں مبتلا ہوگئی، اور اس نے راستے میں کھڑے ہو کر اس کو پھسلانا چاہا۔ جب وہ مسجد جارہا تھا تو اس نے اس سے کہا کہ اے نوجوان! میری ایک بات سن لو۔ مگر اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، اور چلا گیا۔ پھر جب وہ مسجد سے لوٹ رہا تھا تو وہ اس سے کہنے لگی کہ ایک بات میری سن لو، پھر جو چاہے کرنا۔ اس نوجوان نے کہا کہ یہ عام راستہ ہے، جہاں بات کرنا تہمت سے خالی نہیں، اور میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ اپنے اوپر تہمت لگاؤں۔

وہ عورت کہنے لگی کہ میں بھی اس کو جانتی ہوں اور تمہارا جو مقام ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم عابد وزاہد لوگ ایک شیشہ کی طرح ہو، جس پر ایک معمولی سا دھبہ بھی اس کو عیب دار بنا دیتا ہے، مگر مختصر بات کہنا چاہتی ہوں، وہ یہ ہے کہ میرے بارے میں ذرا اللہ سے ڈرو، میرا رواں رواں تمہاری محبت میں گرفتار ہے۔

یہ سن کر وہ نوجوان اپنے گھر چلا گیا، اور نماز پڑھنا چاہا تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسا پڑھے؟ اس نے ایک کاغذ اٹھایا اور اس عورت کو ایک خط لکھا اور باہر نکلا تو دیکھا وہ وہیں کھڑی ہے، اس نے وہ خط اس کو دیا، اور اپنے گھر آ گیا۔

اس میں لکھا تھا کہ: ''اے عورت! جان لے کہ بندہ جب اللہ کی نافرمانی اول مرتبہ کرتا ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتا ہے اور جب دوسری بار کرتا ہے تو اس کی ستاری کرتا ہے اور جب تیسری بار کرتا ہے تو اس پر اس قدر غصہ ہوتا ہے کہ زمین و آسمان، شجر و پہاڑ، اور جانور سب کے سب اس پر تنگ ہو جاتے ہیں، لہذا کون اللہ کے غصہ کو برداشت کر سکتا ہے؟ پس اگر وہ محبت والی بات جو تو کہہ رہی ہے وہ غلط ہے تو میں تجھے قیامت کا وہ دن یاد دلاتا ہوں جس دن کہ آسمان اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور لوگ اللہ جبار عظیم کی عظمت کی وجہ سے اپنے گھٹنوں کے بل چل کر آئیں گے اور اگر وہ بات سچ ہے کہ تیرا رواں رواں محبت میں گرفتار ہے تو میں تجھے ہدایت دینے والے طبیب کی جانب رہنمائی کرتا ہوں جو ہر قسم کے زخموں اور دردوں کا علاج کرتا ہے اور وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے۔

لہذا اسی کے دربار میں جا کر اس سے سوال کر، میں تو تیرے سے ہٹ کر اس آیت میں مشغول ہوں کہ: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ

وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ﴾[الغافر: ۱۸-۱۹]

(لوگوں کو اس قریب آنے والے دن سے ڈراؤ جبکہ کلیجے (خوف و دہشت سے) منہ کو آرہے ہوں گے، اس حال میں کہ وہ گھٹ رہے ہوں گے، گنہ گاروں کا کوئی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے، وہ اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اس کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہے)

اس آیت سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے؟ کہتے ہیں کہ وہ عورت چلی گئی اور پھر چند دنوں کے بعد آئی، اور راستے پر کھڑی ہوگئی، اس نوجوان نے اس کو دیکھا تو دور ہی سے اپنے گھر واپس ہونے لگا، اس عورت نے اس سے کہا کہ اے نوجوان! واپس نہ ہو، آج کے بعد پھر اللہ کے سامنے ہی ہماری ملاقات ہوگی۔

پھر بہت روئی اور کہنے لگی کہ کوئی نصیحت کیجئے۔ اس نے اس کو نصیحت کی کہ اپنے نفس کی حفاظت کرنا، اور یہ آیت پڑھی: ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰكُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُكُمۡ فِیۡهِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴾[الانعام: ٦٩] (اللہ کی ذات وہ ہے جو تم کو رات میں اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور تم جو کچھ دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے، پھر دن میں تم کو اٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ مدت پوری ہو جائے، پھر اسی کی جانب تم کو لوٹنا ہے پھر وہ تم کو بتائے گا کہ تم کیا (عمل) کرتے تھے)

وہ عورت سر جھکا کر سنتی رہی اور پہلے سے زیادہ اس پر بکاء و گریہ طاری ہو گیا پھر افاقہ ہوا تو اپنے گھر گئی اور اس نے اللہ سے توبہ کی اور گھر کو لازم پکڑ لیا اور عبادت میں مشغول ہوگئی اور اسی پر اس کی وفات ہوئی۔

(الزہر الفاتح: ۱۳۰)

پھر اللہ کہاں ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بار مدینہ کے باہر کسی جگہ سے گذر ہورہا تھا اور آپ کے شاگرد واصحاب بھی آپ کے ساتھ تھے، ایک جگہ بیٹھ کران سب نے کھانا کھایا، اسی اثناء میں ایک بکری چرانے والا بکریاں لیکر وہاں سے گزرا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر بطور امتحان اس سے فرمایا کہ کیا تم ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمیں بیچ سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں؛ کیونکہ یہ بکریاں میری اپنی نہیں ہیں، بلکہ میں صرف ان کو اجرت پر چراتا ہوں، یہ دوسرے کی بکریاں ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بطور امتحان کہا کہ تم یہ ہمیں درہم لیکر بیچ دو اور اس سے کہہ دینا کہ بھیڑیے نے بکری کو کھالیا۔

یہ سن کر وہ ایک دم سے چیخ اٹھا اور کہنے لگا: ''فَأَيْنَ اللّٰه ؟ کہ پھر اللہ کہاں ہے؟ یعنی کیا اللہ نہیں دیکھ رہا ہے؟ حضرت ابن عمر اس کی یہ بات سنکر رونے لگے۔

(اسد الغابۃ: ۱۵۳/۲، تاریخ الاسلام: ۳۹۵/۸، مختصر تاریخ دمشق: ۳۱۵/۴)

منقش اشیاء سے حضور کی نفرت

حضرت سفینہ مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا، آپ نے اس کے لیے کھانا بنوایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کاش اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہم بلاتے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ کھاتے چنانچہ آپ کو دعوت دی گئی، آپ تشریف لائے اور آپ نے دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھا تو آپ نے ایک پردہ پر نظر کی جو کہ منقش تھا اور واپس لوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے گئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! کس چیز نے آپ کو

لوٹا دیا؟ فرمایا مجھے یا کسی نبی کو ایسے گھر جانے کی گنجائش نہیں جو مزین ہو۔

(مشکوۃ: ۲۷۸)

ایمان کی ٹھنڈک کیسے حاصل ہو؟

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ کہیں جانے کے لیے ایک مرتبہ کار میں بیٹھے، خوب گرمی تھی اور لو تھی، حضرت نے فرمایا کہ ایر کنڈیشن چلا دو، ایر کنڈیشن چلا دیا گیا، لیکن کار میں ٹھنڈک نہیں آئی، تو حضرت نے فرمایا کہ کیا وجہ ہے تمہارا ایر کنڈیشن کچھ ناقص ہے؟ ٹھنڈک کیوں نہیں آرہی ہے، تو ڈرائیور نے کہا شاید کار کا کوئی شیشہ کھلا ہوا ہے، جس سے باہر کی گرمی اندر آرہی ہے، دیکھا تو ایک طرف شیشہ کھلا ہوا تھا، جلدی سے شیشہ بند کر دیا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں پوری کار ٹھنڈی ہو گئی، گرمی اور لو سے حفاظت ہو گئی، حضرت نے ایک عجیب بات فرمائی: جو قابل وجد ہے، فرمایا کہ اے، سی، چالو ہونے کے باوجود کار میں ٹھنڈک اس لئے نہیں آئی کہ اس کا ایک شیشہ ذرا سا کھلا ہوا تھا، اسی طرح اگر آنکھ، کان، زبان وغیرہ کا شیشہ کھلا ہوا ہو، تو دل میں ایمان کی ٹھنڈک داخل نہیں ہو سکتی، اس لئے اگر ایمان کی ٹھنڈک چاہتے ہو، تو آنکھ کان وغیرہ پر پابندی لگانا ہوگا اور ان کو بند رکھنا ہوگا۔

عورت کے لئے سب سے بہتر کیا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے پوچھا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر چیز کیا ہے؟ صحابہ سب خاموش رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

جب میں گھر واپس آیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر بات کیا ہے؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر بات یہ ہے کہ وہ مردوں کو نہ دیکھے اور نہ مرد اس کو دیکھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ جواب میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ نے فرمایا ہاں فاطمہ تو میرا جزء ہے۔

(مسند فاطمہ للسیوطی: ۱۱۸)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا پردہ میں رہنا کہ نہ وہ کسی اجنبی مرد کو دیکھ سکے اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھ سکے، بہترین صفات میں سے ہے۔

بچوں کو صالح بنانے ماں باپ کا صالح ہونا ضروری

ایک میاں بیوی نے عہد کیا کہ ہم صحیح اور نیک زندگی گزاریں گے، اور کوئی کام خلاف شرع نہیں کریں گے، تا کہ ہمارے بچے پر اچھے اثرات مرتب ہوں، چنانچہ ان دونوں نے صحیح طریقہ پر اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کیا، اور احتیاط کی زندگی گزارتے رہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کے بچہ نے اسکول میں دوسرے بچے کا کچھ سامان چوری کرلیا، تو استاذ نے ماں باپ کو اطلاع دی، ماں باپ گئے اور بچے کو تنبیہ کی، پھر گھر آ کر غور کرنے لگے، کہ ہم نے عہد کیا تھا نیک زندگی گزاریں گے، پھر بچے میں یہ چوری کا اثر کیسے ہوگیا؟ تو ماں نے کہا کہ اس میں غلطی میری ہے، کیونکہ ہمارے پڑوس کے گھر میں ایک بیر کا درخت ہے، جس کی ایک شاخ ہمارے گھر میں آئی تھی اور اس بچہ کا جب حمل مجھے تھا تو میں نے اسمیں سے بغیر اجازت کے کچھ بیر کھالئے تھے، اسی چوری کا اثر بچے پر ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ اولاد کے نیک اور صالح ہونے میں والدین کے تقوی کا اور صالحیت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فراست

ایک دفعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک بازار میں ایک گناہ ہوگیا کہ نامحرم عورت پر نگاہ پڑ گئی، پھر وہ حضرت عثمان کی خدمت میں آئے اور ان کی مجلس میں بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا کہ کیا حال ہے بعض لوگ کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے اور وہ آ کر مجلس میں بیٹھ جاتے ہیں، حضرت انس کہنے لگے کہ حضرت! کیا جبرئیل اب بھی وحی لاتے ہیں؟ کیا نبوت ختم نہیں ہوئی؟ جبرئیل کی آمد ورفت کیا اب بھی باقی ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا، مگر فراست کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے، مومن کی فراست دیکھ لیتی ہے کہ کس نے کیا گناہ کیا ہے۔

(تفسیر القرطبی: ۱۰/۴۴)

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی فراست

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ ایک عیسائی اپنے مذہب کا بہت بڑا عالم تھا، اس نے کہیں یہ حدیث پڑھ لی (اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُوْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ) کہ مومن کی فراست سے ڈرتے رہو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

(ترمذی: ۳۰۵۲، طبرانی فی الاوسط: ۳/۳۱۲)

تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی کہ سب تو آنکھ سے دیکھتے ہیں مومن فراست

سے کیسے دیکھتا ہے؟ اور کیسے سمجھ میں آئے گی کہ فراست کیا چیز ہوتی ہے، بعض چیزیں سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آتیں، جب تک کہ خود پر نہیں گذرتیں، بس وہاں پر یا تو تقلید کرے اور مان جائے کہ ہاں بھائی ہوتا ہے، یا نہیں تو خود کو حاصل ہو وہ بات تو سمجھ میں آجائے، الغرض اس کو اس حدیث کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، اس نے علماء سے پوچھا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس کو سمجھایا گیا مگر اس کی سمجھ میں پھر بھی نہیں آیا، تو اس کو کسی نے مشورہ دیا کہ جنید بغدادی کے پاس چلا جا، وہ اس کو سمجھا دیں گے، چنانچہ وہ مسلمانوں جیسا لباس پہن کر جنید بغدادی کے پاس گیا اور جا کر کہا: السلام علیکم، حضرت نے کہا: هَدَاكَ اللّٰه، (اللہ تجھ کو ہدایت دے) اب بس وہیں پر ٹھٹک گیا کہ میں سلام کرتا ہوں تو سب لوگ سلام کے جواب میں "وعلیکم السلام" کہتے ہیں اور یہ حضرت "هَدَاكَ اللّٰه" کہہ رہے ہیں، اس نے کہا کہ حضرت میں نے سلام کیا آپ نے "هَدَاكَ اللّٰه" کہا، سلام کا جواب نہیں دیا، کیا بات ہے؟ حضرت نے کہا کہ (اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُوْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰه)، مومن کی فراست سے بچو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اور کہا کہ تو تو عیسائی ہے، اور مسلمانوں جیسا لباس پہن کر آیا ہے، یہی ہے فراست جس سے میں تجھے دیکھ رہا ہوں، اب اس کی سمجھ میں آیا کہ واقعی ایسا ہوتا ہے۔

تبرکات میں غلو سے صحابی کی احتیاط

صحابہ تبرکات کے سلسلہ میں نہایت محتاط تھے، ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں کہا کہ اس کی سند ابوالعالیہ راوی تک صحیح ہے، وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ جب ہم نے "تستر" مقام کو فتح

کیا تو شاہِ ایران ہرمزان کے بیت المال میں ہم نے ایک تخت پایا جس پر ایک آدمی کی لاش تھی اوراس کے سر کے پاس ایک مصحف (ان کی مقدس کتاب) رکھی ہوئی تھی ہم مصحف کو اُٹھا کر حضرت عمر کے پاس لے گئے، حضرت عمر نے حضرت کعب احبار کو بلایا اورانہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کردیا۔ حضرت ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ عرب میں سے میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اس کو پڑھا، اس میں تمہارے احوال وحالات اورتمہارے معاملات اور بعد میں پیش آنے والے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ جب حضرت ابوالعالیہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اس لاش کا کیا کیا؟ تو کہا کہ ہم نے دن میں ایک جگہ تیرہ قبریں کھودیں، اوررات میں اس لاش کوایک قبر میں دفن کیا اورسب قبروں کو برابر کردیا تاکہ ہم لوگوں سے اس کو چھپادیں کہ وہ پھر کھود کراس کو نہ اُٹھالیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ لوگ اس لاش سے کیا امید رکھتے تھے؟ تو کہا کہ جب بارش ان سے روک دی جاتی تو وہ لوگ اس لاش کو باہر لاتے اوراس کی وجہ سے ان پر بارش ہوتی۔ پوچھا گیا کہ آپ لوگ اس کو کس کی لاش خیال کرتے ہیں؟ تو کہا کہ یہ حضرت دانیال پیغمبر کی لاش تھی۔ پوچھا کہ وہ کب مرے تھے؟ کہا کہ تین سو سال پہلے۔ پوچھا کہ کیا ان میں کچھ تغیر وتبدیلی آگئی تھی؟ کہا کہ سوائے گدی کے چند بالوں کے کسی چیز میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، کیونکہ انبیاء کا گوشت زمین نہیں کھاتی اور نہ درندے کھاتے ہیں۔

(سیرت ابن اسحاق: ۴۳/۱، البدایۃ: ۴۰/۲)

اس روایت میں بہت بڑی عبرت ہے، وہ یہ کہ حضرات صحابہ نے حضرت دانیال علیہ السلام کے جسد اطہر کو جس کی مقدس ومتبرک ہونے میں کوئی کلام نہیں، اورجس کی برکات کا لوگوں نے بار بار مشاہدہ کیا تھا کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں

ان کے جسد کو باہر لاتے تو اس کی برکت سے بارش ہونے لگتی تھی، اس مقدس جسد کو ان حضرات نے ایک عجیب ترکیب سے لوگوں سے پوشیدہ رکھا کہ تیرہ قبریں کھودیں اور رات کی تاریکی میں ایک میں اس لاش کو دفن کیا اور باقی کھدی ہوئی قبروں کو بھی برابر کردیا تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کہاں دفن کی گئی ہے۔ان حضرات کا اس کو اس قدر پوشیدہ رکھنے کا اہتمام اسی لئے تھا کہ لوگ اس تبرک میں غلو کرکے شرکیات میں کہیں گرفتار نہ ہوجائیں۔

عاجزی وتواضع

سلوک کا عظیم راستہ

امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ کی تواضع

ایک مرتبہ کوئی شخص امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ سے مسئلہ پوچھنے گیا، امام صاحب اُوپر کی منزل میں اپنے حجرے میں تھے، سائل نے آواز دیکر امام صاحب کو بلایا، امام صاحب جب نیچے اتر کر آئے تو کہنے لگا، حضرت! معاف کرنا، ایک مسئلہ معلوم کرنا تھا مگر میں بھول گیا کہ کیا مسئلہ تھا، امام صاحب کہنے لگے: کوئی بات نہیں، جب یاد آئے تو آکر پوچھ لینا، یہ کہکر امام صاحب اپنے کمرے میں اوپر تشریف لے گئے، جیسے ہی امام صاحب اُوپر چڑھے، تو اس شخص نے آواز دی کہ حضرت! یاد آگیا ذرا نیچے آیئے، امام صاحب جب نیچے آئے تو کہنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ میں پھر بھول گیا، امام صاحب پھر یہ کہکر تشریف لے گئے کہ یاد آئے تو معلوم کر لینا، مگر اس نے اسی طرح سات مرتبہ امام صاحب کو اُوپر چڑھایا اور اتارا، یہ بلاتا اور کہتا کہ حضرت بھول گیا، آخری مرتبہ جب آپ آئے تو کہنے لگا کہ ہاں اب یاد آگیا، یہ مسئلہ پوچھنا ہے کہ پاخانہ میٹھا ہوتا ہے یا پھیکا؟

غور کا موقعہ ہے کہ ایک تو اس نے سات دفعہ ان کو چڑھنے اور اُترنے پر مجبور کیا پھر جو مسئلہ پوچھا تو ایسا بے ہودہ مسئلہ پوچھا۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کی غایت تواضع دیکھئے کہ باوجود اس کے بے ڈھنگے سوال کے بالکل غصہ نہیں ہوئے، اور جواب بھی دیا اور فرمایا کہ پاخانہ جب تک تازہ ہوتا ہے، میٹھا ہوتا ہے، اور جب سوکھ جائے تو پھیکا ہو جاتا ہے، اس پر وہ کہنے لگا کہ آپ نے جو کہا ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالے نے امام صاحب کو حیرت انگیز قسم کی ذہانت دی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ: جب تک پاخانہ تازہ رہتا ہے، اُس پر مکھیاں بیٹھتی ہیں اور مکھیاں میٹھی

چیزوں پر ہی بیٹھتی ہیں، اور جب وہ سوکھ جاتا ہے تو اس پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھیکا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا اسداللہ صاحب رحمہ اللہ کی تواضع

ایک واقعہ سناتا ہوں، ہمارے زمانے کے ایک بزرگ ہیں، حضرت مولانا اسداللہ خان صاحب، جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے، اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور حضرت اقدس مفتی مظفرحسین صاحبؒ ہیں، ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ عمدہ اور نئے کپڑے پہن کر کہیں جارہے تھے، راستہ میں ایک جھاڑو دینے والی جھاڑ رہی تھی، حضرت کے اوپر کچھ دھول وغیرہ لگ گئی، اور کپڑے کچھ میلے ہو گئے اور حضرت بھی بڑے نظیف ولطیف مزاج انسان تھے، کئی کئی مرتبہ وضو کرتے تھے، جب پوچھا گیا، تو فرمایا کہ دل کو سکون نہیں ہوتا، چنانچہ اس دھول وغیرہ کی وجہ سے اس جھاڑنے والی کو ڈانٹ دیا، اور کہا کہ تجھے جھاڑو دینا بھی نہیں آتا، میرے کپڑے میلے اور گندے کر دیئے، یہ کہکر اپنی جگہ پر آ گئے، جب اپنی جگہ بیٹھے تو دل بے چین ہوتا ہے، بے قراری پیدا ہوتی ہے، طلبہ کو بلاتے ہیں، خدام کو آواز دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو بھائی؛ جھاڑو دینے والی کہاں ہے، اس کو بلا کر لے آؤ، سب خدام ادھر ادھر بکھر گئے اور تلاش کرنے لگے، مگر وہ ملی ہی نہیں، طلبہ نے آکر کہا کہ حضرت! وہ تو نہیں ملی، تو حضرت بے چین ہو گئے، فوراً اٹھے اور خود اس کو تلاش کرنے لگے، وہ کسی سڑک پر جھاڑو دے رہی تھی، آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ میں نے تجھے ڈانٹ دیا تھا، مجھے خدا کے لیے معاف کر دینا، مجھے حق نہیں کہ میں تجھے ڈانٹوں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کی عاجزی

امام شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ ایک راستہ سے گذر رہے تھے، اُسی راستہ میں دوسری طرف سے ایک کتا آرہا تھا، اور راستہ اتنا تنگ تھا کہ کوئی ایک ہی اس پر سے گزر سکتا تھا، جب کتا قریب آیا، تو شاہ صاحب نے کہا: ارے کتے! تو نیچے اتر جا، اس لیے کہ میں نیچے اتروں گا، تو میرے کپڑے گندے ہو جائیں گے، اور مجھے نماز پڑھنا ہے، اور تجھے کیا؟ تو تو گندگی ہی میں رہتا ہے، گندا ہوگا، تو پھر صاف بھی ہو جائے گا۔

اللہ تعالے نے کتے کو زبان دیدی، کتا کہنے لگا، شاہ صاحب! آپ کی یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر میں گندے نالے میں اتروں گا تو ناپاک ہو جاؤں گا، پھر پانی میں ایک ڈبکی لگاؤں گا، تو صاف ہو جاؤں گا، مگر آپ کے دل میں میری جو حقارت ہے اور اپنی بڑائی، اس سے آپ کے دل میں جو نجاست پیدا ہوگئی ہے، وہ سات سمندروں کے پانی سے بھی ختم نہیں ہو سکتی۔

اللہ اکبر! یہ سن کر شاہ صاحب کتے سے معافی مانگنے لگے، اور اللہ کی جناب میں توبہ کی، آج ہم لوگ کتے تو کتے، انسانوں بلکہ اپنے سے بڑے و افضل لوگوں کی بھی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے کو سب سے بڑا سمجھتے ہیں، غور کرو کہ ہمارے دلوں کی گندگی کا کیا حال ہوگا۔

عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ کی عاجزی

امام عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ ایک مرتبہ مجلس میں بڑے بے چین تھے، مضطرب تھے پوچھا گیا کہ حضرت کیا بات ہے، کیوں پریشان ہیں؟ تو فرمایا کہ میں

نے آج ایک جرأت کا کام کرلیا ہے، جس کی وجہ سے افسوس ہو رہا ہے، اور پریشانی ہو رہی ہے کہ میں نے کتنی بڑی جرأت کی ہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیا کام کر دیا ہے؟ تو فرمایا کہ آج میں نے اللہ سے دعاء کرتے ہوئے جنت مانگ لی، میں کہاں اس کا حقدار ہوں کہ میں نے اس کی مانگ کی ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عاجزی

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کہتے تھے کہ اے اللہ! مجھ جیسا گنہ گار جنت نہیں مانگ سکتا، اتنی درخواست کرتا ہوں کہ جنتیوں کی جوتیوں میں جگہ عطاء فرما دے، اور فرماتے کہ یہ جنتیوں کی جوتیوں میں رکھنے کا سوال بھی اس لیے کرتا ہوں کہ دوزخ کو برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے، ورنہ تو میں دوزخ کا حقدار تھا۔

یہ حضرات بھی عجیب تھے، علم وعمل، تقوی وطہارت، عبادت وریاضت، سب ہے مگر عاجزی کا یہ عالم، اور ایک ہم ہیں کہ کرتے تو کچھ نہیں، مگر جنت سے کم پر راضی ہی نہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس کے پوری طرح مستحق ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کی تواضع

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ، اتنے بڑے آدمی تھے، شیخ المشائخ تھے ہزاروں علماء وصوفیاء کے رہبر تھے، پھر بھی دعاء میں رات میں اُٹھکر یوں کہتے کہ اے اللہ! میرے پاس کچھ نہیں ہے، بالکل خالی ہوں، مگر تیرے بہت سے نیک بندے مجھے اچھا سمجھتے ہیں، ان کے نیک گمان اور ان کے طفیل سے میری مغفرت فرمادے، سوچئے اتنے بڑے بڑے لوگ جنکا علم وعمل، اور تقویٰ وزہد، بے نظیر تھا، وہ بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی عاجزی

میں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکتوبات میں حضرت مجدد صاحب کی ایک عجیب بات پڑھی، اور پڑھ کر کچھ دیر تک میرا سر چکرانے لگا اور میں حیرت میں ڈوب گیا، حضرت نے پہلے تو یہ نقل کیا کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ مرید صادق تو وہ ہے جس سے بیس (۲۰) سال تک کوئی گناہ صادر نہ ہوا ہو، اور بیس (۲۰) سال تک اس کے بائیں ہاتھ کا فرشتہ کچھ بھی نہ لکھ سکے، اسکو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: لیکن میرا خیال تو اپنے بارے میں یہ ہے کہ شاید میرے دائیں ہاتھ کا فرشتہ بیس (۲۰) سال سے کچھ بھی نہ لکھا ہوگا، کیونکہ میں نے کوئی نیکی ہی نہیں کی، اور میرے بائیں ہاتھ کے فرشتہ کو لکھنے سے فرصت ہی نہ ملتی ہوگی۔

بھائیو! دیکھا آپ نے کہ اتنے بڑے مجدد، اتنے بڑے مجتہد، اتنے بڑے صوفی و بزرگ، جنھوں نے الحادِ اکبری کو ختم کرنے سب سے پہلے قدم اُٹھایا، اور اکبر نے جو رسوم ورواج جاری کئے تھے، انکو ختم کرنے کیلئے ننگی تلوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے، اور جنہوں نے دین کی حفاظت وصیا نت کی خاطر اپنے آپکو داؤ پر لگا دیا تھا، وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں ہے، بلکہ اپنی نیکوں کو نیکی بھی سمجھنے کی ہمت نہیں کر رہے ہیں، اور اپنے آپ کو گنہ گار خیال کر رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ داہنی طرف کا فرشتہ تو بیکار بیٹھا ہوگا اور بائیں طرف کا فرشتہ بدی و برائی لکھنے میں ایسا مصروف ہوگا کہ اسے فرصت ہی نہ ہوگی۔

جب یہ حضرات یہ کہتے ہیں تو ہمارا اور آپ کا کیا ہوگا؟ کیا ہمیں اپنے عمل پر بھروسہ کر لینے کی اجازت ہوگی؟

استغفار بھی استغفار کے قابل

حضرت رابعہ بصریہ جو بہت بڑی زاہدہ عابدہ خاتون تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارا استغفار بھی استغفار کے قابل ہے، یعنی جب ہم استغفار کرتے ہیں تو وہ اللہ کے شایانِ شان نہیں ہوتا اور اس میں بھی ہم سے گستاخی ہوجاتی ہے، اس کے آداب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس لیے اس استغفار پر پھر استغفار کرنا چاہئے۔

اساتذہ کی بے ادبی کا عبرت ناک انجام

ایک واقعہ سناتا ہوں جو خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو میرے طالب علمی کے دور میں پیش آیا ہے، ایک ہمارا ساتھی تھا، اور بہت ذہین تھا، ایک مرتبہ سنتا تو پورا سبق یاد ہوجاتا تھا، بڑا ہی ذہین، بڑا چالاک، اور صلاحیت واستعداد والا تھا، وہ طلبہ کو تکرار کرایا کرتا تھا، مگر اس میں ناز وتکبر تھا، وہ اپنی تکرار میں یہ کہا کرتا تھا کہ میں اُستاذ سے بھی اچھا پڑھا سکتا ہوں، اور واقعی وہ بہت اچھے طریقہ سے تکرار کراتا تھا اور سارے طلبہ اس کو مانتے تھے، جب سہ ماہی امتحان ہوا تو مدرسہ کے تمام طلبہ میں اول نمبر پر کامیاب ہوا اور امتیازی نمبر حاصل کئے، مگر صرف تین ماہ بعد جب ششماہی امتحان آیا تو وہ بالکل زیرو نمبر آیا اور ناکام ہوگیا، اب یہ سوچنا ہے کہ سہ ماہی اور ششماہی میں کتنے مہینے ہوتے ہیں؟ بمشکل تین ماہ، اس کے باوجود اعلی نمبرات سے کامیاب ہونیوالا زیرو نمبر سے فیل کیوں ہوگیا؟

اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نے اپنے سے بڑوں کی، اپنے اساتذہ کی تحقیر کی، انکو اپنے سے بڑا سمجھنے کے بجائے، اپنے سے چھوٹا سمجھا، اور ان کی بے ادبی کی، اور یہ سب تکبر کی وجہ سے ہوا، اب معلوم نہیں وہ کہاں ہے اور کیا کررہا ہے، کیسا ہے۔

طلبہ کو اس قصہ سے عبرت لینا چاہئے، اور اپنے اساتذہ اور بڑوں کا ادب کرتے رہنا چاہئے، ان کی تحقیر و توہین ہرگز نہ کرنا چاہئے، اسی سے علم آتا ہے، ورنہ اولاً تو علم نہیں آتا اور اگر آ گیا تو وہ علم نفع نہیں دیتا، اللہ تعالی ہم سب کو اساتذہ اور مشائخ کے ادب کی توفیق دے اور بے ادبی سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

حقیر سمجھنے کا گناہ کفر تک پہنچا سکتا ہے

ابوعبداللہ اندلسیؒ حضرت شبلیؒ کے ساتھیوں میں ہیں، حافظ حدیث تھے، کئی ہزار احادیث یاد تھیں، وہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، راستہ میں کچھ لوگ بتوں کی پوجا میں مصروف تھے، ان کو دیکھ کر دل میں ان کی حقارت آ گئی، اور دل دل میں کہنے لگے، یہ تو جانور سے بدتر ہیں، بس اسی پر اللہ کی پکڑ شروع ہو گئی، آگے بڑھے تو ایک لڑکی پر نظر پڑ گئی، اس پر دل فریفتہ ہو گیا، اس سے جا کر کہا کہ میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ میرے والد سے بات کرو، انہوں نے اس لڑکی کے والد سے بات کی، تو اس نے کہا: میں دو شرطوں پر میری لڑکی سے تمہاری شادی کروں گا، ایک شرط یہ کہ تم عیسائی بن جاؤ، دوسری شرط یہ کہ میرے سوّر ہیں، ان کو چرانا ہو گا، چونکہ ان کا دل اس لڑکی کی طرف بہت مائل ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے ان دو شرطوں کو قبول کر لیا اور عیسائی بن گئے۔ بہت دنوں بعد ان کے پاس شبلی آئے، دیکھا کہ عیسائی بن گئے ہیں اور خنزیر چرا رہے ہیں، شبلی نے کہا: تم کو کوئی آیت یاد بھی ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں، صرف ایک آیت یاد ہے ﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ﴾ (جو اپنے سچے دین کو بدل دیا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا) پھر شبلی نے دریافت کیا کہ احادیث میں سے کچھ یاد ہیں؟ انہوں نے کہا

کہ ہاں صرف ایک حدیث یاد ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ" (جو مرتد ہو جائے اسے قتل کردو)

(بخاری:۲۷۹۴، ترمذی:۱۳۷۸)

پھر ان پر اللہ کا فضل ہوا اور شبلی نے سمجھایا تو دوبارہ اسلام لائے، اس واقعہ میں آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کو یہ سزا مخلوق کی حقارت کرنے پر ملی، حالانکہ انہوں نے کافروں کو حقیر سمجھا تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافروں کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ ان کے گناہ کو حقیر سمجھنا چاہیے۔

تمہارے پیر کب سے لمبے ہو گئے

ایک مرتبہ علامہ تفتازانی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے پاس ایک بادشاہ آیا جس کا نام تیمور لنگ تھا اور اس کے ساتھ کچھ لوگ آئے ہوئے تھے جب وہ بیٹھا تو ایک پیر لمبا کرلیا اور علامہ تفتازانیؒ نے بھی اپنے دونوں پیر لمبے کرکے بیٹھے۔ اس میں ایک راز تھا، اس لیے حضرت نے اپنے پیر لمبے کرکے بیٹھے تھے اور جس وقت بادشاہ جا رہا تھا تو بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا کہ ایک ہزار اشرفیاں ان کو دے دو تو وزیر نے حضرت کو دیتے وقت کہا کہ تمہارے پیر کب سے لمبے ہو گئے تو حضرت نے فوراً کہا کہ جب سے میرے ہاتھ سکڑ گئے۔

تو جو لوگ دنیا پر مرتے ہیں وہ قیامت کے دن ذلیل ہو جاتے ہیں اس لیے دنیا سے پرہیز کرنا چاہیے۔

دنیا پیروں میں آئیگی

ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ کے پاس ایک شخص آیا کچھ رقم دینے کے

لیے تو حضرت نے اس رقم کو انکار فرما دیا، اور اس کے بعد حضرت ایک جگہ تشریف لے گئے جہاں لوگ جمع تھے اور وہاں سے فارغ ہو کر جانا چاہتے تھے۔ تو جب جوتے پہننے کے لیے جوتے میں پیر ڈالا تو جوتے میں کوئی چیز محسوس ہوئی، آپ نے لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص آیا اور جوتوں میں رقم ڈال کر چلا گیا تو حضرت نے فوراً فرمایا کہ دیکھو جو لوگ دنیا کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو دنیا ان سے آگے بھاگتی ہے لیکن مل نہیں پاتی اور ہم دنیا کو لات مارتے ہیں تو دنیا پیروں پر آ کر گرتی ہے۔ اسی لیے دنیا کے چکر میں نہیں رہنا چاہیے۔

آپ موسیٰ علیہ السلام سے بڑے نہیں

ایک بزرگ کسی بادشاہ کو زور زور سے ڈانٹنے لگے، تو اس نے کہا: حضرت! آپ موسیٰ علیہ السلام سے بڑے نہیں ہیں، اور میں فرعون سے گھٹیا نہیں ہوں، جب اللہ نے موسیٰ جیسے نبی کو فرعون جیسے کافر کے پاس بھیجا تھا تو اس سے بھی نرمی سے بات کرنے کی ہدایت دی تھی ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى﴾ تو آپ مجھے اتنی شدت وسختی سے کیسے کہہ سکتے ہیں، کیا میں فرعون سے بھی گیا گزرا ہوں اور آپ موسیٰ سے بھی فائق ہیں؟!

لوگوں کے سامنے عذاب نہ دینا- ابن الجوزی کا تواضع

صید الخاطر میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک مرتبہ بیان فرما رہے تھے اور سامعین میں دس ہزار کا مجمع تھا، اور ان کا وعظ سن کر پورے کا پورے مجمع رو رہا تھا، سوچو کہ کیا عالی شان خطاب ہوگا، کیا پُرتاثیر بیان ہوگا!!!۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسی وقت میں نے اللہ سے دعا کی کہ: اے اللہ! میں گنہ

گار ہوں، جنت تو مجھے نہیں مل سکتی، میرے اعمال اس لائق نہیں، اور مجھے جہنم میں ہی جانا ہے، اس لئے صرف ایک درخواست یہ کرتا ہوں کہ مجھے ان دس ہزار کے سامنے عذاب نہ دینا، ان سے اوجھل رکھ کر جہنم میں ڈالنا۔

اللہ اکبر! کیا عاجزی ہے، کیا تواضع ہے، میں ایک سفر کے دوران ابن الجوزی کی یہ بات پڑھا اور یہ واقعہ پڑھ کر میرا سر کچھ دیر کے لئے چکرانے لگا، واقعی یہ حضرات اپنے غایت تواضع وانتہائی عاجزی سے ہی اس قدر اونچے مراتب پر فائز ہوئے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اس طریق کا حاصل یہی ہے کہ نیکی کرتا رہے اور پھر بھی ڈرتا رہے، گناہ کر کے ڈرنا کمال نہیں، نیکیاں کر کے ڈرنا کمال ہے۔

امام ابن مبارک رحمۃ اللہ کی عاجزی کا حال

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا نام آپ نے سنا ہوگا، بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے اور بڑے بزرگ بھی تھے، جب ان کا آخری وقت آیا، اس وقت وہ اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے، بیقراری تھی، شاگرد جمع تھے، عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا کہ مجھے اٹھا کر زمین پر لٹا دو، شاگردوں نے کہا کہ حضرت! زمین پر کیوں لیٹنا چاہتے ہیں، اوپر تو ذرا آرام ہے، نیچے رہنے پر آپ کو تکلیف ہوگی۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: نہیں، مجھکو اٹھاؤ اور زمین پر ڈالدو۔ خیر حکم تھا، تو شاگردوں نے ان کو اوپر سے اٹھایا اور زمین پر ڈالدیا، ڈالتے ہی ان کی عجیب حالت ہوئی، چہرہ کو اور گالوں کو زمین پر رگڑنے لگے اور اللہ سے خطاب کر کے کہنے لگے کہ اے اللہ! کہیں ایسا تو نہیں کہ مجھ بوڑھے کو آپ جہنم میں ڈالدیں، اس بوڑھے پر رحم فرما، اس بوڑھے پر رحم فرما، بار بار یہی فرماتے چلے جا رہے ہیں۔

یہی تو اللہ کا ڈر و عاجزی ہے جو بندۂ مومن کے قلب کے اندر ہمیشہ جاگزیں ہونا چاہیئے جو اس کو صحیح سمت اور صحیح راستہ بتائے گا۔

حضرت مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ کی عاجزی

میرے استاذ حضرت مفتی نصیر احمد صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح اللہ خان صاحبؒ کو جو خطوط آتے تھے، میں ہی حضرت والا کو پڑھ کر سناتا تھا، ایک مرتبہ کچھ لوگوں کی طرف سے حضرت والا کو خطوط آئے جس میں گالیوں کی بھرمار تھی، گستاخانہ الفاظ تھے، تو میں ایسے خطوط پڑھے بغیر ایک طرف رکھ دیتا، تو حضرت والا کہتے کہ ان کو کیوں نہیں پڑھتے؟ ان کو بھی پڑھو، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ خطوط پڑھنے کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ ان میں گالیاں اور دھمکیاں لکھی ہیں، ان کو کیا پڑھوں؟ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ دراصل اللہ کی طرف سے ہماری اصلاح کا انتظام ہے کیونکہ لوگ ہمیں حضرت حضرت کہکر ہمارے دماغ کو عرش معلیٰ پر پہونچا دیتے ہیں، اس سے بڑائی و عجب پیدا ہوسکتا ہے، اس لئے اللہ تعالے ان لوگوں سے ہماری اصلاح فرماتے ہیں، یہی لوگ تو ہیں جو ہماری اصلاح کرتے ہیں، ہمارے اندر بڑائی آنے نہیں دیتے، یہ تو ہمارے مصلح ہیں۔

اللہ اکبر! کیا ظرف تھا حضرات کا، ایک تو یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی گالیوں کو سن کر خاموش رہے۔ یہ ایک درجہ ہے، اس سے بھی آگے ایک بلند درجہ عاجزی کا یہ ہے کہ گالی دینے والوں کو اپنا مصلح کہے۔ واقعی یہ تو عاجزی کی انتہاء ہے۔ سب کے بس کی بات نہیں۔

حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کے تواضع کی انتہاء

ایک مرتبہ حضرمولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ سبق پڑھانے کے لئے درسگاہ کی طرف جارہے تھے، اس وقت مدرسہ کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب تھے (جو اس وقت پاکستان میں ایک دینی ادارہ کے شیخ الحدیث ہیں) حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کے قریب آئے اور کہنے لگے حضرت آپ دس منٹ تاخیر سے آرہے ہیں، یہ اصول کے خلاف ہے، لہذا آپ اس وقت واپس تشریف لے جایئے، اور آئندہ سے وقت پر آیئے۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے کچھ نہیں فرمایا، سیدھے اپنے کمرے کی طرف واپس چلے گئے، سبق نہیں پڑھایا۔ پھر جب اسباق کا وقت ختم ہوگیا، چھٹی ہوگئی، تو حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب حضرت والا کے پاس گئے، اور بڑے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! معافی چاہتا ہوں، نظامت کی ذمہ داری کی وجہ سے ایسا کہنا پڑا۔

اس پر حضرت اقدس نے جواب دیا کہ آج مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میں نے صحیح آدمی کو نظامت کی ذمہ داری دی ہے، تم اس کے مستحق ہو۔

بھائیو! یہ عاجزی کی انتہاء ہے، اس واقعہ کو واقعات کی دنیا میں انوکھا اور بے مثال واقعہ کہا جاسکتا ہے، اس واقعہ میں اہل مدارس اور بالخصوص مہتمم حضرات کے لئے بڑی عبرت کا سامان ہے، اگر اہل مدارس میں ایسی عاجزی پیدا ہوجائے تو آج مدارس کا نظام عمدہ سے عمدہ ہوجائے گا، سارے اختلافات ختم ہوجائیں گے، اور مدارس سے ایسے افراد پیدا ہوں گے جو ایک طرف علمی صلاحیت کے حامل ہوں گے تو دوسری طرف صالحیت کی عظیم دولت سے مالا مال ہوں گے۔

جانور سے بھی افضل نہ سمجھے

میں حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی مجلس میں شریک تھا، حضرت نے فرمایا: بچو! تم سب میرے سے افضل ہو، میں تم میں سب سے زیادہ حقیر ہوں، پھر فرمایا: میں تو خنزیر سے بھی حقیر ہوں، اللہ اکبر، یہ اللہ والے سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے، ہم کچھ کئے بغیر اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا اپنے آپ کو خنزیر سے بھی افضل سمجھنے کی اجازت نہیں، ایک بزرگ کے سامنے کسی نے خنزیر کو برا بھلا کہا، تو انہوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو، برے تو ہم ہیں؛ کیونکہ وہ تو اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا ہے جس کے لئے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے، مگر ہم اپنی ڈیوٹی انجام نہیں دے رہے ہیں جس کے لئے اللہ نے ہمیں پیدا کیا، اب بتاؤ! ہم بہتر ہیں یا خنزیر بہتر ہے، اللہ ہم سب کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

علم واہلِ علم کا مقام

سعادت سیادت عبادت ہے علم

بصیرت ہے دولت ہے طاقت ہے علم

بے شبہ وہ جو علم کی دولت سے ہے خالی

کہنے کو بشر ہے ہے بشریت سے خالی

(سید الطاف حسین حالی)

ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کا سفر

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ملک شام میں ایک صحابی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں، انہوں نے اس حدیث کو سننے کے شوق سے ایک اونٹ خریدا اور ایک مہینہ تک چلتے رہے اور ملک شام کو پہنچ کر ان صحابی سے جن کا نام عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہے وہ حدیث سنی اور واپس آئے۔

(بخاری: ۱/۱۷، فتح الباری ۱/۱۷۴، مفتاح الجنۃ: ۲۷)

ایک حدیث کے لئے مصر کا سفر

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مصر میں حضرت عقبہ بن عامر کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ نے مصر کا سفر فرمایا اور حضرت عقبہ کا گھر نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وہاں کے گورنر حضرت مسلمہ بن مخلد کے پاس گئے، انہوں نے ٹھہرنے کی درخواست کی مگر ابوایوب انصاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر جانا چاہتا ہوں، کسی واقف کار کو میرے ساتھ بھیج دو۔ چنانچہ ایک شخص کے ساتھ حضرت عقبہ کے گھر گئے اور حدیث سنی اور واپس چلے آئے وہ حدیث یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمان کا عیب چھپاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا عیب چھپائے گا۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم: ۱۰۔ و مفتاح الجنۃ: ۲۷)

صحابہ کا علمی ذوق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک پڑوسی نے جن کا نام بعض علماء نے عتبان نقل کیا ہے، آپس میں باری مقرر کر رکھی تھی اللہ کے رسول علیہ السلام کی خدمت میں ایک دن وہ، اور ایک دن یہ حاضر ہوں گے اور آپ سے سنی ہوئی حدیث اور باتیں ایک دوسرے کو بتائیں گے تاکہ وہ باتیں جو نہ سن سکے ہیں، وہ بھی معلوم ہو جائیں۔

(بخاری: ۱۹/۱)

ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے مدینہ کی حاضری

حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے ابواھاب کی لڑکی سے جب شادی کر لی تو ان کی رضاعی ماں نے آ کر ان سے کہا کہ میں نے تم کو بھی اور اس لڑکی کو بھی دودھ پلایا ہے؛ لہٰذا تمہارا اس لڑکی سے نکاح درست نہیں۔ یہ سن کر حضرت عقبہ مکہ مکرمہ سے رسول اکرم علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے اور اس سلسلے میں مسئلہ دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اس لڑکی کو الگ کر دیا۔

(بخاری: ۱۹/۱)

ایک بادشاہ کی عظمت قرآن

ایک واقعہ یاد آ گیا کہ ایک بادشاہ کا لڑکا ایک استاذ کے پاس علم حاصل کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ استاذ سے ملنے آئے اور قرآن کی تعلیم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور استاذ کو دس ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی دی۔ استاذ نے بادشاہ سے کہا یہ تو بہت ہیں ہم

نے کیا ہی کیا ہے، جو اتنا بڑا انعام ملے؟ بادشاہ واپس ہو گئے اور جا کر حکم بھیجا کہ کل سے آپ میرے بچے کو تعلیم نہ دیں۔ استاذ حیرت میں پڑ گئے کہ کیا قصہ ہے۔ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا خطا ہوگئی کہ آپ نے آپ کے صاحبزادے کو پڑھانے سے منع فرمادیا؟ بادشاہ نے کہا کہ جب آپ نے قرآن کی تعلیم کے مقابلہ میں دس ہزار اشرفیوں کو بھاری سمجھا تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن سے زیادہ اشرفیوں کے قائل ہیں اسلئے میں نے یہ حکم دیا۔

پہلے تو ایسے لوگ ہوتے تھے اور آج سب سے کم تنخواہ ان کی ہوتی ہے جو قرآن پڑھاتے ہیں اس لئے اچھا پڑھانے والے بھی میسر نہیں آتے اور جاہلوں سے پڑھنا پڑتا ہے؛ لہذا یہ بات قابلِ اصلاح ہے اس پر توجہ دینا چاہیئے۔

ذوق علم اور عالمگیر رحمہ اللہ کی صاحبزادی

حضرت عالمگیر رحمہ اللہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ شاہِ ایران کی زبان سے بے ساختہ ایک مصرعہ بن گیا جو بے تکا سا تھا۔ شاہِ ایران نے درباری شعراء سے مطالبہ کیا کہ اس مصرعہ کا جوڑ لگا کر شعر پورا کرو۔ شعراء حیران ہوئے کہ بے جوڑ اور بے تکے مصرعہ کا کیا جوڑ لگائیں۔ جب ان سے نہ بن سکا تو شاہِ ایران نے عالمگیرؒ کو لکھا کہ ہندوستان کے شعراء اس مصرعہ کا جوڑ بنائیں اور اس پر اس نے انعام بھی رکھا، مگر کوئی ہندوستانی شاعر بھی اس کا جوڑ نہ بنا سکا۔ ایک دفعہ اتفاق سے عالمگیرؒ کی شاہزادی زیب سے اس کے مناسب ایک مصرعہ بن گیا اور اس مصرعہ نے اس بے معنی مصرعہ کو بھی بامعنی بنادیا۔

شاہِ ایران کا مصرعہ یہ تھا ‏ ‏ ‏ ‏ در ابلق کسے کم دیدہ بود

شاہزادی زینب نے یہ بنایا   مگر اشک بتان سرمہ آلود

حضرت عالمگیر رحمہ اللہ نے نام بتائے بغیر یہ مصرعہ شاہِ ایران کو لکھ بھیجا کہ ایک ہندوستانی شاعر نے آپ کے مصرعہ کا یہ جوڑ بنایا ہے۔شاہِ ایران بہت خوش ہوا اور وہاں کے شعراء کو بھی سنایا تو وہ بھی خوش ہوئے اور مطالبہ کیا کہ آپ اس ہندوستانی شاعر کو ایران بلائیے کہ ہم اسکی زیارت کریں اور اس سے استفادہ کریں چنانچہ شاہِ ایران نے عالمگیرؒ کو لکھا کہ اپنے شاعر کو یہاں بھیجیں کہ ہم اس کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ عالمگیرؒ کو پریشانی ہوئی کہ اپنی لڑکی کو وہاں کیسے بھیجیں۔انہوں نے اپنی لڑکی سے اس کا ذکر کیا۔لڑکی نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں میں اس کے جواب میں ایک شعر بناتی ہوں وہ شعر آپ ایران کو روانہ کردیں۔

وہ اشعار یہ ہیں:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

یعنی میں میرے کلام میں اس طرح مخفی و پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کے پتوں میں مخفی ہوتی ہے۔لہذا جو مجھے دیکھنا چاہتا ہے وہ میرا کلام دیکھ لے۔

اسی طرح اللہ کی محبت رکھنے والا اگر اللہ کو دیکھنا چاہے تو وہ اللہ کے کلام کو دیکھے اور اس میں اس کو اللہ تعالی کا جمال اور اس کا کمال نظر آئے گا۔غرض اللہ کے کلام کی محبت بھی اس کا ایک حق ہے۔

قرآن کے علوم، کیا سٹو (casto) کا تجربہ

کیا سٹو فرانس کا ایک سائنس دان ہے ۱۹۸۶ء میں وہ کسی سلسلہ میں دریا کے سفر پر تھا تو ایک جگہ اسکو خدا کی قدرت کا یہ حیرت زا اور تعجب خیز کرشمہ نظر آیا کہ دو دریا

ایک جگہ مل رہے ہیں، مگر عجیب بات وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ دو دریا ملتے ہوئے بھی ان کا پانی الگ الگ بہہ رہا ہے یعنی وہ دو دریا (meet) تو ہوتے ہیں مگر (mix) نہیں ہوتے حالانکہ ایک پانی جب دوسرے پانی سے مل جاتا ہے تو (mix) بھی ہوجاتا ہے اور دونوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا، مگر یہاں وہ دیکھتا ہے کہ دو دریا ملتے ہیں مگر انکا پانی ایک دوسرے میں خلط نہیں ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی آڑ رکھی ہو، اس عجیب وحیرت انگیز منظر کو دیکھ کر وہ رک گیا اور اس جگہ ہاتھ مار مار کر دیکھا کہ کیا درمیان میں کوئی آڑ ہے؟ لیکن وہاں کوئی آڑ نہیں تھی، پھر مزید حیرت کی بات یہ کہ کیاسٹو نے ادھر کا پانی چکھ کر دیکھا تو میٹھا ہے اور ادھر کا پانی کھاری ہے جب کہ دونوں آپس میں مل بھی رہے ہیں۔

کیاسٹو بہت متاثر ہوا، اس نے اس جگہ کے فوٹو گرافس بھی حاصل کر لئے، اسکے بعد فرانس ہی کے ایک مشہور سائنسدان ڈاکٹر مریس جنہوں نے ایک بہترین کتاب بھی لکھی ہے اور اسمیں قرآن کی حقانیت اور صداقت سائنس کی رو سے ثابت کی ہے۔اس کتاب کا نام ہے:

(the bible the quran and science) انکے پاس ڈاکٹر کیاسٹو پہنچا اور تفصیل کے ساتھ ان کے سامنے حیرت زا واقعہ اور انکشاف کا ذکر کیا اور دعوی کیا کہ یہ میری عظیم دریافت ہے، ڈاکٹر مریس نے یہ سن کر کہا کہ یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جو تم کو دریافت ہوا ہے، بلکہ یہ چودہ سو سال پرانا انکشاف ہے کیاسٹو نے کہا وہ کیسے؟ یہ انکشاف کب کس کو ہوا؟ ڈاکٹر مریس نے کہا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس واقعہ کا علم قرآن کے ذریعہ ہوگیا، اسکے بعد اس نے اپنی لائبریری سے قرآن کا فرانسیسی ترجمہ (translation)

نکالا اور یہی آیت نکالی۔ ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾
اسکا ترجمہ سنایا جس میں اللہ تعالی نے دو دریاؤں کا ذکر کیا ہے جومل کر چلتے ہیں لیکن مخلوط نہیں ہوتے اور اسمیں اسکا ذکر بھی ہے کہ اللہ تعالی ان دونوں قسم کے پانیوں کے درمیان ایک آڑ بنادی ہے۔ کیا سٹو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا پھر اس نے قرآن کا مطالعہ کیا اور چند برسوں کے بعد مسلمان ہو گیا۔ غرض یہ کہ قرآن نے اس حیرت انگیز انکشاف کا بہت پہلے ہی علم دیدیا تھا۔

قرآن کی بلاغت - علامہ طنطاوی کا چیلنج

علامہ طنطاوی مصر کے معروف عالم ہیں جنھوں نے قرآن کی جدید انداز پر تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام ہے "جواہر القرآن"۔ ان کا ایک مرتبہ فرانس کا سفر ہوا اور وہاں ان کے کچھ غیر مسلم یہود و عیسائی لوگوں سے دوستی تھی، ایک مجلس میں ان کی گفتگو ان لوگوں سے ہوئی، اور وہ سب عربی زبان سے بھی واقف تھے، بلکہ عربی کے ماہر تھے۔ درمیان میں ان لوگوں نے علامہ طنطاوی سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم ایک معجزہ ہے اور اس کے جیسا کلام کوئی نہیں بنا سکتا، کیا یہ صحیح ہے؟ علامہ طنطاوی نے کہا کہ ہاں یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ علامہ طنطاوی نے کہا کہ ہاں میرا اور ہر مسلمان کا عقیدہ یہی ہے، ان لوگوں نے کہا کہ یہ بڑا افرسودہ عقیدہ ہے، اور آپ جیسا علامہ اس کو مانتا ہے تو تعجب ہے۔ علامہ طنطاوی نے کہا کہ یہ عقیدہ کوئی فرسودہ عقیدہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور اگر آپ اس کو آزمانا چاہیں تو میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں کہ قرآن کریم جیسی ایک آیت بنادیں اور آپ ہرگز نہیں بنا سکتے۔ علامہ نے کہا

کہ میں ایک جملہ آپ کو دیتا ہوں، آپ سب عربی کے ماہر ہیں، آپ اس کو عربی میں بنا دیجئے، پھر دیکھئے کہ کیا آپ کا کلام قرآن کے مقابلہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے لئے تیار ہیں، آپ جملہ بتائیے۔ علامہ طنطاوی نے ان سے فرمایا کہ آپ حضرات ایک جملہ کی عربی بنائیے، پھر موازنہ کرلیں گے کہ قرآن نے اس مضمون کو کس طرح اداء کیا ہے۔ علامہ طنطاوی نے ایک چھوٹا جملہ ان کو دیا ''جہنم بڑی ہے'' اور کہا کہ اس کی عربی بنائیے، تو وہ لوگ فوراً دو چار جملے عربی زبان میں بنا دیئے۔ کسی نے بنایا ''**النار وسیعة** '' اور کسی نے بنایا ''**جھنم فسیحة**'' اور کسی نے کہا'' **النار فسیحة**'' اور کسی نے کہا ''**جھنم وسیعة**''۔

علامہ طنطاوی نے کہا کہ آپ لوگوں نے جو جملے بنائے ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں، عربی زبان میں جو بھی اس جملہ کو ادا کرے گا وہ اسی طرح ادا کرے گا، مگر آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ آپ محض ایک جملہ ادا نہیں کررہے ہیں بلکہ قرآن کا جواب دے رہے ہیں؛ لہذا اگر آپ لوگ چاہیں تو میں آپ کو ایک سال کا یا دو سال کا وقت دینے تیار ہوں، آپ اس جملہ کو اس سے بھی اچھے انداز سے بنا سکتے ہوں تو غور کرلیں۔ انہوں نے کہا نہیں، ہم اس سے اچھا نہیں بنا سکتے، اور ہم نے اپنی پوری صلاحیت لگا کر یہ جملے بنائے ہیں؛ لہذا اب آپ بتائیے کہ قرآن نے اس مضمون کو کس طرح ادا کیا ہے؟

علامہ طنطاوی نے کہا کہ دیکھو اسی مضمون کو قرآن کس طرح ادا کرتا ہے، علامہ طنطاوی نے قرآن کریم کی یہ آیت ان کے سامنے تلاوت فرمائی:

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَئْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ﴾

(جس دن کہ ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کہ کیا مزید ہے؟)

اس آیت میں بھی یہی مضمون بیان کرنا مقصود ہے کہ جہنم بڑی ہے، مگر اس کو ایک سادے جملے میں بیان کرنے کے بجائے ایک واقعہ کی شکل میں بیان کیا کہ جس دن ہم سارے جہنمیوں کو جہنم میں ڈالنے کے بعد جہنم سے کہیں گے، پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی تو وہ جواب میں کہے گی کہ نہیں اور مزید گنجائش ہے۔ کیا مطلب؟ یعنی جہنم اتنی بڑی ہے کہ سارے جہنمیوں کو اس میں ڈالنے کے بعد بھی اس میں مزید جگہ باقی ہے۔

دیکھئے ایک یہ انداز بیان ہے جہنم کے بڑے ہونے کا، اور اس میں بڑی شان و شوکت، بڑی صولت و بلاغت ہے، اور ایک یہ انداز ہے کہ: ''**جهنم وسيعة**'' اور ''**النار فسيحة**''۔ دونوں کے انداز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب علامہ طنطاوی نے یہ آیت ان کے سامنے تلاوت فرمائی تو وہ لوگ خوشی میں جھومنے لگے اور کہنے لگے واقعی اس کا کوئی جواب نہیں۔

ایک صحابیہ خاتون کا قرآنی استدلال

ایک دلچسپ واقعہ کتب احادیث میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں فرمایا کہ عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ سے زیادہ نہ باندھا جائے اگر کسی نے اس سے زیادہ مہر باندھا تو میں اس زیادتی کو بیت المال میں ڈال دوں گا، مجلس میں ایک عورت، عورتوں کی صف سے کھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ امیر المومنین! آپ کو یہ حق نہیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیوں؟ تو کہا کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ:

﴿ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا ﴾[النساء:۲۰]

(اگر تم نے عوت کو ایک قنطار بھی دیا تو اس میں سے واپس کچھ نہ لو) (اس سے معلوم ہوا کہ ایک قنطار بھی دیا جا سکتا ہے)

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورت نے صحیح کہا اور مرد نے خطا کی۔

(جامع العلم:۱/۱۳۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فہم وبصیرت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے انکے سامنے ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو اس کے اہل وعیال کے رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر کے عذاب میں زیادتی کردی جاتی ہے، جبکہ اس کے اہل وعیال روتے ہیں، پھر آیت پڑھی:

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾[النجم:۳۸]

(کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا)

اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم کس قدر گہرا اور راسخ تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ نے اس پر سکوت اختیار کیا بلکہ تائید فرمائی۔

(بخاری:۱/۱۷۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تاریخ گواہ ہے کہ بہت بڑی عالمہ اور فاضلہ تھیں، دینی علوم میں ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام ان سے استفادہ کرتے تھے، ان کے والد ابوبکر اور حضرت عمرؓ بھی بہت سے مشکل مسائل

میں ان سے رجوع کرتے تھے۔

حضرت مسروق تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اکابر صحابہ کو دیکھا کہ میراث کے مسائل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کرتے۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ پر جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آپڑتا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرتے اور ان کے پاس اس بارے میں ضرور کوئی علم ہوتا۔

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے بڑی خواتین کا علم تھیں۔

امام زہری نے کہا کہ اگر تمام ازواج مطہرات کا اور تمام خواتین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب پر بھاری ہوگا۔

(تہذیب التہذیب: ۴۳۵/۱۲، تذکرۃ الحفاظ: ۲۸/۱)

یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف علوم شرعیہ تک ہی اپنے کو محدود نہیں فرمایا تھا، بلکہ دیگر علوم میں بھی انہوں نے مہارت حاصل کی تھی۔ حضرت عروہ حضرت عائشہ کے بھانجے ہوتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے علم طب (ڈاکٹری) میں حضرت عائشہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ نیز فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا عالم تفسیر میں کسی کو دیکھا، نہ میراث میں، نہ فقہ میں، نہ شعر و شاعری میں، نہ طب میں، نہ تاریخ عرب میں اور نہ علم نسب میں۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۲۸، تہذیب التہذیب: ۴۳۵/۱۲، المنہل الروی: ۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا علم مقام

اسی طرح حضرات ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بلند پایہ

محدثہ وفقیہ ہوئی ہیں، ان سے (۳۷۸) احادیث مروی ہیں اور انہوں نے جو فتوے دیئے وہ بھی اتنے ہیں کہ بقول ابن قیمؒ ان سے ایک رسالہ بن سکتا ہے۔

(اعلام الموقعین :۱/۱۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بڑے بڑے حضرات نے حدیث کی روایت کی ہے، جیسے حضرت اسامہ بن زید، حضرت سلیمان بن یسار، سعید بن المسیبؒ، عبد الرحمٰن بن ابی بکرؒ، عروہ بن الزبیرؒ، کریبؒ، نافع وغیرہ۔

(تہذیب التہذیب:۱۲/۴۵۶)

حضرت عمرہ کی علمی جلالت

حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰن ایک تابعی خاتون ہیں حضرت عائشہؓ سے خصوصیت کے ساتھ علم حاصل کیا اور بہت بڑی محدثہ ہوئیں، علماء محدثین نے ان کو بڑے قابل اعتماد علماء میں شمار کیا ہے اور حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم جیسے پایہ کے محدث ان سے حدیث کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، ابن حبان نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والی یہی حضرت عمرہ تھیں۔

(تہذیب التہذیب:۱۲/۴۵۶)

امام طحاوی کی صاجزادی کا علمی تفوق

امام طحاوی فقہ وحدیث اور علم کلام کے جلیل القدر عالم وامام گذرے ہیں اور ان کا شمار مجتہدین میں ہوتا ہے، انہوں نے جب اپنی مشہور ومعروف کتاب ’’شرح معانی الاثار ‘‘ تالیف کی تو اس عظیم وعجیب وغریب حدیثی تالیف میں ان کی صاجزادی نے ان کا تعاون کیا اس طرح کہ امام طحاوی املاء کراتے تھے اور

صاحبزادی لکھتی جاتی تھیں۔ گویا اس حدیثی ذخیرہ کے وجود پذیر ہونے اور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے میں ایک خاتون کا ہاتھ ہے۔

علامہ کاسانی کی زوجہ کا فقہی مقام

علامہ کاسانی فن فقہ کے ایک ممتاز امام ہیں جن کی کتاب ''بدائع الصنائع'' فقہ کا ایک لاجواب ذخیرہ ہے، ان کی زوجہ محترمہ، بہت بڑی فاضلہ اور فقیہ تھیں۔ اور خود علامہ کاسانی کے استاذ محترم کی صاحبزادی تھیں، ان کے استاذ نے شاگرد کے علم وتقوی وطہارت کو دیکھ کر اپنی لڑکی کی شادی ان سے کردی تھی۔ اس پردہ نشین خاتون کے علم وتفقہ کا یہ عالم تھا کہ علامہ کاسانی کے پاس آنے والے ہر فتوی پر ان کا بھی دستخط ہوتا تھا، اور لوگ اس فتوی کا اعتبار نہ کرتے تھے جس پر انکا دستخط نہ ہو۔

مریم بنت نورالدین- امام سخاوی کی استانی

نویں صدی ہجری کی ایک ممتاز خاتون ام ہانی مریم بنت نورالدین ہیں، ان کا گھر علم وفن، شعروادب کا گہوارہ تھا اور متعدد افراد اس خاندان کے محدثین شمار ہوتے ہیں۔ ان کے نانا قاضی فخرالدین نے ان کی تربیت کی تھی، سب سے پہلے انہوں نے قرآن پاک حفظ کیا پھر فقہ وادب میں دستگاہ بہم پہنچائی پھر ان کے نانا ان کو مکہ مکرمہ لے گئے جہاں شیوخ حدیث سے ان کو حدیث کا سبق دلایا، مصر وحجاز کے بیشتر ممتاز محدثین سے استفادہ کیا، صحاح ستہ کی تمام کتب انہوں نے محدثین سے سنی تھیں پھر مسند درس پر فائز ہوئیں، حافظ سخاوی جیسا بلند پایہ امام حدیث ان کا شاگرد ہے۔

(بحوالہ خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ: ۷۶)

مسیح الامت کا تعلیمی دور

ہمارے حضرت مسیح اللہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے ساتھ دو اور ساتھی تھے۔ ہم تینوں مل کر پڑھتے تھے اور ایک ہی کمرے میں تھے اور دو سال تک وہ میرے کمرے میں تھے مگر مجھے اس طویل عرصہ میں ان کا نام تک معلوم نہیں ہوسکا۔ دیکھا بھائی عقل کو حیران کرنے والا واقعہ کہ دو سال گذر گئے مگر حضرت کو نام تک معلوم نہ ہوسکا ان سے بات کرنا دور کی بات ان سے میل ملاقات بعید۔ بس کمرے سے نکلے درسگاہ پہنچے پھر درسگاہ سے کمرے میں پہنچے اور مطالعہ شروع، نماز کا وقت ہوا مسجد چلے گئے کسی سے بات چیت نہیں یہ درحقیقت طالب علم کے طالب علم ہونے کی شان ہے تب جا کر علم اپنا تھوڑا سا حصہ دیتا ہے۔

سوء حافظہ کا علاج

امام شافعی رحمہ اللہ ایک مرتبہ اپنے استاد امام وکیعؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام وکیع امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور امام وکیع امام بخاریؒ کے استاد ہیں، بہرِ حال امام شافعیؒ نے امام وکیع سے شکایت کی کہ جب بھی کوئی چیز یاد کرتا ہوں تو یاد نہیں رہتی، بھول جاتا ہوں اس کا کوئی علاج بتائیے۔ امام وکیعؒ نے فرمایا: کہ گناہ چھوڑ دو علم الٰہی تمہیں حاصل ہو جائے گا۔ اب ذرا غور کرنا ہے کہ امام شافعی سے بھی کوئی گناہ ہوتا تھا وہ گناہ کیا کرتے تھے؟!۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ معصوم تھے یہ انبیاء کی شان ہے؛ لیکن خلاف اولیٰ کام ہوتا ہوگا، اس کو انہوں نے گناہ سے تعبیر کیا۔ اس گفتگو کو انہوں نے اپنے اشعار میں اس طرح پیش کیا:

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَأَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنْ اِلٰهِيْ
وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَایُعْطیٰ لِعَاصِيْ

اس لئے بھائی! گناہ سے بچنا اور اس سے پرہیز کرنا چاہئے ورنہ اگر نور الٰہی دل میں پیدا نہ ہو تو جینے کا کیا مزہ؟ اس سے تو موت کئی گناہ بہتر ہے، اللہ ہم سب کو اپنا غلام بنائے، آمین۔

عیسائی کانوینٹ کی تعلیم کا بھیانک نتیجہ

ایک خاتون جن سے ہمارے خاندانی مراسم ہیں، وہ میرے گھر اپنے بچوں کو قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم کیلئے لایا کرتی تھی، ایک دن وہ خاتون روتے ہوئے آئی، جب رونے کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ ابھی آتے ہوئے راستہ میں اچانک میرے دونوں بچے نظر نہ آئے تو میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی رہی، اچانک میری نظر راستہ میں بنے ہوئے مریم یا عیسیٰ علیہا السلام کے ایک بُت پر پڑی، تو وہاں میرے دونوں بچے بت کے سامنے گھٹنے ٹیک کر ہاتھ جوڑے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر میں وہاں گئی اور ان کو مار کر لے آئی۔ تو بچے کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا برا کیا ہے؟ یہ کام تو ہم اسکول میں روزانہ کرتے ہیں۔ وہ خاتون کہنے لگی کہ اس پر مجھے رونا آرہا ہے۔ میں نے کہا کہ قصور بچّوں کا نہیں، آپ والدین کا ہے، جو محض دنیا کے لئے دین سے بے فکر ہو جاتے ہیں۔

بہرحال اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے اور سمجھنا بھی چاہئے کہ یہ مشنری اسکول کس طریقہ پر بچّوں کو ایمان و اسلام سے دور اور کفر و شرک و عیسائیت سے قریب کر رہے ہیں؟

موجودہ ''تورات'' کا مطالعہ ایمان کے لئے خطرہ

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ توریت کا نسخہ لاکر مطالعہ کرنے لگے، یہ دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ عمر! تم اللہ کے نبی علیہ السلام کا چہرہ نہیں دیکھتے؟ حضرت عمر نے جو آپکا چہرہ دیکھا، تو پریشان ہو گئے اور بار بار اللہ ورسول کے غضب سے پناہ مانگنے لگے۔ اس سے آپ کا غصہ کم ہوا، پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر موسی علیہ السلام بھی تم میں نازل ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کر لو، تو تم سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔

(مشکوۃ: ۳۲)

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کیلئے اسکو برداشت نہیں فرمایا تو اندازہ کرو کہ ان بچوّں کیلئے جن کی لوحِ دل ہر نقش کو قبول کر لیتی ہے، انکے لئے اسکی تعلیم پھر اسکے لئے محنت اور تیاری اور اسکے اسباق میں کامیابی کی فکر کو کس طرح جائز قرار دیا سکتا ہے یا کس طرح اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے؟

بائبل ایک پوپ کی نظر میں

''بائبل'' محرف ہونے کے ساتھ سچائی وصداقت سے خالی اور معقولیت وعلمیت سے انتہائی دور ہے اور بعض جگہ اس کے مضامین ایمان سوز امور پر مشتمل ہیں۔

اس کے لئے علمائے اسلام کی کتابوں جیسے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ''اظہار الحق'' وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ میں یہاں پادری یم .اے. پال کی ایک عبارت

پیش کرتا ہوں، وہ اپنی کتاب ''میں نے اسلام کیوں قبول کیا'' میں لکھتے ہیں کہ:

۱۹۲۲ء میں بچوں کے نصابِ تعلیم کے مذہبی حصے پر بحث کرتے ہوئے ڈین مذکور (یعنی ویسٹ منسٹر گرجا کے ڈین) نے ایک جلسہ میں فرمایا کہ اگر ہم اس نصاب میں کتاب پیدائش (بائبل کی پہلی کتاب) کی کہانیاں رکھدیں، تو آئندہ نسل یہی سمجھے گی کہ ہمارا معیارِ صداقت بہت ہی ادنی درجہ کا ہے۔

اس کے نقل کرنے کے بعد پادری یم.اے. پال نے اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اس معنے خیز فقرہ سے یہ مراد ہے کہ کتابِ پیدائش کی کہانیاں اس فاضلِ الٰہیات کے نزدیک خالی از صداقت ہیں۔''

(میں نے اسلام کیوں قبول کیا: ۱۴/ ۱۵)

غرض یہ کہ بائبل ایک غلط اور گمراہ کن کتاب ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے پڑھنے کی اجازت نہیں، مگر شہری اسکولوں میں اس کو داخلِ نصاب کیا گیا ہے اور مسلم بچے بھی اس کے پڑھنے پر مجبور کئے جاتے ہیں، تو اب مسلم والدین کو غور کرنا چاہئے اور اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہئے۔

ایک حدیث کی تصدیق، جرمن ڈاکٹر کی زبان سے

آپ نے یہ حدیث پڑھی ہوگی یا کسی سے سنی ہوگی کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

''اگر کتا برتن میں منہ ڈالدے تو اسکو سات مرتبہ دھوؤ اور ایک دفعہ یعنی اخیر دفعہ مٹی لگا کر دھوؤ''

جرمن کا ایک ڈاکٹر تحقیق کرنے لگا کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کتے کے منہ

ڈالے ہوئے برتن کو سات بار دھونے کا حکم کیوں دیا ہے؟ وہ ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں نے سب سے پہلے تحقیق کی کہ کتا اگر برتن میں منہ ڈالے تو اسکا کیا اثر ہوتا ہے؟ کہتا ہے کہ میں نے کتے کا منہ ڈالا ہوا برتن لے کر، آلات کے ذریعہ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایسے برتن میں خطرناک جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں، اس سے اتنی بات تو خوب سمجھ میں آ گئی کہ ایسے برتن کو سات بار دھونے کا حکم انہیں جراثیم کو مارنے کیلئے ہوگا، اسکے بعد اس ڈاکٹر نے اس برتن کو سات دفعہ صاف کیا اور پھر آلات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جراثیم ختم نہیں ہوئے ہیں، وہ کہتا ہے کہ پھر میں نے مٹی سے اس برتن کو صاف کیا اور پھر آلات سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ تمام جراثیم جو کتے کے برتن میں منہ ڈالنے سے پیدا ہو گئے تھے سب ختم ہو چکے ہیں۔

سبحان اللہ! دیکھئے اللہ کے نبی کی حکمت، آپ کا علم، آپ کے کمالات کہ ایک چھوٹی سی حدیث اور کس قدر حکمتیں ہیں۔

صحابہ پر سب وشتم کرنے والے پر عذاب

صحابہ کو برا بھلا کہنے والے پر آخرت سے پہلے بسا اوقات دنیا میں بھی عذاب لوگوں کو دکھایا گیا ہے۔ علامہ ابن القیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق نے کہا کہ مجھے ایک میت کو غسل دینے کے لیے بلایا گیا، جب میں نے اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو دیکھا کہ ایک سانپ ہے جو اس کے گلے میں لپٹا ہوا ہے اور بہت موٹا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں چلا آیا، اور اس کو غسل نہیں دیا، لوگ بیان کرتے تھے کہ وہ صحابہ کو برا بھلا کہتا تھا۔

(کتاب الروح: ۲۰۷)

''ائمہ تلبیس'' میں بدایونی کے حوالہ سے اکبر بادشاہ کے حالات میں لکھا ہے کہ

ملاّ احمد نامی ایک رافضی صحابہ کرام کو گالیاں دیتا تھا، ایک مرتبہ اکبر لاہور آیا ہوا تھا، ملا احمد صحابہ کرام کے خلاف سب وشتم کی غلاظت اچھالنے لگا، ایک غیور مسلمان مرزا فولاد بیگ نے اس کو قتل کر دیا، اور یہ رافضی کئی دن تک حالت نزع میں دم توڑتا رہا، اس اثناء میں اس کا چہرہ مسخ ہو کر سور کی شکل میں تبدیل ہو گیا تھا، بہت سے لوگوں نے اس کو اس حالت میں دیکھا۔ ملا بدایونی کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس کو اس حالت میں دیکھا۔

(ائمہ تلبیس مصنفہ ابوالقاسم رفیق دلاوری: ۳۳۴)

بوعلی سینا اخلاق ندارد

بوعلی سینا جو بہت بڑا حکیم گزرا ہے اس کے زمانہ میں ایک بزرگ تھے، انہوں نے ایک دفعہ بوعلی سینا کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ بوعلی سینا اخلاق ندارد۔ یعنی بوعلی سینا اخلاق نہیں رکھتا۔ یہ جملہ جب بوعلی سینا کو معلوم ہوا تو اُس نے اخلاقیات میں ایک بہترین کتاب تصنیف کر دی، اور اس میں اخلاق کی تمام تفصیلات جمع کر دیا۔ اخلاق کے اصول وفروع، اخلاق کی اقسام وانواع، اخلاق کے آثار ولوازمات، وغیرہ سب کچھ لکھ دیا، اور ایک نسخہ اُن بزرگ صاحب کے پاس بھی بھیجا، جنہوں نے یہ کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق ندارد۔ تو کسی نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق ندارد، اُس نے تو اخلاق پر اتنی زبردست کتاب لکھ کر بتا دیا ہے کہ وہ اخلاق جانتا ہے۔ حضرت نے کہا کہ میں نے کب یہ کہا تھا کہ بوعلی سینا اخلاق نداند، کہ بوعلی سینا اخلاق جانتا نہیں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ اخلاق ندارد، یعنی وہ اخلاق رکھتا نہیں، جاننا الگ بات ہے، رکھنا الگ بات ہے، کتاب لکھ دینا الگ بات ہے اور اُسے عملی جامہ پہنانا الگ بات ہے۔

حسن معاشرت

دوسروں کو تکلیف دینے کا انجام

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ بعض عارفین سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا ہاتھ مونڈھے سے کٹا ہوا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ تیرا کیا قصہ ہے؟ کہا کہ اے بھائی بڑا عجیب قصہ ہے وہ یہ ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے مچھلی شکار کر رکھی ہے جو مجھے پسند آ گئی، میں نے اس سے کہا کہ یہ مچھلی مجھے دیدے، اس نے کہا کہ میں نہیں دے سکتا ہوں کیوں کہ میں اسی کی قیمت سے میرے اہل وعیال کی غذا وخوراک کا انتظام کرتا ہوں، یہ سن کر میں نے اس کو مارا اور اس سے وہ مچھلی زبردستی لے لی اور چلا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس کو اٹھا کر لے جا رہا تھا کہ اس مچھلی نے میرے انگوٹھے کو زور سے کاٹ لیا۔ جس سے میں نے بہت ہی درد محسوس کیا۔ حتی کہ شدت تکلیف کی وجہ سے سوجھی نہ سکا اور میرا ہاتھ بھی سوج گیا اور صبح ہوئی تو طبیب کے پاس گیا، اس نے کہا کہ اب یہ سڑنا شروع ہو گیا ہے لہٰذا انگلی کو کاٹ دو ورنہ ہاتھ کاٹنا پڑے گا، وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی انگلی کٹوا دی، مگر یہ تکلیف بڑھ کر ہاتھ میں آ گئی، مجھ سے کہا گیا کہ گٹوں تک ہاتھ کٹوا دو، میں نے کٹوا دیا، مگر تکلیف بازو تک پھیل گئی تو یہاں تک کاٹ دینا پڑا، بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ یہ تکلیف کس سبب سے پیدا ہوئی؟ میں نے مچھلی کا قصہ سنایا۔ اس نے کہا کہ اگر تو پہلی ہی دفعہ مچھلی والے سے مل کر معاف کرا لیتا تو تیرے اعضاء نہ کاٹے جاتے۔ لہٰذا اب جا کر معافی مانگ لے، وہ کہتا ہے کہ میں گیا اور معافی مانگا اور یہ میرا قصہ سنایا، تو اس نے معاف کر دیا۔

(کتاب الکبائر: ۱۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا حق چھیننا اور دبا لینا، کسی کو تکلیف دینا، خدا کو ناراض کر دینا ہے اور اس سے دنیا و آخرت دونوں جگہ مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔

پڑوسی کی تکلیف سے بچنے کی نبوی تدبیر

ایک شخص آپ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے پڑوسی سے مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے، پہلے آپ نے صبر کی تلقین کی، مگر جب وہ پھر شکایت لے کر آئے، تو فرمایا کہ اپنے گھر کا سامان باہر راستے پر ڈال کر وہاں بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو آنے جانے والے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے لوگوں سے بتایا کہ میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے، میں نے اللہ کے نبی علیہ السلام سے شکایت کی تو آپ نے مجھے اس طرح کرنے کا حکم دیا۔ یہ بات سن کر لوگ اس پڑوسی پر لعنت کرنے لگے اور یہ بات اس کو پہنچی کہ میری اس طرح رسوائی ہوگئی تو آکر اس سے اس نے معافی مانگی اور مکان پر لے گیا اور وعدہ کیا کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔

(الادب المفرد: ۳۲، ابوداود: ۲/۷۰۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ شرافت بھی اس دور کا خاصہ ہے الا ماشاء اللہ۔ ورنہ آج لوگ اس طرح کرنے سے بھی باز تو کیا آتے، ہوسکتا ہے کہ الٹا اس کو رسوا کرنے کی کوشش کریں۔ غرض پڑوسی سے حسن معاشرت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقوق ادا کیے جائیں اور اس سے اچھا سلوک کریں۔

پڑوسی کی ایذا پر صبر

ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جس کو علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب ''الکبائر'' میں درج

کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا ایک غیر مسلم پڑوسی تھا، اور اس کے گھر کے بیت الخلا سے ایک سوراخ ہو کر حضرت تستریؒ کے گھر میں نجاست آ کر گرتی۔ حضرت نے اس جگہ ایک برتن رکھ دیا، دن بھر اس میں نجاست جمع ہوتی اور رات کو آپ لے جا کر کسی دور جگہ ڈال آتے۔ یہ سلسلہ برس ہا برس جاری رہا، جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آنے لگا تو آپ نے اس پڑوسی کو بلایا اور فرمایا کہ اس کمرہ میں جا کر دیکھو کیا ہے؟ اس نے دیکھا کہ برتن ہے۔ اور اس میں نجاست گر رہی ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک طویل عرصہ سے تیرے گھر سے اس طرح نجاست گرتی ہے اور میں دن میں جمع کر کے رات کو دور کہیں ڈال آتا تھا؛ مگر اب اس لیے بتانا پڑا کہ میری موت قریب ہے اور شاید اس جگہ آنے والا دوسرا پڑوسی ایسے اخلاق نہ برت سکے۔

یہ سن کر اس نے کہا کہ اے شیخ آپ تو ہمارے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں اور میں کفر پر رہوں، آپ اپنا ہاتھ دیجیے کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مسلمان ہو گیا۔

(الکبائر: ۲۰۹۔۲۰۸)

قطع رحمی کی سزا

ایک مالدار آدمی حج کو گیا اور اپنا مال مکہ کے ایک امانت دار شخص کے پاس امانت رکھ دیا، اور عرفہ کے وقوف وحج سے فراغت کے بعد جب اپنا مال لینے گیا تو پتہ چلا کہ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے اور یہ بھی علم ہوا کہ اس کی امانت کے بارے میں اس کے رشتہ داروں کو کچھ بھی علم نہیں ہے۔ بعض علماء نے اس کا مسئلہ سن کر کہا کہ آدھی رات میں زمزم کے کنویں میں اس کو پکارو کہ اے فلانے! اگر وہ جنتی

ہے تو جواب دے گا، وہ گیا پکارا، مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ علماء نے مشورہ دیا کہ بیر برھوت (جو یمن کا ایک کنواں ہے) اس میں اس کو پکارو، اگر وہ دوزخی ہے تو وہاں سے جواب دے گا۔ اس نے جا کر پکارا تو جواب ملا اور اس کی امانت کے بارے میں اس نے بتا دیا کہ فلاں جگہ رکھی ہے۔ اس آدمی نے اس سے پوچھا کہ تم دوزخ میں کس طرح چلے گئے، جب کہ ہم تمہارے بارے میں نیک گمان رکھتے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ میری ایک بہن تھی جس سے میں نے قطع تعلق کر رکھا تھا، اس کی سزا میں مجھے یہاں دوزخ میں ڈالا گیا ہے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

(الکبائر:۴۹)

قساوت قلبی کی انتہاء

ہمارے معاشرے کی افسوسناک حالت ہے، جو اس کو تباہی کے غار سے قریب سے قریب تر کرتی جارہی ہے، انتہائی درجہ کی سخت دلی اس میں سرایت کرتی جارہی ہے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوگا جو بعض رسائل میں شائع ہوا تھا۔

وہ یہ کہ ایک عورت مجبور و بے کس شدید بیمار ہوگئی اور اس کو فوری طور پر علاج معالجہ کے لئے تین سو روپیوں کی ضرورت تھی۔ وہ عورت پریشان ہو کر پڑوس کے ایک گھر گئی اور اپنی ضرورت کو اس گھر کی عورت کے سامنے رکھا اور تین سو روپئے قرض کا مطالبہ کیا، مگر اس عورت نے انکار کر دیا اور اسی روز رات میں ان لوگوں کو کسی شادی کی تقریب میں جانا تھا تو اسکے لئے اپنی تین لڑکیوں کے میک اپ کے لئے بیوٹی

پالر میں نوسو روپے خرچ کئے اور خیال کیا کہ آج شادی کی محفل میں ہماری خوب تعریفیں ہونگی، ہماری خوبصورتی کے گیت گائے جائیں گے، مگر وہاں کسی نے منہ نہ نکالا اس لئے کہ وہاں تو ہر ایک اسی خیال میں مگن ہے شادی سے واپس ہوکر رات سو گئے صبح اٹھکر اس بناوٹ وخوبصورتی کو تو دھونا ہی تھا ادھر اس کو دھویا اور نوسو روپے پانی میں بہائے گئے ادھر سے خبر آتی ہے کہ وہ بیمار عورت علاج کے لئے رقم نہ ہونے کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی اور موت نے اس کو لقمہ بنالیا۔

کیا سنگ دلی ہے؟ کیا قساوت قلبی ہے؟ یہ واقعہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ معاشرے میں اس طرح کے واقعات دن ورات پیش آتے ہیں کہ اپنی فضولیات پر خرچ کرنے کو تیار مگر کسی کی ضروت وحاجت میں کام آنے کو تیار نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنی اور اپنے بچوں کی شادیوں میں صرف فضولیات پر ہزاروں نہیں لاکھوں خرچ کردیتے ہیں خود انکے خونی رشتہ میں انکے بے شمار بھوکے، ننگے، بیوہ ویتیم ومسکین لوگ پریشانی ومشکل کی زندگی گذار رہے ہیں یہ لوگ ان کی طرف کرم کی نظر بھی نہیں ڈالتے اور اپنی شان جتانے کے لئے اللہ کا دیا ہوا مال فضول وحرام چیزوں میں لگاتے ہیں اس سے زیادہ سنگ دلی اور کیا ہوسکتی ہے؟۔

جانور پر بھی احسان وکرم کا حکم ہے

اسلام میں تو یہ تعلیم ہے کہ جانوروں پر بھی رحم اور احسان کا معاملہ کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایک آدمی چلا جارہا تھا کہ اس کو بڑے زور سے پیاس لگی، راستہ میں کنواں تھا وہ کنویں میں اترا اور پانی پی کر باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے بیتاب ہورہا ہے اور کیچڑ چاٹ کر پیاس

بجھانے کی کوشش کر رہا ہے، اس آدمی کو خیال آیا کہ جیسے مجھے پیاس لگی تھی اور میں پریشان ہوا تھا، اسی طرح اس کتے کو بھی پیاس سے پریشانی ہوئی ہوگی۔ یہ سوچکر کنویں میں اترا اور اپنے موزہ میں پانی بھرا اور موزہ کو منہ میں پکڑ کر کنویں سے باہر نکل آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آدمی پر اللہ نے رحمت کی اور اس کے عمل کی وجہ سے اس کو بخش دیا، صحابہ نے عرض کہا کہ کیا کتے پر رحم کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا: کہ ہاں ہر جانور پر احسان کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

(بخاری ۲/۸۸۸، الادب المفرد ۷۹)

اس حدیث میں سبق دیا گیا ہے کہ جانوروں پر بھی رحم کرنا چاہیئے۔

بلی پر ظلم کرنے والی عورت کا انجام

جب جانوروں پر رحم کا حکم ہے تو ان پر ظلم کرنا نا جائز ہوگا اور ہونا بھی چاہیئے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے زمانہ کی ایک عورت کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک عورت نے بلی کو باندھ دیا اور اسکو کچھ کھانے بھی نہیں دیا یہاں تک کہ بھوک سے وہ مر گئی. اس حرکت کی وجہ سے اس عورت کو دوزخ میں ڈالا گیا اور اس سے کہا گیا کہ نہ تو تو نے اس کو کھلایا نہ پلایا اور نہ اس کو کھول کر چھوڑا کہ وہ خود کچھ کھالیتی (اور اپنی جان بچاتی)

(الادب المفرد: ۷۹)

غرض یہ کہ جب اسلام جانوروں کے ساتھ بھی بے رحمانہ سلوک کی اجازت نہیں دیتا اور انکے ساتھ احسان کا حکم دیتا ہے تو پھر انسانوں کے ساتھ کس قدر

ہمدردی اور احسان کا معاملہ ہونا چاہئے؟ اور خصوصا ایک مسلمان بھائی پریشان ہو اور کسی مصیبت و دکھ میں مبتلا ہو تو ہمیں اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہئے اسپر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

دوست کیسا ہو؟

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ان کے ایک دوست آئے اور اپنی ایک ضرورت بیان کی وہ بزرگ اندر گئے اور ان کی ضرورت کے مطابق لاکر حوالہ کردی، پھر بیٹھ کر رونے لگے، انکی بیوی نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ رو رہے ہیں اگر پیسے کی اتنی ہی محبت تھی تو آپ نے اپنے دوست کو دیا ہی کیوں؟ دے کر اب روتے بیٹھنا تو اچھا نہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں رو رہا کہ پیسے چلے گئے بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ میرے دوست کی خبر گیری میں نے کیوں نہ کی اور ان کو مانگنے سے پہلے میں کیوں نہیں دیدیا؟۔

اختلاف کے باوجود بے نظیر اتحاد

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں بعض مسائل کا اختلاف رہا ہے؛ مگر ایک دوسرے کے احترام میں کبھی فرق نہیں آیا، کون نہیں جانتا کہ خون عثمان کے مسئلہ میں صحابہ کرام میں شدید اختلاف ہوا اور اس کی بنا پر جنگ بھی ہوئی مگر کیا مجال کے ان کے اس اختلاف سے ایک دوسرے کے احترام میں فرق آجائے۔ چنانچہ عین جنگ کے موقعہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے جس کا سربراہ قیصر تھا خط ملا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کے امیر (حضرت علی) نے آپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور تم پر ظلم کر رہے ہیں اگر آپ چاہیں تو ہماری

فوج آپ کی مدد کو بھیج دیں گے۔اگر ہم آپ اس جگہ ہوتے تو مخالف کی توہین وتذلیل اور اس کو شکست دینے کیلئے فوج منگوا لیتے۔

مگر گوش ہوش سے سننے کے قابل ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کا جواب یہ دیا کہ:

''اے نصرانی کتے! تو ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟!۔یاد رکھ اگر تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ترچھی نگاہ سے بھی دیکھا تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھ پھوڑنے والا میں ہوں گا۔''

ایسے سینکڑوں واقعات ہیں یہاں مثال کے طور پر ایک نقل کیا گیا ہے غرض یہ ہے کہ امت کے اتحاد کیلئے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام اور اکرام کریں اور اپنے اختلافات کو حدود سے آگے نہ بڑھنے دیں،اور آپس میں حسن سلوک کا معاملہ کریں۔

اختلاف شکست کا سبب بن گیا

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں صحابہ میں کچھ اختلاف ہوا تو انکی ہوا اکھڑ گئی اور وہ شکست کھا گئے۔

(قرطبی:۸/۲۵)

اس قول کی شرح یہ ہے کہ غزوہ احد کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو ایک مورچہ پر قائم فرما کر ان کو حکم دیا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا اگر ہم کو قتل ہوتے ہوئے دیکھو تو بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور ہم کو فتح پائے دیکھو تب بھی ہم میں شریک نہ ہونا۔جب جنگ کا آغاز ہوا تبھی سے مسلمانوں کا پلڑا غالب رہا اور کفار برابر شکست کھاتے رہے یہاں تک کہ وہ رسوا و پسپا ہو کر بھاگے اور

مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوئے اور یہ تیر اندازوں کی جماعت اختلاف کرنے لگی اور وہ بھی غنیمت کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگئی اس اختلاف کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ کفار اسی مورچہ سے مسلمانوں پر بیک دم حملہ آور ہوئے اور یہ اچانک حملہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے اللہ نے سورۂ آل عمران میں اس واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

(دیکھو آل عمران:۱۵۲)

معلوم ہوا کہ اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا اکھڑ جاتی اور مقابل پر سے رعب ختم ہو جاتا ہے۔

بڑوں کا اختلاف اور ہمارے لئے عبرت

ایک واقعہ یاد آگیا جو بڑا سبق آموز ہے، حضرت مرشدی مسیح الامت رحمہ اللہ اور حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ دونوں ساتھی ہیں اور ایک مسئلہ میں دونوں حضرات کا آپسی اختلاف بھی ہے مفتی صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک جو حق تھا انہوں نے اس کو ایک رسالہ ''شوریٰ واہتمام'' میں دلائل کے ساتھ لکھدیا اور حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کے نزدیک جو حق تھا، آپ نے بھی دلائل کے ساتھ ''رسالہ اہتمام وشوریٰ'' میں تحریر فرمادیا ہے، مگر اس اختلاف کا منشاء نہ شر تھا، نہ عصبیت نہ کوئی چیز؛ بلکہ اس کا منشا قرآن وحدیث کے دلائل تھے؛ لہذا نہ آپس میں کوئی مخالفت ہوئی نہ گالی گلوج کا سوال، نہ عیب جوئی، نہ بدگوئی؛ بلکہ حیرت انگیز واقعہ ہے کہ اس اختلاف کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو دہلی جانا تھا راستہ میں جلال آباد حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ کی بستی سے گزرنا بھی تھا تو

جاتے ہوئے ملاقات کا ارادہ فرمایا اور بس اڈے پر اترنے کے بجائے، مدرسہ مفتاح العلوم کے گیٹ کے قریب اتر گئے، مگر چونکہ حضرت والا اس وقت مدرسہ کے بجائے گھر پر تھے اور گھر کے لیے ذرا چل کر جانا پڑتا ہے تو چلتے چلتے کسی مرید نے حضرت مفتی صاحبؒ سے عرض کیا کہ بس اڈے پر اترتے تو اچھا تھا کہ سواری مل جاتی۔ یہ سن کر مفتی صاحبؒ نے عجیب جواب دیا کہ بھائی، حضرت کی خدمت میں حق تو یہ تھا کہ دیوبند ہی سے چل کر آتے اگر ہم ناتواں اتنا نہ کر سکے تو کیا یہاں سے بھی چل کر نہ جائیں؟

اللہ اکبر! یہ کہنے والے کوئی حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ کے مرید و شاگرد نہیں بلکہ ساتھی ہیں اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہ اور بزرگ ہیں، مگر آج ہم کو کسی سے اختلاف ہو جائے تو اپنے سے بڑے عالم و فاضل کی توہین کرنے تیار ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ آج امت کو متحد ہونے کے لیے اور اپنی عظمت رفتہ و شوکت رفتہ کو واپس لینے کے لیے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو اختیار کرے جس کو اسلاف نے اختیار فرما کر اپنے آپ کو متحد کیا تھا اور عظمت کا سکہ دنیا پر قائم کر دیا تھا اور ان سے ساری طاقتیں ڈرتی رہتی تھیں اور ان سے ٹکر لینے کی کوئی ہمت و جرأت نہ کر سکتا تھا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بات پر اختلاف کا ہونا نہ کوئی عیب کی بات ہے نہ ان ہونی چیز ہے، بلکہ دلائل کی بنا پر اختلاف ہو تو یہ زندگی کی علامت ہے مگر مخالفت و معاندت عداوت و شرارت نہ ہونا چاہئے۔

اس لیے اسلام کو ماننے والے تمام لوگوں میں آپس میں محبت و مؤدت ہونا چاہئے، ایک دوسرے سے غمخواری کا جذبہ ہونا چاہے اور آپس میں اتفاق و اتحاد ہونا چاہئے، ایک دوسرے سے ہمدردی و غمخواری کا جذبہ ہونا چاہئے، خواہ رنگ و نسل میں

حسب ونسب میں، جغرفیائی وعلاقائی اعتبار سے وہ مختلف کیوں نہ ہوں۔

جب اسلام کی آمد ہوئی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیمیا اثر تعلیم وصحبت لوگوں کو میسر آئی تو ایک لخت وہاں کی کایا پلٹ گئی اور یہ نااتفاقیاں اور اختلافات، اتحاد واتفاق کی لہروں میں تبدیل ہو گئے، معاشرہ میں محبت واخوت وہمدردی وغمخواری، الفت ویگانگت کی فضاء قائم ہوگئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح

اور ازواج کے ساتھ حسن سلوک

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حریرہ گھر میں تیار کیا، اور لے آئیں۔ کہنے لگیں: اے اللہ کے نبی! میں نے یہ آپ کے لئے تیار کیا ہے، اس کو کھائیے، یہاں حضرت سودہ بھی حاضر تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: تم بھی کھاؤ؛ لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں تو نہیں کھاؤنگی، وہ روٹھ گئیں؛ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصرار کیا کہ تمہیں کھانا پڑیگا، یہ اصرار وانکار اتنا بڑھتا گیا کہ دونوں کے درمیان میں بات ذرا آگے بڑھ گئی، حضرت عائشہ نے کہا کہ: اگر تم اسے نہیں کھاؤ گی تو میں یہ کھانا تمہارے منھ پر مل دونگی، یعنی ایک مذاق اور تفریح کا موقعہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے حریرہ میں ہاتھ ڈالکر ان کے منھ پر مل دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازو بیٹھے ہوئے ہنس رہے تھے، مسکراہٹ آپ کے چہرے

پر کھیل رہی تھی، جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ ان کا پورا چہرہ کھانے سے ملوث ہو گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمہارے منھ پر یہ لگایا ہے، اب میں ان کے ہاتھ پکڑ لیتا ہوں تم ان کے منھ پر یہ مل دو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ لیا تو حضرت سودہ نے حریرہ اٹھا کر ان کے منھ پر مل دیا اور پھر ایک ہنسی کا موقعہ فراہم ہو گیا۔

(حیاۃ الصحابہ: ۲/۷۹۹)

کفارِ مکہ کا اختلاف ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر

آپ کا کمال عقلی اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب قریش مکہ نے کعبۃ اللہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کیا اور اس وقت حجر اسود کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا گیا تھا، تو تعمیر کے بعد قریش کے قبائل نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ حجر اسود کو کون اپنی جگہ نصب کرے؟ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فضیلت اس کو ملے، یہاں تک نوبت پہنچی کہ لوگ اپنی بہادری اور جرأت مندی کا مظاہرہ کرنے کے لیے عربوں کے دستور و رواج کے مطابق پیالوں میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگے کہ یہ فضیلت ہم حاصل کریں گے۔

اس میں اشارہ تھا کہ ہم جنگ کے لیے بھی تیار ہیں۔ ایک تجربہ کار بوڑھے نے مشورہ دیا کہ ایسا کرو کہ کل صبح جو آدمی سب سے پہلے کعبۃ اللہ میں داخل ہو، اسی کو اس کا اہل سمجھا جائے کہ وہ کعبۃ اللہ میں حجر اسود نصب کرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا، جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے اس میں داخل ہونے والے وہ ہمارے اور آپ کے آقا حضرت سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جب قریش نے

آپ کو دیکھا تو خوش ہو گئے، اور آپ سے کعبۃ اللہ میں حجر اسود نصب کرنے کے لیے کہا، مگر آپ نے اپنی کمال عقلی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے عجیب تدبیر پیش فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ ایک چادر بچھادو، جب چادر ڈال دی گئی تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس میں رکھا، پھر تمام سرداران قریش سے فرمایا کہ سب اس چادر کو پکڑ کر چلیں، جب چلے تو کعبۃ اللہ کے پاس آپ نے رکوا کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو نصب کر دیا، خود بھی اس فضیلت سے مشرف ہوئے اور سب کو بھی شامل کر لیا اور ایک بڑی جنگ سے لوگوں کو بچالیا۔ یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔

(دیکھو سیرت ابن ہشام: ۱/۱۹۷)

ہر مسئلہ میں حقوق العباد کا اہتمام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ گشت کرتے جا رہے تھے، رات کا وقت تھا، ایک گھر سے ایک عورت کے اشعار پڑھنے کی آواز آئی جن میں عشقیہ مضمون تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے پوچھا کہ تجھ کو کیا ہوا کہ زور سے اشعار پڑھ رہی ہے؟ اس نے بتایا کہ میرا شوہر آپ کے حکم پر جہاد میں گیا ہوا ہے، اس کی یاد میں یہ اشعار پڑھ رہی ہوں۔ حضرت عمر نے اس کو صبر کے لیے کہا اور حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور مشورہ کیا، پوچھا کہ عورت اپنے شوہر کے بغیر کتنے دن صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہ نے شرم سے سر جھکا لیا، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حق بولنے سے نہیں شرماتا، بولو، کہ عورت بغیر شوہر کتنے دن رہ سکتی ہے ؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار یا چھ مہینے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام

علاقوں میں فرمان بھیج دیا کہ فوجیوں کو چار ماہ سے زیادہ نہ روکا جائے۔

(کنز العمال: ۳۰۸/۸)

نوافل میں شوہر کی اجازت ضروری

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے شوہر صفوان بن معطل ہیں۔ میں نماز پڑھتی ہوں تو مارتے ہیں اور روزہ رکھتی ہوں تو روزہ تڑوا دیتے ہیں اور خود فجر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک کہ سورج نہیں نکل جاتا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت صفوان اس وقت وہیں مجلس میں موجود تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان باتوں کے بارے میں پوچھا جو اس عورت نے کہا تھا، حضرت صفوان نے وضاحت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے جو یہ کہا کہ نماز پڑھنے پر مارتا ہوں تو بات یہ ہے کہ یہ دو دو سورتیں (نماز میں) پڑھتی ہے اور میں نے اس سے اسکو منع کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سورت ہو تو کافی ہے۔ صفوان نے کہا کہ اس نے جو یہ کہا کہ میں اسکا روزہ تڑوا دیتا ہوں تو بات یہ ہے کہ یہ مسلسل روزے رکھتی چلی جاتی ہے اور میں جوان آدمی ہوں صبر نہیں کرسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ پھر صفوان نے عرض کیا کہ اور یہ بات کہ میں نماز فجر سورج نکلنے تک نہیں پڑھتا۔ تو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم بیوی بچے والے ہیں (رات میں ضرورت کے لئے کام کرتے ہیں) لہٰذا سورج نکلنے سے پہلے اٹھ نہیں پاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بیدار ہوں نماز پڑھ لو۔

(ابوداود: ۳۲۳/۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نفل روزہ شوہر کی مرضی واجازت کے بغیر رکھنا اچھا نہیں ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نوافل پر نوافل یا لمبی لمبی رکعتیں پڑھنا جس سے شوہر کی خدمت میں خلل وکوتاہی ہو، اچھا نہیں ۔ غرض یہ کہ شوہر کی رضا وخوشی کا ہر جگہ اور ہر وقت لحاظ وخیال رکھنا عورت پر لازم ہے ۔

ہارون الرشید رحمہ اللہ کا عفو ودرگذر

علامہ دمیری رحمہ اللہ نے حیاۃ الحیوان میں ہارون کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ خارجی فرقہ کے ایک آدمی نے چند درباری جوانوں کے خلاف کئی مرتبہ فوج کشی کی ۔ بالآخر پکڑا گیا اور دربار میں پیش ہوا ۔ ہارون نے پوچھا کہ بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کروں ؟ اس نے کہا کہ آپ میرے ساتھ وہ معاملہ کریں جو آپ اپنے لئے خدا کے دربار میں چاہتے ہیں ۔ اس پر امیر المومنین ہارون الرشید نے اس کو معاف کر دیا، جب وہ باہر نکلا تو درباریوں نے کہا کہ حضور ! ایک شخص آپ کے لوگوں سے جنگ کرتا ہے اور آپ صرف ایک جملہ کی وجہ سے اس کو معاف کر دیتے ہیں ؟ یہ مناسب نہیں ہے ، مخالفین کے حوصلہ اس سے بڑھیں گے ہارون رشید نے کہا کہ پھر اس کو بلاؤ جب وہ آیا تو کہنے لگا امیر المؤمنین آپ ان لوگوں کی بات نہ مانئے اگر اللہ بھی لوگوں کی بات مانتا تو آپ کو بھی خلیفہ نہ بناتا اس پر ہارون نے اس کو معاف کر دیا ۔

(حیاۃ الحیوان ۱/۲۴۰)

غرض یہ کہ آدمی یہ سوچے کہ جیسے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی میرے گناہوں کو معاف کرے اسی طرح میں بھی دوسروں کو معاف کروں ؛ پھر آدمی دوسرے کے عیوب کے پیچھے کیسے اور کیوں کر پڑے گا ؟

توبہ کی فضیلت
اور
گناہوں کی نحوست

تو جو کرتا ہے چھپ کر اہلِ جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے تجھ کو آسماں سے

(حکیم اختر صاحب مدظلہ)

نعمت خداوندی کے احساس پر ایک شرابی کی توبہ

یوسف ابن الحسین حضرت ذوالنون مصری کے شاگردومرید ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں سیاحت کے درمیان حضرت ذوالنون مصری کے ساتھ تھا کہ تالاب کے کنارے میں نے دیکھا کہ ایک کالا بڑا سا بچھو آرہا ہے، پس میں اس کو دیکھنے کھڑا ہوگیا، اتنے میں ایک مینڈک پانی سے نکلا اور اس بچھو کے پاس آیا اور اس کو اپنی پشت پر بٹھا کر ایک طرف کو چلنے لگا۔

حضرت ذوالنون نے فرمایا کہ اس بچھو کا کوئی خاص معاملہ ہے، ہمارے ساتھ چلو، کہتے ہیں کہ ہم اس مینڈک و بچھو کے پیچھے چلنے لگے، یہاں تک کہ وہ ایک درخت کے پاس آئے جس کے نیچے ایک نوجوان شراب کے نشہ میں مست سویا ہوا ہے۔اور ایک بڑا سانپ اس کی ناف کی جانب سے چڑھتا ہوا سینہ کی طرف جارہا ہے۔پس اس بچھو نے سانپ کے سر پر حملہ کیا اور اس کو قتل کردیا، پھر مینڈک کے پاس آیا اور اسی جانب کو وہ چلے گئے جہاں سے آئے تھے۔

حضرت ذوالنون کہتے ہیں کہ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ایک شرابی کو بچانے کا خدائی انتظام دیکھو کیسا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون نے اس نوجوان کو اٹھایا، تو وہ اپنی آنکھوں کو ملتا ہوا بیدار ہوا، تو انہوں نے اس کو بتایا کہ دیکھ تو تو خدا کی نافرمانی کررہا ہے اور وہ اس طرح تیری حفاظت کررہا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون نے یہ اشعار بھی پڑھے کہ:

يـا راقـداً والـجـلـيـلُ يَـحْـفَـظُهٗ　　مِن كُلِّ سُوءٍ يَكُونُ فِي الظُّلَمِ

كَـيفَ تَـنَامُ العُيُونُ عَنْ مَلِكٍ　　يَأتِـيكَ مِـنْهُ فَـوَائِدُ الـنِعَـمِ

(اے سونے والے! جس کی ہر برائی سے حفاظت رب جلیل رات کی

تاریکیوں میں کررہا ہے، تیری آنکھیں اس مالک سے اعراض کر کے کیسے سوسکتی ہیں جس کی جانب سے تجھے نعمتوں کے فوائد پہنچ رہے ہیں)

یہ سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کہ یا الٰہی ! یہ آپ کا معاملہ ایک نافرمان کے ساتھ ہے تو پھر تیرے فرمانبردار بندوں کے ساتھ تیرا رحم وکرم کس قدر ہوگا ؟ پھر کہا کہ آپ گواہ رہنا کہ میں نے گناہ سے توبہ کی، اور جنگل کی جانب چلا گیا۔

(التوابین:۲۲۷، المستظرف:۲/۲۵۴-۲۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک شریف انسان کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ اس پر اللہ کی کس قدر نعمتیں ہیں تو وہ اس پر خدا کی نافرمانی سے تائب ہو جائے گا اور اس کے شکریہ میں گناہ ترک کردے گا۔

اسی لئے بزرگان دین سے منقول ہے کہ انہوں نے شکر کی تعریف ہی یہ کی کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے۔ حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی نے مجھ سے پوچھا کہ شکر کسے کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ: "أَنْ لَا يُسْتَعَانَ بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَعَاصِيْهِ" (اللہ کی کسی نعمت سے اس کی نافرمانی میں مدد نہ لی جائے) حضرت سری نے پوچھا کہ یہ بات تم کو کہاں سے معلوم ہوئی ؟ حضرت جنید کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ہی کی مجالس سے معلوم ہوئی ہے۔

(رسالہ قشیریہ:۸۱)

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کے ہاتھ پر ایک گناہ گار کی توبہ

ایک شخص حضرت ابراھیم بن ادھم رحمہ اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت! میں گناہوں سے بچنا چاہتا ہوں مگر بچ نہیں پاتا، کیا کروں؟ کوئی ایسی بات

ارشاد فرمائیے کہ میرے گناہوں کو روکنے والی ہو؟

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: جب تیرا ارادہ گناہ کرنے کا ہو تو دیکھنا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق نہ کھانا۔ اس نے عرض کیا کہ پھر میں کیا اور کس طرح کھاؤں، جبکہ جو بھی زمین پر رزق موجود ہے وہ اللہ ہی کا عطا کردہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ جس کا رزق کھاتا ہے اسی کی نافرمانی کرنا چاہتا ہے؟

پھر حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تو گناہ کرنا ہی چاہتا ہے تو ایسا کر کہ اللہ کی زمین سے باہر چلا جا اور وہاں گناہ کر لے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ساری کائنات اسی اللہ کی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پھر کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ اللہ ہی کی زمین پر رہتے ہوئے اس کی معصیت کرے؟

حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے کہا کہ اچھا اگر تجھے گناہ کرنا ہی ہے تو کسی ایسی جگہ چلا جا جہاں کوئی تجھے نہ دیکھتا ہو۔ اس نے کہا کہ حضرت! یہ کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ وہ اللہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ خدا کے اس قدر قریب ہوتے ہوئے اس کی نافرمانی کرے؟

پھر فرمایا کہ: اگر تو گناہ کرنا ہی چاہتا ہے تو جب حضرت عزرائیل روح قبض کرنے آئیں تو ان سے کہہ دینا کہ مجھے توبہ کرنے تک ذرا مہلت دیں۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ: پھر کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ ملک الموت آئے اور تیری روح اس حال میں قبض کر لے کہ تو گناہ میں ہو؟

پھر فرمایا کہ اگر تو گناہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسا کر کہ جب جہنم کے فرشتے زبانیہ قیامت کے روز تجھے پکڑ کر جہنم میں لے جانا چاہیں تو ان سے یہ کہہ دینا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں آؤں گا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت! کیا وہ مجھے

چھوڑ دیں گے اور میری بات مان لیں گے؟ فرمایا کہ پھر تیری نجات کیسے ہوگی؟ کہنے لگا کہ اے ابراہیم! یہ نصیحت کافی ہے۔ میں توبہ کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ کبھی گناہ نہیں کروں گا۔

(التوابین لابن قدامہ: ۲۸۵،ادب الاسلام: ۸-۹، اخلاق المؤمن: ۱۰۷-۱۰۸)

کفل کی توبہ

صحیح حدیث میں کفل نامی ایک بنی اسرائیلی آدمی کا قصہ آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی کفل نام کا تھا، جو ہر قسم کی برائی میں طاق تھا، ایک دن اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے اس سے کہا کہ اگر تم مجھے اتنے روپئے دیدو، تو میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کردوں گی اور تم کو مجھ سے اپنی خواہش پوری کرنے کا حق ہوگا۔ وہ شخص پہلے ہی سے برائی کا عادی تھا، اسے یہ موقعہ غنیمت نظر آیا اور اس نے اس عورت کو رقم دینے کا وعدہ کرلیا، اور اس سے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے کسی کمرے میں لے گیا، جب برائی کا وقت آیا تو وہ عورت کانپنے لگی اور اس پر خوف ودہشت طاری ہوگئی۔

اس نے اس عورت سے پوچھا کہ تو کیوں خوف زدہ ہے اور کانپ رہی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے میری پوری زندگی میں کبھی یہ حرکت نہیں کی، اور آج مجھے اس حرام وناجائز کام کو اس لئے کرنا پڑ رہا ہے کہ میرے بچے گھر میں بھوکے پیاسے ہیں اور ان کا کوئی کفیل نہیں ہے اور کھانے کا کوئی سامان نہیں، میں انتہائی مجبور ہوکر سوچنے لگی کہ کیا کرسکتی ہوں، تو میرے ذہن میں آیا کہ میں اپنی عصمت اور اپنی پاکدامنی کو

بیچ کر اس سے جو کچھ روپئے حاصل ہو جائیں، اس سے بچوں کے گزارے کا انتظام کروں؛ اس لئے میں نے اس برائی کا ارادہ کیا، مگر مجھے اللہ کا خوف ہو رہا ہے اور اس لئے مجھ پر کپکپی طاری ہے۔

عورت دل سے بات کہہ رہی تھی، تو دل پر اثر انداز ہوئی، اور عورت کی یہ داستان سن کر اور اس کا اللہ سے یہ خوف دیکھ کر، اس مرد کے دل میں بھی اللہ کا ڈر اور خوف پیدا ہو گیا اور کہنے لگا کہ تو صرف ایک بار گناہ کا صرف ارادہ کر کے، اللہ سے اس قدر خوف کر رہی ہے اور میرا حال یہ ہے کہ میں نے پوری زندگی اس کی نافرمانی میں اور معصیت میں گزاری ہے، مجھے اللہ کا تجھ سے زیادہ خوف کرنا چاہئے، اس لئے میں توبہ کرتا ہوں کہ آج سے کبھی گناہ نہیں کروں گا، اور کہنے لگا کہ میں نے جو تجھ سے رقم دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ بھی تجھ کو دوں گا۔ چنانچہ اس نے اس عورت کو رقم بھی دے دی اور برائی سے توبہ بھی کر لی اور وہ عورت وہاں سے واپس ہو گئی۔

یہ آدمی اس کے جانے کے بعد ندامت کے ساتھ اللہ کے سامنے رو کر، گڑگڑا کر، اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا اور اسی حالت میں اسی رات اس کا انتقال ہو گیا۔

بنی اسرائیل میں اللہ تعالی کی ایک سنت جاری تھی کہ جو آدمی اچھا ہوتا، اس کی اچھائی و نیکی قدرت سے اس کے دروازہ پر لکھ دی جاتی اور اگر کوئی برائی کرتا تو اس کے دروازہ پر اس کی برائی کا ذکر کر دیا جاتا تھا اور یہ کفل نامی شخص تو اتنا برا تھا کہ اس کے دروازے پر روزانہ کچھ نہ کچھ اس کی برائی لکھی ہوئی ہوتی تھی کہ آج اس نے زنا کیا اور آج اس نے شراب پی یا اور کوئی برائی کی، سارے شہر میں اس کی رسوائی ہوتی اور سب لوگ کہتے تھے کہ یہ کیسا برا آدمی ہے، اور لوگ اسی وجہ سے اس سے ڈرتے

اور دور رہتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رات کو اس کا انتقال ہو گیا، اور صبح لوگ اٹھکر دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر لکھا ہوا ہے کہ "قَد غَفَرَ اللّٰهُ لِلْكِفْل" (اللہ تعالی نے کفل کی مغفرت کر دی)

اور لوگ پڑھتے ہوئے جا رہے تھے، گذرنے والے روزانہ دیکھا کرتے تھے کہ اس کے دروازے پر کبھی کچھ تو کبھی کچھ لکھا ہوتا تھا، مگر آج عجیب بات ہے کہ اس کے دروازے پر "اللہ نے کفل کی مغفرت کر دی" لکھا ہوا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ آج اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا کہ اتنا بُرا آدمی، اتنا شریر و فاسق آدمی، اور اللہ نے اس کی مغفرت کر دی۔! جب لوگوں نے تحقیق کی تو اس عورت کا واقعہ معلوم ہوا، خود عورت نے آ کر بتایا کہ رات ایسا ایسا واقعہ ہوا تھا، تب لوگوں کو سمجھ میں آیا کہ اللہ نے اسی لئے اس کی مغفرت کر دی۔

(ترمذی: ۲۴۹۶، مسند احمد: ۴۷۴۷، مسند بزرا: ۵۳۸۸، مسند ابویعلی: ۵۷۲۶ مستدرک حاکم: ۲۸۳/۴، شعب الایمان: ۳۱۷/۹، صحیح ابن حبان: ۱۱۱/۲)

ایک عابد کا بھکنا اور خوف سے توبہ کرنا

علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "ذم الھوی" میں لکھا ہے کہ ابو کعب نے حضرت حسن بصری سے یہ واقعہ نقل کیا کہ ایک فاحشہ عورت نہایت حسین و جمیل تھی، جو ایک سو دینار لیکر برائی کراتی تھی۔ ایک عابد و زاہد کی ایک بار اس پر جو نظر پڑی تو وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اس کے پاس جانے کے لئے سو دینار جمع کرنے لگا، اور کام دھام کر کے اس نے سو دینار جمع کر لئے اور ایک دن اس کے گھر پہنچ گیا اور اپنا مدعیٰ پیش کیا، اس نے سو دینار لے لئے اور بن سنور کر تیار ہو کر اس کے لئے آئی، اور

جب وہ عابد اس کے ساتھ برائی کرنے کے ارادے سے ملا تو اس کو اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا خیال آ گیا اور وہ اللہ کے خوف سے کانپنے لگا اور اس کی شہوت و خواہش ہی مر گئی۔

اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے تاکہ میں یہاں سے نکل جاؤں، اور یہ دینار تجھے ہی دیدیتا ہوں۔ اس فاحشہ عورت نے تعجب سے کہا کہ کیا ہوا؟ تو نے تو بڑی محنت سے یہ دینار جمع کئے تھے اور میں تجھے پسند آ گئی تھی، اور آج تجھے یہ موقعہ ملا ہے اور تو اس کو چھوڑ کر جانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ اللہ کے خوف اور اس کے سامنے کھڑے ہونے کے ڈر کی وجہ سے ہے۔ اس عورت نے کہا کہ اگر یہ بات تیری سچ ہے تو سوائے تیرے میرا کوئی شوہر نہیں۔

الغرض وہ وہاں سے نکل آیا اور اپنے گھر چلا گیا، اور وہ عورت بھی توبہ کر کے، اس عابد کا پتہ معلوم کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئی، جب اس کو بتایا گیا کہ فلاں تم کو پوچھتے ہوئے آئی ہے تو وہ یہ سنکر بے ہوش ہو گیا اور پھر مر گیا۔

(ذم الھوی: ۲۴۹)

ایک لوہار کی توبہ

علامہ ابن الجوزی نے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ نے کہا کہ میں نے ایک لوہار کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے آگ کے اندر سے لوہا نکالتا ہے اور ہاتھ کی انگلیوں ہی سے اس کو الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ میں نے دل دل میں کہا کہ یہ کوئی اللہ والا ہے، پھر میں اس کے قریب ہوا اور سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا کہ اے سردار! آپ کو جو یہ کرامت ملی ہے، اس کے حوالے سے آپ میرے لئے دعا کر دیں۔

اس نے کہا کہ بھائی! میں ایسا نہیں ہوں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں، لیکن میں

اپنا قصہ آپ کو سناتا ہوں، وہ یہ کہ میں بہت گناہ کیا کرتا تھا، ایک بار ایک حسین عورت سے سابقہ پڑا، اس نے مجھ سے کہا کہ اللہ کے لئے کچھ ہوتو دیدو، وہ عورت میرے دل میں سما گئی، میں نے کہا کہ میرے گھر پر چل، تجھے اتنا دیدوں گا جو کافی ہو جائے، مگر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی، اور پھر کچھ دیر بعد روتے ہوئے آئی اور کہنے لگی کہ مجھے وقت نے مجبور کیا ہے اس لئے میں دوبارہ تمہارے پاس آئی ہوں۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں اس کو لیکر گھر آیا اور اس کو بٹھا کر اس کے قریب ہوا، تو وہ اس طرح تڑپنے لگی جیسے تیز ہوا کے تھپیڑوں میں کشتی حرکت کرتی ہے، میں نے کہا کہ کیوں تڑپتی ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ کے خوف سے کہ کہیں وہ ہمیں اس حال میں نہ دیکھ لے، لہذا تم اگر مجھ کو چھوڑ دو تو اللہ تم کو نہ دنیا میں آگ سے جلائے گا اور نہ آخرت میں جلائے گا۔

کہتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، وہ چلی گئی، اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت حسین عورت ہے، میں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس لڑکی کی ماں ہوں، تجھے معلوم ہو کہ یہ میری لڑکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ہے، اللہ تم کو جزاء دے، اور تم کو نہ دنیا میں آگ سے جلائے اور نہ آخرت میں جلائے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے توبہ کرلیا اور اللہ کی جناب میں رجوع ہوگیا۔

(الزھر الفاتح: ۱۴)

توبہ کی وجہ سے ایک قصاب کا مقام

امام ابوبکر بن عبداللہ المزنی کہتے ہیں کہ ایک قصاب نے ایک باندی سے معاشقہ کیا، وہ ایک بار اپنے آقا کے گھر والوں کے کام سے کہیں جارہی تھی کہ اس نے

اس کا پیچھا کیا، اور اس کو پھسلانے کی کوشش کی، مگر اس باندی نے کہا کہ مجھ سے کوئی برا کام نہ کرو، تم مجھ سے جتنی محبت کرتے ہو، میں تم سے اس سے زیادہ محبت کرتی ہوں، مگر مجھے اللہ کا خوف ہے، لہذا میں کوئی برا کام نہیں کروں گی۔

قصاب نے کہا کہ اگر تو اللہ سے ڈرتی ہے تو میں کیوں نہ اللہ سے ڈروں۔ لہذا میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر وہاں سے وہ لوٹ رہا تھا کہ اس کو گرمی کی شدت سے شدید پیاس معلوم ہوئی، یہاں تک کہ ہلاکت کے قریب ہوگیا۔ پس اس نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر کے ایک قاصد وہاں سے گزر رہے ہیں، انہوں نے اس سے حال پوچھا، اس نے پیاس کا حال بتایا، انھوں نے کہا کہ چلو ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں ایک بادل کا ٹھنڈا سایہ عطا کردے۔

اس قصاب نے کہا کہ میرا کوئی ایسا عمل نہیں کہ میری دعا قبول ہو، آپ ہی دعا کیجئے۔ اس قاصد نے کہا کہ اچھا میں دعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی اور اس نے آمین کہی، اور اللہ نے دعا قبول کر کے ان کو ایک بادل کا سایہ عطا کردیا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اس سایہ میں چل کر اپنے قریہ کو پہنچ گئے، اور جب وہ قصاب اپنے گھر کی جانب چلنے لگا تو وہ سایہ اسی کے ساتھ ہوگیا، یہ دیکھ کر اس قاصد نے کہا کہ بھائی! تم تو کہتے تھے کہ میرا کوئی عمل صالح نہیں ہے، اور یہاں تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سایہ تو تمہاری ہی وجہ سے ملا ہے۔ لہذا مجھے تمہارا قصہ سناؤ کہ کیا ہے؟ تب اس نے اپنی توبہ کا قصہ سنایا، تو اس قاصد نے کہا کہ جو توبہ کرتا ہے وہ اللہ کے نزدیک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں کوئی دوسرا نہیں پہنچتا۔

(احیاء العلوم: ۱۰۶/۳)

شاعر ابونواس کی توبہ ومناجات

عرب کے مشہور شاعر ابونواس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ نے میری مغفرت ان اشعار کی وجہ سے کردی جو میں نے بیماری کے دنوں میں مرنے سے پہلے کہے تھے اور وہ میرے تکیئے کے نیچے رکھے ہیں۔ جب اس کے تکیئے کے نیچے دیکھا گیا تو ایک کاغذ پر یہ اشعار لکھے ہوئے ملے:

يَا رَبِّ اِنْ عَظُمَتْ ذُنُوْبِيْ كَثْرَةً
فَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ عَفْوَكَ أَعْظَمْ
اِنْ كَانَ لَايَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنِ الَّذِيْ يَرْجُو الْمُسِيْءُ الْمُجْرِمْ
أَدْعُوْكَ رَبِّيْ كَمَا اَمَرْتَ تَضَرُّعًا
فَاِذَا رَدَدْتَّ يَدَيَّ فَمَنْ ذَا يَرْحَمْ
مَا لِيْ اِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ اِلَّا الرَّجَا
وَجَمِيْلَ عَفْوِكَ ثُمَّ اَنِّيْ مُسْلِمْ

۱- اے میرے پروردگار! اگر میرے گناہ زیادہ ہیں تو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری معافی و مغفرت اس سے زیادہ بڑی ہے۔

۲- اگر نیکی کرنے والا ہی تیری رحمت سے امید رکھ سکتا ہے تو وہ کون ہے جس سے گناہ گار مجرم بندہ امید رکھے؟

۳- میں تجھ سے اسی طرح گڑ گڑا کر مانگتا ہوں جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے،

پس اگر تو ہی میرے ہاتھوں کو رد کر دے تو پھر کون مجھ پر رحم کرے گا؟

۴- تیری رحمت سے امید اور تیری معافی پھر میرے مسلمان ہونے کے سوا میرا کوئی وسیلۂ نجات نہیں ہے)

(آثار البلاد للقزوینی: ۲۲۹، البدایہ والنہایہ: ۱۰/۲۲۴، المنتظم: ۱۰/۲۴، تاریخ بغداد: ۹/۴۶۱)

حضرت بشر حافی کی توبہ

حضرت بشر حافی ایک بڑے اللہ والے گزرے ہیں، زاہدین و عارفین میں ان کا شمار ہوتا ہے، اللہ نے بے پناہ مقبولیت سے نوازا تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو فجر کے وقت جنازہ اٹھایا گیا اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے قبرستان کو پہنچتے پہنچتے عشاء کا وقت ہو گیا، یہ عجیب و روح پرور منظر دیکھ کر امام علی بن المدینی اور ابو نصر التمار وغیرہ ائمہ حدیث نے چیخ چیخ کر کہا کہ یہ آخرت کے شرف سے پہلے دنیا کا شرف ہے۔ اور کہا گیا کہ ان کے گھر کے جنات بھی ان کی وفات پر رو رہے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۱۰/۲۹۸، الوافی فی الوفیات: ۱۳۷۸)

ان کی توبہ کا عجیب واقعہ لکھا ہے کہ وہ پہلے لہو ولعب میں مبتلا رہتے تھے، شراب و کباب کی مجلسیں چلتی تھیں، ایک بار اپنے دوست احباب کے ساتھ اپنے ہی گھر میں شراب و کباب اور گانے بجانے میں مست تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی، بشر حافی کی ایک باندی دروازے پر دیکھنے کو گئی، تو آنے والے شخص نے اس سے پوچھا کہ:

”صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ حُرٌّ أَوْ عَبْدٌ؟

(اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟)

باندی نے کہا کہ حر یعنی آزاد ہے (کیونکہ گھر کا مالک تو آزاد ہی ہوسکتا ہے،کوئی غلام کہاں ہوسکتا ہے)

اس شخص نے کہا کہ ہاں تم نے سچ کہا،اگر وہ غلام ہوتا عبودیت وغلامی کے آداب کالحاظ بھی کرتا،اورلہولعب چھوڑ دیتا۔

یہ کہکر وہ شخص چلا گیااور بشر حافی جو وہاں نشہ میں مست پڑے تھے،اس شخص کی اور باندی کی یہ گفتگوسن رہے تھے۔وہ جلدی سے دروازے کی جانب آئے،مگر وہ شخص جاچکا تھا۔

باندی سے پوچھا کہ وہ آدمی کس طرف کو گیا؟باندی نے بتایا کہ اس طرف، تو وہ اس کی تلاش میں نکلے اور ایک جگہ اس کو پالیا، اور پوچھا کہ کیا آپ ہی نے دروازے پر باندی سے اس طرح کی گفتگو کی تھی؟

اس نے کہا کہ ہاں ۔تو بشر حافی نے کہا کہ ایک بار پھر اپنی بات دہرائیے۔ جب اس نے کہا کہ یہ گھر والا اگر اللہ کا غلام ہوتا تو غلامی کا انداز اختیار کرتا اور لہوولعب میں شراب وکباب میں زندگی نہ کرتا۔

یہ سن کر بشر حافی تڑپنے لگےاور اپنے گال زمین پر رکھدئے اور کہنے لگے کہ نہیں، میں آزادنہیں، بلکہ غلام ہوں غلام ہوں،یعنی اللہ کا غلام۔اوراسی دن سے تمام بدکاریوں اور گناہوں سے توبہ کرلی اور کہا کہ اللہ سے عہد وپیمان کے وقت (یعنی توبہ کے وقت) چونکہ پیروں میں جوتے یا چپل نہیں تھے،اس لئے اب عمر بھر اسی حال سے رہوں گا،اوراسی لئے ان کا نام حافی پڑ گیا۔

(التوابین:۲۱۱)

ایک بنی اسرائیلی کی توبہ

حضرت کعب احبار سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ منقول ہے کہ وہ ایک فاحشہ عورت کے پاس گیا اور زنا کیا اور غسل کرنے ایک نہر میں اترا، تو نہر سے آواز آئی کہ اے فلاں! کیا تجھے شرم نہیں آتی، کیا تو نے اس سے پہلے اس گناہ سے توبہ نہیں کر لی تھا، اور کیا تو نے دوبارہ نہ کرنے کی بات نہیں کہی تھی؟ یہ شخص یہ سن کر خوف زدہ ہوا اور نہر سے یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ پھر گناہ نہیں کروں گا۔ پھر وہاں سے وہ ایک پہاڑ پر گیا جہاں بارہ آدمی اللہ کی عبادت میں مشغول تھے، یہ بھی ان میں شامل ہو گیا۔ اس درمیان وہاں قحط پڑ گیا تو وہ لوگ غذا کی تلاش میں پہاڑ سے اترے اور اسی نہر پر سے گزرنا چاہتے تھے، اس شخص نے کہا کہ میں وہاں نہیں آ سکتا۔ ان عبادت گزاروں نے پوچھا کہ کیوں؟ کہنے لگا کہ وہاں کوئی ہے جو میرے گناہ پر مطلع ہو جاتا ہے، لہذا اس کے سامنے جانے سے مجھے شرم آتی ہے۔

وہ لوگ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور نہر پر پہنچے تو ندا آئی کہ وہ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ یہاں آنے سے شرماتا ہے؛ کیونکہ یہاں کوئی ہے جو اس کے گناہ پر مطلع ہو جاتا ہے۔ آواز آئی کہ سبحان اللہ! جب تم میں سے بھی کوئی اپنی اولاد سے یا رشتہ دار سے ناراض ہو جاتا ہے اور وہ اپنی برائی سے رجوع کر لیتا ہے تو تم معاف کر دیتے ہو۔ اسی طرح یہ تمہارا ساتھی بھی گناہ کا مرتکب ہوا، مگر اس نے توبہ کر لی تو میں نے بھی اس کو معاف کر دیا اور میں اس کو چاہتا ہوں، لہذا تم لوگ اس کو اس کی خبر دیدو۔

(التوابین لابن قدامہ:۹۱)

اللہ اکبر ! ایسا کریم آقا جو ہمارے ساتھ اس قدر رحم و کرم کرتا ہے اور ہم اس کو چھوڑ کر شیطان سے دوستی کر لیتے ہیں تب بھی وہ ہمیں نہیں بھولتا اور پھر ہمیں معاف بھی کر دیتا ہے، اس کی نافرمانی و گناہ کرنا کیا شرافت انسانی کے خلاف نہیں ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے

ایک گناہ گار کی توبہ ومناجات

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک گناہ گار شخص تھا جس سے لوگوں نے بیزار ہو کر اس کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ وہ ایک ویرانے میں رہنے لگا تھا اور جب اس کی موت کا وقت ہوا اور وہ انتقال کر گیا تو حضرت موسیٰ پر وحی آئی کہ ہمارے ایک ولی کی فلاں جگہ وفات ہو گئی ہے، آپ اس کو غسل و کفن دیکر نماز جنازہ پڑھیں، اور لوگوں کو بتا دیں کہ جس کے گناہ زیادہ ہوں وہ لوگ اگر اس کے جنازے میں شریک ہوں تو میں ان کی بھی مغفرت کر دوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں اعلان کر دیا، اور کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے، اور جب لوگوں نے اس کی لاش کو دیکھا تو اس کو پہچان لیا اور کہا کہ حضرت! یہ تو بڑا گناہ گار شخص تھا، اور ہم نے تنگ آ کر اس کو گاؤں سے نکال دیا تھا۔ حضرت موسیٰ کو تعجب ہوا اور اللہ سے سوال کیا کہ اے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ تو اللہ کی وحی آئی کہ اے موسیٰ! یہ بات تو سچ ہے کہ یہ گناہ گار تھا، مگر جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو کوئی رشتہ دار یا دوست نظر نہیں آیا، اور خود کو تنہا و اکیلا محسوس کیا اور آسمان کی جانب نظر اٹھایا اور کہنے لگا کہ :

"يا إلهي! عبدٌ من عِبادِكَ ، غَريبٌ في بِلادِكَ
لو علمتُ أنّ عذابي يزيد في مُلكِكَ و عَفوَكَ عَنّي
يَنقُصُ من مُلكِكَ لَمَا سَألتُكَ المَغفِرَةَ وليسَ لي
مَلجَأٌ ولا رجاءٌ إلّا أنتَ و قد سمعتُ فِيمَا أَنْزَلتَ
أَنَّكَ قُلتَ: إِنِّي أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيمُ ،فَلَا تُخَيِّبْ رَجَائِي"

(اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں میں سے
ایک بندہ اور تیری بستیوں سے نکالا ہوا غریب الوطن ہوں،
اگر میں یہ جانتا کہ مجھے عذاب دینے سے آپ کی حکومت میں
کوئی زیادتی ہوتی ہے یا مجھے معاف کر دینے سے آپ کی
حکومت میں کمی ہوتی ہے تو میں آپ سے مغفرت کا سوال نہ کرتا
میری پناہ اور امید کا مرکز سوائے آپ کی ذات کے کوئی نہیں،
میں نے یہ سنا ہے کہ آپ نے اپنے کلام میں یہ نازل کیا ہے کہ:
میں ہی غفور الرحیم ہوں" پس میری امید میں مجھے ناکام نہ فرما)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! کیا میرے لئے یہ اچھی بات تھی کہ میں اس غریب الوطن کو رد کر دیتا؟ جبکہ وہ میرے سے وسیلہ پکڑ رہا ہے اور میرے سامنے گڑگڑا رہا ہے؟۔

(التوابین:۸۲)

ایک نوجوان کی توبہ

ایک عجیب واقعہ امام ابن فرحون اور امام غزالی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ بنی

اسرائیل میں ایک نوجوان شخص بیس سال تک عبادت میں لگا رہا، پھر شیطان نے معاصی اس کے لئے مزین کردئے اور وہ بیس سال تک گناہوں میں پڑا رہا، پھر ایک دن اس نے اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا تو ڈاڑھی میں ایک بال سفید نظر آیا، یہ اس کو برا لگا اور اللہ سے عرض کیا کہ الٰہی! میں نے بیس سال تک آپکی اطاعت کی اور بیس سال نافرمانی کی، اگر میں اب آپ کی جانب لوٹ آؤں تو کیا آپ مجھے قبول کریں گے؟ اس کو غیب سے آواز آئی کہ:

"أَحْبَبْتَنَا أَحْبَبْنَاكَ، وَتَرَكْتَنَا فَأَمْهَلْنَاكَ، فَإِنْ رَجَعْتَ إِلَيْنَا قَبِلْنَاكَ" (تو نے ہم سے محبت کی تو ہم نے بھی تجھ سے محبت کی اور جب تو نے ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے تجھے مہلت دی اور اگر تو دوبارہ ہماری جانب رخ کرے گا تو ہم بھی دوبارہ تجھے قبول کرلیں گے)

(احیاء العلوم: ۱۵/۴، الزاھر: ۳۴)

جب توبہ ہی کرلی تو سب سے توبہ کرلی

حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور بیعت کی درخواست کی، تو حضرت نے اُس کو بیعت کے بعد گناہوں سے توبہ کرائی کہ زنا نہیں کروں گا، چوری نہیں کروں گا، نماز کی پابندی کروں گا وغیرہ، جب بیعت ہوگئی، تو اس نے کہا: حضرت سب چیزوں سے آپنے توبہ کرادی، مگر افیون سے توبہ نہیں کرائی، حضرت نے کہا: مجھے کیا خبر کہ تم افیون کھاتے ہو؟ پھر حضرت نے افیون سے بھی توبہ کرادی، پھر حضرت نے اس سے پوچھا کہ دن میں کتنی افیون کھاتے ہو؟ چونکہ حضرت کی عمر کا اخیر زمانہ تھا، نابینا ہوچکے تھے، نظر نہیں آتا تھا؛ اس لئے اس سے فرمایا

کہ میرے ہاتھ پر رکھدو کہ اس کی مقدار معلوم ہو جائے، جب اس نے ایک مقدار آپ کے ہاتھ پر رکھی، تو حضرت نے فرمایا کہ اب اس کی آدھی اتنی کھالینا۔ یہ اس لئے فرمایا تاکہ نفس بعد میں مشکل میں نہ پڑ جائے، اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، مگر وہ آدمی بڑا باہمت تھا، اس نے کہا کہ حضرت جب توبہ ہی کر لی، تو اِتنی اور اُتنی کیا، میں نے سب سے توبہ کر لی۔ چنانچہ بالکل چھوڑ دیا۔

ایسے بھی اللہ کے بندے ہوتے ہیں جو اللہ کے لئے سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

ترک گناہ کے بغیر ولایت نہیں ملتی

قاضی امام عبدالواحد بن زید تبع تابعین میں ایک بڑے درجے کے صوفیاء میں سے گزرے ہیں اور حسن بصری و مالک بن دینار کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں بیت المقدس آیا اور صخرہ میں داخل ہو کر اندر سے بند کر لیا، جب رات طاری ہو گئی تو میں نے دروازہ کھولا، پس اٹھارہ آدمی داخل ہوئے، جن پر لوہے کے لباس تھے اور ان کے پیروں میں کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے جوتے تھے اور ان کی گردنوں میں قرآن لٹکے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے بیت المقدس نور سے بھر گیا۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ یہ عبدالواحد امام الزاہدین ہیں۔ عبدالواحد کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں تم کو اس ذات کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں جس نے تم کو یہ کرامت دی ہے کہ آپ کون لوگ ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟ اور یہ مقام آپ لوگوں کو کس طرح ملا؟ انہوں نے کہا کہ:

"یا عبدَ الواحد ! لَا یُوصَلُ اِلٰی وِلَایَۃِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ تَرَکَ الْھَوٰی"

(اے عبدالواحد! اللہ کی ولایت اسی کو ملتی ہے جو خواہش کو ترک کر دیتا ہے)

اور بعض نے کہا: ''ما عَرَفَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ مَنْ لَمْ يَسْتَحِيِ مِنْهُ فِي الْخَلَاءِ '' (اس نے اللہ کو نہیں پہچانا جس نے خلوت وتنہائی میں اللہ سے حیاء نہیں کی) اللہ نے کہا کہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴾

(بلاشبہ وہ لوگ جو غیب یعنی خلوت میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے)

(الزاہر لابن فرحون القرطبی: ۳۲-۳۳)

اناج کا دانہ لہسن کے برابر

امام احمد، امام ابن ابی شیبہ اور ابوبکر الدینوری وغیرہ نے اپنی اپنی سند کے ساتھ ابوقحذم سے نقل کیا ہے کہ

''زیاد یا ابن زیاد کے زمانے میں ایک گڑھا پایا گیا جس میں ایک اناج کا دانہ ایک لہسن کے برابر تھا، اس پر لکھا ہوا تھا کہ: ''هذا نبت في زمان كان يعمل فيه بالعدل'' (یہ اس زمانے کا دانہ ہے جس میں انصاف کو کام میں لایا جاتا تھا) اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ: ''كان يعمل فيها بطاعة اللّٰه '' (یہ اس زمانے کی بات ہے جس میں اللہ کی اطاعت کو کام میں لایا جاتا تھا)

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳/ ۴۹۰، مسند احمد: ۲/ ۲۹۶، المجالسة للدینوری: ۱/ ۳۹۴)

اور علامہ ابن القیم نے ''الجواب الکافی'' میں اور علامہ شمس الدین السفیری نے ''شرح البخاری'' میں امام احمد کی مسند ہی کے حوالہ سے اس کو اس طرح نقل کیا ہے

کہ میں نے بعض بنوامیہ کے خزانوں میں گیہوں کو دیکھا جس کا ایک دانہ کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا، اور وہ گیہوں ایک تھیلی میں تھی جس پر لکھا ہوا تھا کہ:

" كَانَ هٰذا يَنْبُتُ فِيْ زَمَنٍ مِنَ الْعَدْلِ" (یہ عدل والے زمانے میں اگا کرتا تھا)

(شرح البخاری للسفیری: ۳۰/۵، الجواب الکافی: ۶۵)

ایک گائے سے تیس گائیوں کا دودھ

علامہ شمس الدین السفیری نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا، جو اپنی مملکت کے حالات جاننے کے لئے چھپ کر نکلتا تھا، ایک مرتبہ وہ نکلا اور ایک آدمی کے پاس قیام کیا، جس کے پاس ایک گائے تھی جو تیس گائیوں کا دودھ دیتی تھی۔ جب بادشاہ نے صبح کی تو اس کے دل میں اس گائے کو اٹھا لے جانے کا خیال پیدا ہوگیا، پھر جب اس کا دودھ نکالا گیا تو بہت تھوڑا سا نکلا، بادشاہ نے کہا کہ اس کا دودھ کیوں کم ہوگیا؟ کیا یہ ایسی جگہ کا چارہ کھا کر آگئی ہے جہاں عموماً نہیں چرتی تھی؟ اس آدمی نے جواب میں کہا کہ نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ ہمارے بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہوگا جس کی وجہ سے اس کا دودھ کم ہوگیا۔ کیونکہ جب بادشاہ ظلم کرتا یا ظلم کا ارادہ کرتا ہے تو برکت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے دل دل میں اللہ سے معاہدہ کیا کہ وہ ظلم نہیں کرے گا، اور کسی کی کوئی چیز نہیں لے گا۔ اس کے بعد پھر اس کا دودھ دوہا گیا تو حسب معمول خوب نکل آیا، یہ دیکھ کر بادشاہ نے اللہ کی جناب میں توبہ کی۔

(شرح البخاری للسفیری: ۳۰/۵)

حاکم کی بدنیتی کا میوہ پر اثر

امام رازی نے اپنی تفسیر میں ایک قصہ ایران کے بادشاہ نوشیروان عادل کا لکھا ہے، وہ یہ کہ وہ ایک بار شکار کھیلنے نکلا، اور دوڑ لگاتا ہوا آگے نکل گیا اور اپنے لشکر سے جدا ہوگیا۔ اسے پیاس کی شدت محسوس ہوئی اور وہاں ایک باغ نظر آیا، وہ اس میں داخل ہوا، دیکھا کہ انار کے درخت ہیں اور ایک لڑکا بھی وہاں موجود ہے، اس نے لڑکے سے کہا کہ ایک انار مجھے دو، اس نے ایک انار دیا، بادشاہ نے اس کو چھیلا اور اس کا رس نکالا، اور اس انار سے بہترین مزیدار رس لبالب نکلا، بادشاہ کو یہ انار کا باغ بہت پسند آیا، تو دل میں عزم کرلیا کہ یہ باغ اس کے مالک سے چھین لوں گا، پھر اس لڑکے سے کہا کہ ایک اور انار لاؤ، اس نے ایک انار لا کر دیا، جب اس میں سے رس نکالا تو بہت کم رس نکلا اور ساتھ ہی کھٹا بدمزہ بھی۔ اس نے اس لڑکے سے کہا کہ یہ انار ایسا کیوں ہے؟ لڑکے نے جواب میں کہا کہ شاید بادشاہ نے ظلم کا ارادہ کیا ہو! لہذا اس کے ظلم کی نحوست سے انار ایسا بدمزہ ہوگیا۔ نوشیروان نے دل دل میں اس ظلم کے ارادے سے توبہ کی اور لڑکے سے کہا کہ ایک انار اب لے آؤ، اب جو انار لایا تو اس کا رس پہلے سے بھی زیادہ عمدہ تھا، بادشاہ نے کہا کہ اب انار کی حالت کیوں بدل گئی؟ بچہ نے کہا کہ شاید بادشاہ نے توبہ کرلی ہو۔ جب بادشاہ نے یہ بات سنی اور یہ حال دیکھا تو آئندہ کے لئے بالکلیہ گناہوں اور ظلم سے توبہ کرلی۔

(تفسیر الرازی: ۱/۲۰۶)

بنی اسرائیل کے ایک راہب کا گناہوں کی وجہ سے سوءِ خاتمہ

بنی اسرائیل کے ایک راہب کا واقعہ بھی سن لیجئے، جو بڑا عبرت ناک ہے اور

ایک کے بعد ایک گناہ میں پھنسنے کی صورت بھی سامنے لاتا ہے۔ مفسرین کرام نے سورۂ حشر کی ایک آیت کی تفسیر میں اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ آیت یہ ہے:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الحشر:١٦]

(جیسے شیطان کا قصہ ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں)

اس کی تفسیر میں علماء تفسیر نے متعدد واقعات لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک راہب برسہا برس سے اپنی عبادت گاہ میں مشغول عبادت تھا اور لوگ دور دور سے اس سے علم جاننے آتے اور اس کی عبادت کا بڑا اشہرہ تھا، اور اسی بستی میں تین بھائی رہتے تھے جن کی ایک نہایت حسین وجمیل بہن تھی اور بیمار تھی۔ ایک بار ان بھائیوں کو ایک سفر درپیش ہوا تو ان لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بہن کو کہاں چھوڑ جائیں؟ ایک بھائی نے مشورہ دیا کہ فلاں راہب کے پاس چھوڑ دیں گے جو بڑا متقی وعبادت گزار آدمی ہے، اس سے زیادہ قابل اعتماد یہاں کوئی نہیں۔ لہذا اس کے پاس چھوڑ دیں گے، اور کہنے لگے کہ اگر یہ ہماری بہن مر جائے تو اس کی تجہیز وتکفین کا یہ راہب انتظام کر دے گا اور اگر جیتی رہی تو اس کی حفاظت کرے گا۔ چنانچہ سب ملکر راہب کے پاس پہنچے اور اس سے گزارش کی کہ یہ ہماری بہن بیمار ہے، اور ہمیں ایک سفر درپیش ہے، لہذا ہم اس کو آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، اگر خدانخواستہ یہ مر جائے تو تجہیز وتدفین کا انتظام کر دیں اور اگر جیتی رہی تو اس کی حفاظت فرمائیں، ہم لوگ واپس آکر لے جائیں گے۔

راہب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔اور یہ لوگ رخصت ہو گئے اور راہب نے اس لڑکی کا علاج معالجہ کیا تو وہ ٹھیک ہوگئی اور اس کا حسن دوبالا ہو گیا،اور راہب کو شیطان نے بہکانا شروع کر دیا کہ اس کے ساتھ زنا کرے،مگر راہب بچتا رہا،مگر شیطان اس کو مزین کر کے سامنے لاتا رہتا تھا،یہاں تک کہ وہ راہب ایک بار زنا کے فعل شنیع میں مبتلا ہو گیا اور وہ لڑکی حاملہ ہوگئی۔اب شیطان نے اس کو شرم دلائی کہ تو نے کیا حرکت کی،یہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔اگر یہ راز دوسروں کو اور اس کے بھائیوں کو معلوم ہو گیا تو تیری کس قدر رسوائی ہوگی؟ پھر شیطان نے راہب کو اس رسوائی سے بچنے کا علاج یہ سمجھایا کہ اس لڑکی کو قتل کر دے تاکہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو سکے،اور اس کے بھائی آئیں تو کہہ دینا کہ وہ بیمار تھی اور فوت ہوگئی۔

چنانچہ اس راہب نے اس لڑکی کو قتل کر دیا اور ایک درخت کے نیچے دفن کر دیا۔جب اس لڑکی کے بھائی سفر سے واپس ہوئے تو راہب کے پاس اپنی بہن کو لینے آئے،اس نے کہا کہ وہ انتقال کر گئی اور میں نے اس کو قبرستان میں دفن کر دیا ہے۔بھائیوں نے سمجھا کہ صحیح ہوگا اور چلے آئے۔ادھر شیطان نے ان بھائیوں کے خواب میں آ کر کہا کہ تمہاری بہن مری نہیں ہے بلکہ اس راہب نے اس کے ساتھ زنا کرنے کے بعد اس کو قتل کر دیا ہے اور تم کو یقین نہیں آتا تو فلاں درخت کے پاس کھدائی کرو تو تم کو تمہاری بہن کی لاش مل جائے گی،دیکھ لینا۔

سب بھائیوں کے خواب میں جب اسی طرح نظر آیا تو انہوں نے اس خواب کو سچ سمجھ کر درخت کے پاس کھدائی کی اور واقعی وہاں سے ان کی بہن کی مقتول لاش برآمد ہوئی۔جب شیطان نے اس طرح بھائیوں کو اس واقعہ سے باخبر کیا اور وہ اس پر مطلع ہوئے تو ان کو غصہ آیا اور راہب کو مارنے آئے،اور شیطان نے ادھر جب راہب کو ان کے سامنے رسوا کر دیا اور لوگ اس کو قتل کرنے آئے تو اب راہب سے

کہنے لگا کہ دیکھ اب میں ہی تجھے بچا سکتا ہوں، اگر تو میری ایک بات مان لے تو میں اب تیری مدد کروں گا۔ راہب نے کہا کہ اچھا، میں تمہاری بات مانوں گا، تو شیطان نے کہا کہ مجھے ایک سجدہ کر، میں تجھے بچا لوں گا۔ اس نے سجدہ کیا تو کہنے لگا کہ میں تجھ سے بری ہوں اور مجھے اللہ رب العالمین کا خوف ہے۔

(تفسیر طبری: ۲۹۶/۲۳، الدر المنثور: ۱۱۸/۸)

مردار کی محبت نے کفر تک پہنچا دیا

ایک شخص کا قصہ متعدد اکابرین نے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی، اسلم نامی شخص پر عاشق ہو گیا، اور اس کی محبت میں گھلنے لگا، یہاں تک کہ بیمار ہو گیا اور بستر کا ہو گیا، اور اس کا معشوق یہ حالت دیکھ کر اس سے نفرت کرنے لگا اور اس کے پاس آنے سے رک گیا، اس پر اس عاشق نے درمیان میں کسی کو واسطہ بنایا کہ وہ کسی طرح اس کو بلا لائے، ایک بار اس معشوق نے وعدہ کر لیا کہ وہ فلاں دن آئے گا، مگر عین وقت پر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے تو میری بدنامی ہوگی، میں ایسی جگہ نہیں آؤں گا، جب لوگوں نے اسے جا کر بتایا کہ تیرے معشوق نے آنے سے انکار کر دیا اور وہ واپس ہو گیا تو اس پر موت کی علامات ظاہر ہوئیں اور وہ اپنے معشوق کو خطاب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھنے لگا:

أَسلمُ يا راحةَ العَلِيلِ و يَا شِفَاءَ المُدنَفِ النَّحِيلِ

رِضَاكَ أَشْهٰى إِلٰى فُؤَادِي مِن رَّحْمَةِ الخَالِقِ الجَلِيلِ

(اے اسلم! اے بیمار کی راحت! اور کمزور عشق کے بیمار کی شفاء! تیری خوشنودی میرے نزدیک اللہ خالق جلیل کی رحمت سے زیادہ لذیذ ہے)

بس یہ کہنا تھا کہ روح قبض ہوئی اور اسی کفر کی حالت میں مر گیا اور ایک مردار کی محبت میں خدا سے بھی دور ہو گیا۔

(التذکرہ للقرطبی: ۴۲/۱، الجواب الکافی: ۱۶۸)

دیکھئے! ایک فانی انسان کی محبت کا کیا اثر ہوا کہ خدا کی محبت پر اس کو ترجیح دینے لگا اور اس کی محبت کو خدا کی رحمت سے بھی زیادہ لذیذ و پسندیدہ خیال کرنے لگا اور اسی حالت میں موت واقع ہو گئی۔

ایک عورت کی محبت میں اس کا نام لیتے لیتے مر گیا

ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اپنے گھر کے پیچھے کھڑا ہوا تھا کہ ایک لڑکی کا وہاں سے گزر ہوا، اور اس نے اس سے پوچھا کہ حمام منجاب کہاں ہے؟ اس شخص نے اپنے ہی گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ حمام منجاب یہی ہے۔ وہ لڑکی اس کے گھر میں داخل ہوئی تو یہ شخص بھی اس کے پیچھے داخل ہوا، وہ سمجھ گئی کہ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے؛ لہذا اس نے اس پر خوشی و مسرت کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ یہاں ہمارے لئے عیش کے ایسے ایسے سامان ہونا چاہئے۔ اس شخص نے کہا کہ میں ابھی سب سامان لے کر آتا ہوں، یہ کہہ کر وہ بازار چلا گیا، اور اس لڑکی کو گھر میں بغیر گھر بند کئے چھوڑ گیا جب واپس ہوا تو دیکھا کہ وہ گھر سے جا چکی ہے، اس پر وہ اس کی محبت میں بے قرار ہو گیا اور راستوں اور گلیوں میں اس کو تلاش کرنے لگا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ:

يَا رُبَّ قَائِلَةٍ يَوماً وَقَدْ تَعِبَتْ
كَيفَ الطَّرِيقُ إِلَى حَمَّامِ مِنْجَابِ

(اے ایک دن تھکے حال میں یہ کہنے والی کہ حمام منجاب کا راستہ کدھر ہے)

ایک بار وہ اسی طرح کہتا جا رہا تھا کہ ایک باندی نے اپنے گھر کے اندر سے اس کا جواب دیا کہ:

هَلَّا جَعَلْتَ سَرِيْعًا إِذْ ظَفِرْتَ بِهَا

حِرْزاً عَلَى الدَّارِ أَوْ قُفْلا عَلَى البَابِ

(یعنی تو نے جب اس کو پایا تھا تو جلدی سے کیوں گھر پر کوئی آڑ یا دروازے پر قفل نہیں لگا دیا؟)

یہ سن کر اس کا غم اور بڑھ گیا اور وہ اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا، اور اس طرح ایک عورت کی محبت میں اس کا نام لیتے لیتے مر گیا۔

(العاقبۃ فی ذکر الموت لعبد الحق الاشبیلی: ۱۷۹، الجواب الکافی: التذکرہ امام قرطبی: ۱/۲۸، الثبات عند الممات لابن الجوزی: ۷۹)

ایک عیسائی لڑکی کو پانے نصرانی بن گیا

ایک قصہ بڑا عبرت ناک یہ ہے کہ مصر میں ایک شخص بڑا عابد و زاہد تھا ہمیشہ مسجد میں رہا کرتا تھا، اس پر عبادت کا نور اور ذکر کے انوار معلوم ہوتے تھے، ایک بار اذان دینے کے لئے حسب معمول مسجد کے منارے پر چڑھا اور نیچے ایک عیسائی کا مکان تھا، اس کی نظر اس گھر میں پڑی، اور دیکھا کہ عیسائی کی لڑکی بہت حسین و جمیل ہے، وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، اور اذان دینے کے بجائے وہاں سے اتر کر اس کے گھر گیا، اس لڑکی نے پوچھا کہ کیا ہے؟ تو کہا کہ میں تجھے چاہتا ہوں، اس نے کہا کہ تو تو مسلمان ہے اور میرا باپ کبھی تجھ سے میری شادی نہیں کر سکتا، تو اس نے کہا کہ میں نصرانی ہوتا ہوں، الغرض وہ نصرانی ہو گیا اور شادی ہو گئی، اور اسی دن کسی کام سے اس عیسائی کے گھر کی چھت پر چڑھا تو پیر پھسلا اور گر کر اسی حالت کفر میں مر گیا۔

(التذکرہ للقرطبی: ۱/۴۲، العاقبۃ فی ذکر الموت: ۱۸۱، الکبائر للذھبی : ۲۲۷، الجواب الکافی: ۱٦۷)

الغرض معصیت و گناہ کبھی انسان کو کفر و بے ایمانی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اسی حال میں وہ دنیا سے چلا جاتا ہے اور جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا .

بدگمانی کا موقعہ نہ دو

بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں رمضان کے آخر عشرہ میں اعتکاف میں تھے، آپ کی بیوی حضرت صفیہ بنت حی آپ سے ملنے آئیں، کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد جانے لگیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑنے مسجد کے دروازہ تک آئے، تو دو انصاری آدمی وہاں سے گذرے، اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، تو آپ نے فرمایا: خبردار! یہ صفیہ ہے، (یعنی یہ گمان نہ کرو کہ کوئی دوسری عورت میرے پاس ہے بلکہ یہ میری ہی بیوی صفیہ ہے) تو ان دونوں نے کہا کہ سبحان اللہ! یا رسول اللہ (یعنی ہم آپ کے بارے میں کیسے بدگمانی کر سکتے ہیں) اور ان پر یہ بات شاق گذری، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے، اس لئے مجھے خوف ہوا کہ وہ کہیں تمہارے دل میں بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

(بخاری: ۱۸۹۳، مسلم: ۴۰۴۱)

یاد رکھو کہ جس طرح کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا گناہ ہے، اسی طرح بدگمانی کا موقعہ فراہم کرنا بھی جائز نہیں، مگر آج لوگ صرف بدگمانی کرنے کو غلط سمجھتے ہیں، حالانکہ بدگمانی کا موقعہ دینا اور زیادہ غلط بات ہے۔

دو عظیم گناہوں کی وجہ سے قبر میں آگ

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت عمرو بن دینار سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مدینہ کے لوگوں میں سے ایک شخص کی بہن بیمار ہوئی تو وہ اپنی بہن کی عیادت و تیمار داری کرتا رہا، پھر وہ مرگئی تو اس کو دفن کر دیا اور قبر میں یہی شخص دفن کے موقعہ پر اترا تھا اس کے پاس جیب میں دینار کی ایک تھیلی تھی وہ قبر میں گر گئی، تو بعض لوگوں کے تعاون سے قبر کھود کر دیکھا تو قبر میں آگ دہک رہی ہے یہ اپنی ماں کے پاس آیا اور پوچھا کہ میری بہن کا عمل کیسا تھا؟ ماں نے کہا کہ جب وہ مر چکی تو اب عمل پوچھ کر کیا کرو گے؟ مگر جب اس نے اصرار کیا تو ماں نے بتایا کہ تیری بہن ایک تو نماز کو تاخیر کر کے پڑھتی تھی اور دوسرے جب پڑوسی سو جاتے (یعنی سونے کے لئے دروازہ بند کر دیتے) تو جا کر ان کے دروازہ پر کان لگا کر ان کا تجسس کرتی اور ان کی پوشیدہ باتیں معلوم کرتی تھی۔ بھائی نے سن کر کہا کہ بس اسی نے اس کو ہلاک کیا ہے۔

(تفسیر قرطبی ۱۶/۳۳۴)

بڑی عبرت کا قصہ ہے اللہ سب کی حفاظت کرے مگر آج کتنے لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کا تجسس کرتے اور ان کی باتوں کو معلوم کرتے ہیں ان سب باتوں سے بچنا چاہئے۔

حسد کا دنیوی نقصان

امام غزالیؒ نے ایک واقعہ عجیب لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک آدمی کو بڑا تقرب حاصل تھا اس پر ایک دوسرے آدمی نے حسد کرنا شروع کر دیا اور ایک دن بادشاہ سے جا کر شکایت کی کہ یہ شخص جو آپ کا مقرب ہے اس کا گمان ہے کہ بادشاہ

گندہ ذہنی (منہ کی بدبو) کے مرض میں مبتلا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ آپ اسکو قریب بلائیں تو وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیگا تا کہ اسکی بدبو نہ سونگھ سکے۔ بادشاہ نے کہا اچھا ہم دیکھیں گے یہ آدمی بادشاہ کے پاس سے نکل کر اس آدمی کے پاس گیا اور اپنے گھر کھانے پر بلایا اور کھانا کھلایا اور کھانے میں لہسن بھی رکھا جو بدبودار ہوتا ہے یہ آدمی اسکی سازش سے بے خبر، وہاں سے نکلا اور اپنے ڈیوٹی پر بادشاہ کے پاس گیا۔ تو بادشاہ نے کہا قریب آؤ یہ شخص یہ خیال کر کے کہ کہیں لہسن کی بدبو سے بادشاہ کو تکلیف نہ ہو اپنے منہ پر ہاتھ رکھا، بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ اسکی شکایت جو اس آدمی نے کی ہے وہ صحیح ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو اپنے ہاتھ سے خط لکھا کہ یہ خط لیکر آنے والے کو قتل کر دو اور خط کو سر بمہر کر کے اس کو دیا اور کہا کہ گورنر کے پاس یہ خط لے جاؤ۔ جب یہ آدمی خط لیکر نکلا تو وہ آدمی باہر نکلا جس نے سازش کی تھی اور پوچھا کہ یہ کیا خط ہے تو اس نے کہا کہ بادشاہ نے غالباً میرے لیے انعام کا پروانہ لکھا ہے اس نے کہا کہ یہ تم مجھے دیدو اس نے اس پر رحم کر کے یہ دیدیا جب وہ اسکو لیکر عامل کے پاس گیا تو بادشاہ کے خط کے مطابق اس اسکو قتل کر دیا۔

(احیاء العلوم ۳/۱۸۸)

معلوم ہوا کہ حسد سے جہاں اخروی نقصان ہوتا ہے وہیں دنیوی نقصان بھی ہوتا ہے۔

چغلخوری کا نتیجہ

علامہ ذہبی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک جگہ ایک غلام بیچا جا رہا تھا اور بیچنے والا یہ ندا لگا رہا تھا کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اسکے کہ یہ چغلخور رہے۔ ایک شخص نے یہ غلام خرید لیا اور اس عیب کو معمولی سمجھا چند دنوں کے بعد اس غلام

نے اس شخص کی بیوی سے کہا کہ کچھ خبر بھی ہے کہ تمہارے میاں ایک اور عورت سے شادی رچانے والے ہیں اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتا اگر تم چاہتی ہو کہ وہ تم سے محبت کرے تو تم اسکے سونے کے وقت اسکی ڈاڑھی کے نیچے سے چند بال استرے سے کاٹ کر اپنے پاس رکھ لو اس عورت نے سوچا کہ صحیح ہوگا اور اس غلام کی تدبیر پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اس غلام نے پھر اسکے آقا سے جا کر کہا کہ تمہاری بیوی نے اپنا دوست بنا رکھا ہے اور وہ تم کو ختم کرنے کی تدبیر کر رہی ہے اگر تم کو میری بات کی تصدیق کرنا ہو تو آج رات تم بستر پر یوں ہی لیٹ جاؤ اور سونے والوں کی طرح اپنے آپ کو ظاہر کرو پھر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ جب رات ہوئی تو بیوی بال نکالنے کیلئے شوہر کی ٹھوڑی کی طرف استرہ لے کر بڑھی ادھر شوہر جو کہ پہلے سے بیدار تھا فوراً اسکے ہاتھ پکڑ لیا ور غلام کی بات کو سچ سمجھ کر بیوی کو قتل کر دیا پھر بیوی کے خاندان والوں نے شوہر کو پکڑ کر قتل کر دیا۔

دیکھا کہ چغلی کا کیا نتیجہ ہے؟ اور کس طرح معاشرہ فاسد و خراب ہوا؟ اسلئے اس بیماری کو ختم کرنا ضروری ہے۔

لطائف

کتے کی قبر مزار بن گئی

عظیم بزرگ وصوفی جن کی ولایت کو عوام وخواص سبھی تسلیم کرتے ہیں، میری مراد حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ الرحمہ سے ہے۔انہوں نے اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے کہ:

کہ چار آدمی مسافر تھے اوران کا پانچواں ساتھی کتا تھا،ایک جگہ پانی کے کنارے کتا مر گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بیچارہ ہمارے ساتھ رہا تھا ہم اس کو کہیں دفن کردیں گے اورایک علامت بنادیں گے اور جب ہم واپس آئیں گے تو ہم کو یہ یاد آجائے گا کہ یہی جگہ ہمارے اس کتے کی ہے تو انہوں نے ایک مٹی کا ڈھیر لگادیا اور روانہ ہوگئے وہ ایک قبر کی صورت بن گئی ۔اتفاقاً وہاں ایک قافلہ پہونچا آگے کے راستہ کا پرخطر ہونا انہوں نے سنا وہاں انہوں نے یہ قبر کی صورت دیکھی جس کے سرہانے ایک درخت بھی تھا تو انہوں نے سوچا کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے جن کو کنارۂ آب درخت کے سایہ میں دفن کیا گیا ہے ۔انہوں نے اس صاحبِ قبر کے لیے اپنے مال کا دسواں حصہ الگ کردیا اور نذر مانی کہ اگر ہم سلامتی کے ساتھ گزر جائیں تو ہماری منفعت کا دسواں حصہ اس شیخ بزرگوار کے لیے لائیں گے۔اتفاقاً چوروں کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور سوداگروں کے لیے راستہ کھل گیا اور وہ سلامتی سے گزر گئے اور پھر اس جگہ واپس آگئے تو انہوں نے ایک گنبد، ایک خانقاہ اورایک عمارت بنادی۔لوگوں میں شہرت ہوگئی اور وہاں ایک بستی آباد ہوگئی۔اور اس بستی کا والی بھی مقرر ہوگیا۔

کچھ زمانہ گزرا اور وہ چار آدمی سفر کرتے ہوئے پھر اس کنارۂ آب پر پہونچے تو وہاں ایک شہر کو آباد دیکھا کہ یہاں کوئی آبادی نہ تھی مگر یہ شہر کہاں سے آگیا لوگوں

سے سنا کہ یہاں ایک بزرگ دفن ہیں۔ تو وہ آئے دیکھا اور شبہ میں پڑ گئے کہ کہیں یہ ہمارا وہی کتا نہ ہو وہ درخت وہ کنارۂ آب اور اس مقام کو تحقیق سے سمجھ لیا کہ بزرگوار آدمی نہیں ہیں بلکہ وہی کتا ہے۔ ان کی یہ بات شہر میں فاش ہوگئی لوگوں نے کہا کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم کو ایک کدال دیدو اگر کتے کی ہڈیاں نہ نکلیں تو ہم کو مار ڈالو۔ چنانچہ کھودا گیا تو کتے کی ہڈیاں بعینہ نکل آئیں۔ لوگوں نے یقین کرلیا۔ اپنا قصہ سنایا اور ان کو چھٹکارا مل گیا۔ بس خلق کے اعتقاد کا یہ حال ہے۔

(جوامع الکلم: ۴۳۷)

ڈاڑھی کے پیچھے کون پڑا ہے؟

ایک جنٹل مین ایک مولانا سے کہنے لگے کہ مولویوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ڈاڑھی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں! تو مولانا نے جواب دیا کہ ہم کہاں پڑے ہوئے ہیں، ڈاڑھی کے پیچھے تو آپ لوگ پڑے ہوئے ہیں، کہ ذرا سی بڑھی، اور کاٹ دی، ذرا سی بڑھی پھر کاٹ دی، اور ہم تو ڈاڑھی چھوڑے ہوئے ہیں۔

ڈاڑھی رکھنا فطرت ہے

ایک صاحب حضرت مولانا سید اسماعیل شہیدؒ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ڈاڑھی رکھنا فطرت کے خلاف ہے، کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو ڈاڑھی نہیں ہوتی، حضرت نے فرمایا: پھر تو آپ اپنے دانت بھی توڑ لیجئے، کیونکہ وہ بھی فطرت کے خلاف ہیں، اس لئے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو دانت بھی نہیں ہوتے، قریب میں مولانا عبدالحی صاحب بڈھانویؒ بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے،

واہ، کیا دنداں شکن جوب دیا۔

بھوک شریف۔ایک لطیفہ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی علیہ الرحمہ ایک سفر کے دوران ایک جگہ گئے، وہاں کسی بزرگ کا مزار تھا اور کچھ مجاورین رہتے تھے تو وہاں کے لوگ ہر چیز میں شریف لگا رہے تھے، حضرت! لیجئے لوٹا شریف، یہ کیجئے وضوء شریف، ادھر ہے بیت الخلاء شریف، سب جگہ شریف شریف۔

حضرت کو ہنسی بھی آرہی تھی لیکن ہنسی روک کر اپنا کام کرتے رہے، جب نماز وغیرہ سے فارغ ہوگئے، پھر ان بزرگ کے مزار پر جا کر وہاں فاتحہ پڑھی، اس کے بعد واپس آئے تو ان لوگوں نے کہا کہ حضرت! کھانا شریف تیار ہے، اس لیے روٹی شریف کھا لیجئے، تو حضرت نے کہا کہ بھائی بھوک شریف نہیں ہے۔تو بعض جگہ شریف شریف کا استعمال بہت ہوتا ہے۔

ایک نحوی عالم کا لطیفہ

مظاہر علوم سہارنپور میں ایک استاد بزرگ تھے، اور وہ نحوی تھے، فن نحو میں ان کو بڑی مہارت تھی، وہ ہر بات میں نحو کو سامنے رکھ کر کلام کرتے تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو طلبہ آپس میں کہنے لگے کہ حضرت کے پاس فرشتے آئے ہوں گے منکر نکیر اور انہوں نے حضرت سے پوچھا ہوگا: ”مَنْ رَّبُّكَ“ (تیرا رب کون ہے؟) تو انہوں نے جواب میں کہا ہوگا: ”مَنْ رَّبُّكَ“ (وہ جو تیرا رب ہے)

یعنی فرشتوں کے سوال میں ”مَنْ“ استفہامیہ ہے اور جواب کے اندر ”مَنْ“

موصولہ ہے۔ تو بظاہر سوال بھی وہی جواب بھی وہی، مگر معنی بالکل الگ، زندگی میں ان کا جو مزاج و انداز تھا اس کو سامنے رکھ کر طلبہ آپس میں یہ کہہ رہے تھے۔

جاہل کے اجتہاد کا نتیجہ

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن میں احکام کی آیتیں ہیں۔ ان میں اجتہاد کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لیے متعدد علوم پر مہارت کی ضرورت ہے۔ اس لیے قرآن پڑھ کر اس کے عام مضامین سے فائدہ تو اٹھائے مگر خود ہی اپنی عقل سے ان میں اجتہاد نہ کرے۔ یہ کام فقہاء کرام کا ہے۔ اگر ہر آدمی اجتہاد کرے گا تو نہ معلوم کس بات سے کیا نتیجہ نکالے گا اور کیا گڑ بڑ کر دے گا۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ایک گاؤں میں ایک شخص درخت پر چڑھ گیا، مگر چڑھنے کو تو چڑھ گیا، اترنا نہیں آتا تھا۔ بہت چیخا، چلایا، لوگ جمع ہو کر سوچنے لگے کہ کس طرح اسکو اتارے، اتنے میں ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں اس کو اتاروں گا، تم رسی لے آؤ، لوگ رسی لے آئے، اس نے رسی کو درخت پر اس آدمی کی طرف پھینکا اور کہا کہ اس کو پکڑ کر اپنی کمر پر باندھ لو، یہ شخص نیچے سے زور سے جھٹکا دیا، وہ آدمی تو نیچے آ گیا، مگر اس کی روح اوپر چلی گئی، یعنی بے چارہ مر گیا۔ اب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ تو کیا جواب دیتا ہے کہ میں نے اس طرح سے کئی آدمیوں کو کنویں سے نکالا ہے۔ واہ کیا اجتہاد ہے؟ کہ کنویں کے مسئلہ پر درخت کو قیاس کر لیا ہے۔ اس طرح ہر آدمی احکام کی آیت میں اجتہاد کرے گا تو سوائے گڑ بڑی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اصلاح نفس میں اعتدال ضروری ورنہ

نفس پر ایک دم کنٹرول نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کو شیخ کی رائے سے روک تھام کرنا چاہئے، ورنہ نتائج اچھے نہیں نکلتے، اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک آدمی کے پاس ایک گھوڑا تھا۔اس کا مالک جب اس کو سفر میں لیکر نکلتا، تو اس کی ایک بری عادت یہ تھی کہ لید کرنے کے بعد، گھوم کر اس کی بدبو سونگھتا اور پھر آگے بڑھتا، یہ شخص اس کی اس حرکت سے بہت تنگ تھا، ایک دن اس آدمی کو کسی سفر پر جانا تھا، اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر سفر پر نکلا، راستہ میں اس گھوڑے نے اپنی وہی حرکت شروع کر دی، مالک کو بڑی پریشانی ہونے لگی، لمبا سفر تھا، اس طرح یہ کرے گا تو پریشانی ہوگی، چلتے چلتے راستہ میں ایک اور گھوڑ سوار سے ملاقات ہوگئی، دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، ایک جگہ اس گھوڑے نے وہی پرانی حرکت کی، تو دوسرے گھوڑے والے نے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے تمہارے گھوڑے کا؟ کہا کہ میرے گھوڑے میں یہ عادت پیدا ہوگئی ہے، جس سے میں بہت پریشان ہوں۔

اس نے کہا کہ اس گھوڑے کا علاج میں کرتا ہوں، آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جایئے اور اپنا گھوڑا مجھے دید یجئے، چنانچہ ادل بدل کر کے سفر شروع کر دیا، جب وہ دوبارہ راستہ میں لید کر کے اپنی پرانی حرکت کرنے لگا، تو اس آدمی نے گھوڑے کی اس قدر پٹائی کی کہ گھوڑے کو بھی عقل آ گئی، ایک ہی دفعہ کی پٹائی میں ٹھیک ہو گیا، بہت دور سفر کرنے کے بعد دونوں کی راہ الگ ہو رہی تھی، پھر دونوں نے اپنا اپنا گھوڑا بدل لیا، اور اس دوسرے شخص نے کہا کہ بھائی! اب تمہارا گھوڑا ٹھیک ہو گیا، لیکر جاؤ، یہ کہکر وہ آدمی چلا گیا، دونوں کا راستہ الگ ہو گیا، اور کچھ دیر گزر گئی، جب اس

گھوڑے کو خوب یقین ہو گیا کہ وہ دوسرا گھوڑ سوار ہم سے دور چلا، تو وہ گھوڑا وہاں سے مڑا اور پورا راستہ جہاں جہاں لید کیا تھا وہاں وہاں واپس جا کر، ہر جگہ سونگھ آیا۔

اس میں عبرت ہے کہ نفس کو کنٹرول کرنے کے لئے اعتدال کی ضرورت ہے، اگر ایک دم سیدھا کر دیا جائے، تو فی الوقت تو وہ سدھر جائے گا، مگر جب دوبارہ لوٹے گا، تو ایسا لوٹے گا کہ کفر کی طرف بھی جا سکتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے۔

تمت

شعبۂ تحقیق و اشاعت

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

''جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم'' شہر بنگلور کا وہ دینی، علمی، دعوتی و اصلاحی ادارہ ہے جو - اپنے مسلم تعلیمی و تربیتی معیار اور معتدل اصلاحی و دعوتی پیغام، بالاخص اس الہامی ادارہ کے ولی اللہ صفت، مخلص بانی، نگاہ ہمہ گیر اور مؤمنانہ فراست کے حامل منتظم اعلی، ان گنت علمی، تحقیقی و فقہی، اور دعوتی و اصلاحی کتب قیمہ کے محرر بے نظیر، حق پرستی و حق گوئی کے متوازن علمبردار، یعنی استاذ نا و مرشد نا حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب **أدام اللّٰہ علینا ظلہ**، کی خدمات جلیلہ و مساعی مفیدہ کے باعث - آج علاقۂ جنوب بلکہ پورے ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کے

درمیان اپنی ایک منفرد وممتاز شان رکھتا ہے۔

ارضِ ہندوستان اور خصوصاً علاقۂ جنوب میں امت کے افسوس ناک اور دردناک حالات ومسائل اور رہبران ملت کی صحیح اور متحدہ خدمت کی قلت کی بنا پر حضرت اقدس کی بڑی آرزو وتمنا تھی کہ جامعہ کے تعلیم وتربیت یافتہ فضلا کیلئے ایک ایسا پلیٹ فارم تیار کیا جائے کہ اس کی راہ سے وہ دین وملت کی خدمت کریں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی صالحیت وصلاحیت کو آگے بلند پرواز پر قائم رکھ سکیں۔

اس ارادے سے حضرت ہی کے ایماء پر بروز سنیچر، ۶/ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۲/ مارچ ۲۰۱۱ء کو ایک نئے شعبہ کی بنام ''شعبۂ تحقیق واشاعت'' تعمیر وتشکیل دی گئی، جس کے مقاصد واغراض میں درج ذیل امور داخل ہیں:

(۱) حضرت اقدس مفتی شعیب اللہ خان صاحب مدظلہ العالی کی تحریرات ونگارشات کا تعارف، اشاعت اور دیگر علمی، اصلاحی، دعوتی کاز کو فروغ دینا۔

(۲) مختلف زبانوں میں ان کتب کے تراجم کرانا۔

(۳) مختلف اوقات میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کا جائزہ اور حل، وقتاً فوقتاً اٹھنے والے فتنوں کا صحیح جائزہ اور بروقت بے لاگ لپیٹ ان کا تعاقب اور سدباب کرنا۔

(۴) ایک مستند ومعیاری، علمی وتحقیقی اور دعوتی واصلاحی ماہنامے کا آغاز ونظام وغیرہ اہم امور شامل ہیں۔

(۵) غیر مسلموں میں دعوتی کام کرنا۔

جامعہ کے اس شعبہ نے بحمد اللہ تبارک وتعالی اپنے سر پرست اعلی کے اخلاص وہدایت، ہمت افزائی ورہبری کے نتیجہ میں اقل ترین مدت کے اندر نہایت قیمتی وموثر خدمات انجام دی ہیں، مثلاً:

حضرت اقدس کی جملہ کتب ورسائل کی طباعت واشاعت، تعارف وتشہیر کی خدمت ہے کہ اس کی بدولت فی الحال شعبہ کے پاس حضرت والا کی تمام کتب ورسائل موجود ومحفوظ ہیں، اور آگے بھی ان شاء اللہ اس انمول دولت کے ضائع ہونے کا خطرہ وخدشہ بھی نہ رہا۔ اسی طور ان کا نفع بھی محدود نہ رہا۔ ان کتب کی فہرست بھی آگے پیش خدمت ہے۔

حضرت اقدس کی نہایت دیدہ زیب ودلکش نئی ویب سائٹ (www.muftishuaibullah.com) کا اجراء کہ جس میں حضرت کی تمام تصنیفات ورسائل، ان گنت علمی واصلاحی بیانات موجود اور وقف للہ ہیں، قاری پڑھنا اور حاصل کرنا چاہے تو بغیر کسی خرچ کے حاصل کرسکتا ہے (مگر بعد حصول کسی بھی قسم کے حذف وترمیم کی ہرگز اجازت نہیں) ایسے ہی بروز جمعرات بعد نماز مغرب منعقد ہونے والی اصلاحی مجالس اور جمعہ کے خطبات براہ راست نشر کردئے جاتے ہیں، جس میں سامع اسی لمحے استفادہ کرنا چاہے تو بسہولت کرسکتا ہے۔